

بالنعم۔ وجنبہ الذی من فرط فیہ ندام و علی جلیبتہ
الاطہار د عائم الاحیاء۔ و عناصر الاربار۔ و حج الجبار
و ساسة العباد و ارکان البلاد۔ و ابواب الایمان
و اصناء الرحمن۔ صلوة دائمة بدوام الدہور و الاقامۃ
متوالیة متتالیة۔ متکاثرة متطاہرة۔ ملحدی الحادیان
و اطرد الخافقان فقط

مصنف رسالہ فیض الشیعہ اپنی جلد اول کو ختم کر کے جلد دوم
شروع کرتے ہیں لیکن جلد اول کی پیشانی کو جو ادھونے سے حبنا
کتاب اللہ قول حضرت عمرؓ سے زینت دی تھی اس کو مٹا کر
اس جلد دوم کے چہرہ کو ان اللہ معنا سے مزین کیا ہے۔
یہ قول پیغمبرؐ ہے جسکا خدا نے قرآن میں حکایتاً ذکر فرمایا ہے
اوس قصہ میں کہ جب حضرت ابوبکرؓ پیغمبرؐ کے ہمراہ غار ثور میں
اور باندہ شہ کفار حزن میں گرفتار ہوئے تو پیغمبرؐ نے اپنی تقویت
اون پر ظاہر کی کہ ”غمنتم کہ تحقیق کہ اللہ ہمارا ساتھ ہے“ جس سے
کوئی فضیلت حضرت ابوبکرؓ کے لئے پیدا نہیں ہوتی یہ کلمہ پیغمبرؐ نے
اوس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ جسکے قلب اثر انداز شد

کفار تھا۔ اور مصنف مخاطب نے اس اپنی جلد دوم میں کہ امامت
بجہت شروع کی ہو اور جس میں غرض اول کی یہ ہو کہ حق امامت
علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت قائم نہ ہو کر حق خلافت حضرت ابوبکر کے
لئے جو پیغمبر کے ہمراہ غار ثور میں تھے قرار پایا جو سے جن پر حزن
طاری ہوا تھا اور جنگ مقابلہ میں پیغمبر نے وہ کلمہ فرمایا ہو۔
حالت اس واقعہ پر غور کرنے سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ وہ
کلمہ پیغمبر کا مصنف مخاطب کی اس تصنیف کے لئے کس قدر قابل
آرائش ہو سکتا ہو۔

کلمہ حسب کتاب اللہ کو جو مصنف نے اس جلد دوم
کی پیشانی پر نہیں چپکایا غالباً اسکا یہ سبب ہو کہ بمقابلہ جلد
اول کے جو جلدین رسالہ روشنی کی نخلی بین اون کی پیشانی
تقدیر پر یہ نص پیغمبر لکھی گئی ہے "انی تارك فيكم الثقلين"
جو مٹ نہیں سکتی اسی نص پیغمبر نے قول حضرت عمر کو جو
خلافت نص پیغمبر تھا مٹا دیا ہو لیکن منشاء قول حضرت عمر کا
دل سے مصنف کے دور نہیں ہو کہ وہ اپنی اس جلد دوم
کو قرآن کی شہادت سے حق کے فیصلہ کا اہلادہ کرتے ہیں۔
مگر قرآن میں جو آیات متشابہات ہیں اور سو کا ظاہر کے بطن

بھی رکھتے ہیں اور اسے حق کا فیصلہ کرنا ہر کسی کا کام نہیں ہے بلکہ ان کے معنی اور مقاصد کو سمجھنا اور سمجھانا اور خاص لفظوں کا کام ہے کہ جنکو خدا نے قرآن میں بتایا ہے۔

اور اسی اعتقاد نے کہ قرآن کی آیات کے معنی اور مقصود کو ہر شخص اپنے فہم کے موافق قرار دینے کا حق رکھتا ہے مسلمانوں کے متعدد فرقے قائم کر دیے ہیں کہ ہر فرقہ کا مقتدا اپنی حقیقت کے لئے اسی قرآن سے دلیل اور حجت لاتا ہے کہ عقل اسی بات کو چاہتی ہے کہ قرآن کے معانی اور مقاصد اعلم ترین خلایق نے جو بیان کئے ہوں تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسی کو قبول کریں اور وہ اعلم ترین خلایق بھی ایسے ہوئے لازم ہیں کہ جنکو پیغمبر نے بتا دیا ہو تاکہ باہم مسلمانوں کے کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔ اور اسی نظر سے پیغمبر نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ ۲۰ درمیان تمہارے دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کتاب اللہ اور عمرت اپنی۔ اگر ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ آپس سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر میں مجھے ملاقات کریں ۲۱

۱۰ رسالہ روشنی جلد ثانی بحث مسئلہ ۱۰ دیکھو غبقات الانوار عند نقلین

جیسے کہ ”حبنا کتاب اللہ“ کا قول صحیح نہیں ہو سکتا ہے
ویسے ہی مجروح شہادت قرآن بغیر شہادت حضرت رسولؐ کے
کسی چیز کے فیصلہ کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔

مصنف بحث امامت کو یوں شروع کرتے ہیں کہ ”شیعہ
رسولؐ کے بعد جناب امیر کو اور ان کے بعد ائمہ کو امام
معصوم مقرر عن الطاعت بتاتے ہیں۔“

اہل سنت کہتے ہیں کہ رسولؐ کے بعد نہ کوئی معصوم ہے
نہ کسی کی طاعت فرض ہے اصلاح امور انتظامی کے لئے
کسی شخص کو اپنا بادشاہ مقرر کر لیا مسلمانوں کا کام تھا اسی
بادشاہ اسلام کو خلیفہ کہتے ہیں۔“

مصنف نے جو سنی اور شیعہ کا اعتقاد ظاہر کیا ہے تو وہ
اس آیت قرآنی کے ”

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ
وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاطِيعُوا أُولِي الْأَمْرِ
مِنْكُمْ“ سے ہو اطاعت کرو
خدا کی اور اطاعت کرو رسولؐ اور اولی الامر کی جو تم میں
سے ہوں۔“

موافقت شیعہ مخالف ہے اہل سنت کا مذہب اس کا خلاف ہے۔

اس آیت میں صریح حکم ہے کہ سوائے خدا اور رسولؐ کے بعد رسول کوئی اولی الامر بھی ہے اور اطاعت اولی الامر کی ویسی ہی واجب کی گئی ہے جیسے کہ خدا اور رسولؐ کی۔ اور رسولؐ اور اولی الامر منقرض الطاعت یکساں قرار دئے گئے ہیں جو دلیل تو حدوات رسولؐ اور اولی الامر کی ہے۔ اور جب اولی الامر کی اطاعت مثل رسولؐ کے فرض کی گئی تو ضرور ہے کہ اولی الامر مثل رسولؐ کے معصوم بھی ہو۔

یہ امر بالکل خلاف عقل ہے کہ اطاعت غیر معصوم کی مثل معصوم کے فرض کی جائے جس سے بغیر سنی پیغمبرؐ کی لازم آتی ہے۔

اہل سنت جو بعد رسولؐ کے کسی کی اطاعت فرض نہیں جانتے اور منقرض الطاعت کسی کو اور عصمت کسی میں کہ جو فرض اطاعت سے پیدا ہوتی ہے بعد رسولؐ کے نہیں مانتے یہ مذہب اوٹکا قطعی خلاف نص صریح قرآنی کے ہو۔ یہ کہیں سے نہیں ہو سکتا کہ بعد رسولؐ کے کسی کو منقرض الطاعت نہ مانا جائے۔

البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اولی الامر کو قرار دینے میں
سُنی شیعوں سے اختلاف کریں جیسا کہ علماء اہل سنت نے
اولی الامر میں کہ کس سے مراد ہے شیعوں اور خود باہم
بھی مخالفت کی ہے۔ لیکن ہم جلد ثانی روشنی میں اچھی طرح
دیگر کثیر آیات قرآنی سے دکھائے ہیں کہ سو اعلیٰ مرتضیٰ
اور ائمہ اہل بیت کے اولی الامر کی نہ کسی اور سے مراد ہے
اور نہ ہو سکتی ہے۔

مذہب اسلام میں دین اور دنیا الگ الگ چیز نہیں ہے
انسانوں کی اصلاح معاد اور معاش کا نام دین اسلام ہے
جو روحانی۔ جسمانی۔ باطنی۔ اور ظاہری امور انسانی سے
علاقہ رکھتا ہے۔ ہر قسم کے امور انتظامی جبکہ تعلق انسان سے
ہے متعلق دین کے ہیں۔

قرآن جس میں قواعد اور آداب دین بیان ہوئے ہیں
صرف موعظت اور سید کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ وہ ہمیں وہ
تمام احکام صادر کئے گئے ہیں جبکہ علاقہ معاشرت اور معیشت
انسانی سے ہے اور جو من جمیع الوجہ امور دنیاوی انسانوں سے
متعلق ہیں۔

پہنچوڑی نے جیسا کہ تبلیغ احکام کر کے مذہب اسلام کو قائم کیا ضرور ہے کہ بعد پہنچوڑی کے کوئی شخص لمبیا ہو کہ مذہب اسلام کو قائم اور برقرار رکھے اور اس کا قائم اور برقرار رکھنا اسی حالت میں ہو سکتا ہے کہ جب انہیں احکام کو نافذ اور جاری کرے اور ایسے ہی شخص کو اصطلاح شیعہ میں امام کہتے ہیں۔ اور جیسے کہ رسالت کو خلافت فی الارض لازم ہو گئی تھی۔ ویسے ہی ضرور کہ خلافت امامت کے تحت میں ہو۔ بغیر ایسے اولی الامر منقرض الطاعت کے غیر ممکن ہے کہ ہر مجرم اپنے ہاتھ سے اپنا آپکو سزا دے سکے۔

بعد پہنچوڑی کے جو کوئی سب سے زیادہ عالم دین ہو وہی مستحق خلافت فی الارض ہو سکتا ہے تاکہ وہ بخوبی حفاظت اور اجرائی احکام خدا و سنت رسول سیاست مدن کی قوت سے کر کے انتظام مدن کر سکے۔

اگر مسلمان عالم اور ہادی دین کو چھوڑ کر دوسرے کو خلیفہ فی الارض بنائینگے تو خلافت فی الارض کے عالم دین کے ہاتھ میں نہ ہونے سے اسی قدر اجراء احکام خدا اور سنت رسول میں مضر ہوئے گا کہ جو ایک اولی الامر کے

معتل رہنے سے پہنچ سکتا ہے کہ جو مطابق قرآن اور سنت رسول کے حکم کرنے والا اور صاحب الامر ہو۔

بلکہ غیر منصوص الاوصاف اولی الامر سے ضرر کو وسیع ہی تقویت ہوگی جیسے غیر رسول سے بمقابلہ رسول کے اگر عظیم فی الارض قبول کیا جاوے یا بمقابلہ اعلم کے کسی بے علم کو قرار دینے سے۔

اصلاح امور انتظامی کے لئے کسی شخص کو اپنا بادشاہ مقرر کر لینا مسلمانوں کا بحیثیت شریعت کے بغرض مخالفت دین اور اجراء احکام خدا اور رسول کے اپنی مرضی اور خواہش سے سرگز کام نہیں تھا۔ بلکہ بموجب حکم خدا اور سنت رسول کے یا بقضاء مذہب اسلام اصلاح امور انتظامی کے لئے اوستی شخص کو اپنا بادشاہ قبول کرنا مسلمانوں کا کام تھا کہ جب کو خدا نے بتایا اور رسول نے بتایا ہو اور جو باقضاء مذہب اسلام اوستی مستحق ہو۔

بعد وفات رسول خدا صلعم کے اس بات کی ضرورت تھی کہ ایسا شخص خلیفہ بادشاہ اور جانشین پیغمبر کا مقرر ہو۔

۱۔ ویکھو رسالہ روشنی جلد ثانی بحث مسئلہ امامت۔

کیا جاوے کہ جو محقق احکام خدا اور رسول اور امت
خلق اللہ کی اپنے اوس علم کامل سے جسکو پیغمبر سے حاصل
کیا ہو کر سکے اور شریعت کی پابندی سے ہر امر کا فیصلہ کر سکے
اور ایسا شخص وہ ہی ہو سکتا ہے کہ جسکی نسبت خدا اور
رسول کا کچھ ایما ہو۔

منیب اپنے کاروبار کے سرانجام کے لئے کسی نائب کا
انتخاب اور اوسکی قابلیت کا اندازہ خود ہی کر سکتا ہے اور
کم سے کم اعلم الناس ہونا ایسے شخص کا ایک امر ضروری ہے
ہاں برخلاف اوسکے اگر کسی شخص کو اپنا بادشاہ مسلمان مقرر
کر لیں تو وہ بادشاہ مسلمانوں کا کہا جاسکتا ہے مگر بادشاہ
اسلام اور خلیفہ رسول نہیں ہو سکتا بادشاہ اسلام اور خلیفہ
رسول وہ ہو سکتا ہے کہ جو امامت رسول اور ہادی بن ہو
اور جبکا اختلاف صراحۃً یا لکنا یہ پیغمبر نے کیا ہو اور وہی مخصوص
من اللہ ہوگا۔

شروع سے مذہب اسلام نے ایک ہی شخص (پیغمبر) کو
امامت اور امارت کے لئے قبول کیا ہے اور ایک ہی
شخص کو سردار دین اور دنیا کا مانا ہے اور یہی ایک ایسی

تحریک مسلمانوں کے دلوں میں عہد پیغمبر میں تھی کہ جس نے سلطنت اور خلافت مسلمانوں کے لئے قائم کر دی اور اسی اتحاد تحریک کے توڑنے نے اور امارت اور امامت کی شاخیں جدا جدا کرنے نے اور امام سے خلافت کو لے لینے نے اصول مذہب اسلام میں رخنہ ڈال کر مسلمانوں کو تباہ اور برباد کر کے زوال پر پہنچایا۔

مذہب اسلام پر ولایت ابراہیمؑ کا ہے جو مولیت ابراہیمؑ کے بعد حضرت اسمعیلؑ کے لوگوں نے خراب کر دی تھی اونکی اصلاح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امر اور نہی کے ذریعہ سے کی۔ اور جن امور میں کہ تفصیل کی ضرورت تھی اونکو صراحت سے بیان فرمادیا اور جو امور کہ صحیح طور پر برقرار چلے آتے تھے اون کو قبول کر کے صرف تازہ کر کے دکھا دیا۔ اون میں نہ کسی امر کی حاجت تھی نہ نہی کی اور نہ کسی تفصیل کی امر جانشینی جو متعلق امامت کے ہے اسی قسم اخیر کو شامل تھا۔

قبل پیدائش حضرت محمدؐ کے عہد حضرت اسمعیلؑ سے حکومت اور سلطنت ملک عرب کی اس نوع سے تھی کہ

ہر قبیلہ اور قوم میں ایک امیر جو اپنے خاندان میں کسی وجہ سے افضل ہوتا تھا چلا آتا تھا اور بعد ایک کے دوسرے کو قوم و قبیلہ بلکہ اوسے خاندان والے اوسے کے قریب تر شہداء افضل کو قبول کر لیتے تھے۔

یہی روش امارت کی جو امور انتظامی قوم اور قبیلہ کو شامل تھی قبیلہ قریش میں نسل حضرت اسمعیل سے حضرت ہاشم کو پہونچی اور اون سے یکے بعد دیگرے حضرت عبد المطلب جد پیغمبر اور حضرت ابوطالب پدر علی مرتضیٰ پر منتہی ہوئی۔ اگر حضرت محمد پیغمبر نہ مانے جاتے تو اپنے دیگر اوصاف کی وجہ سے بعد حضرت ابوطالب کے حضرت محمد امیر قبیلہ قریش کے بموجب دستور قدیم ملک عرب کے قبول کئے جاتے اور بعد اون کے علی مرتضیٰ۔

لیکن حضرت ابوطالب کے اخیر زمانہ زندگی میں حضرت محمد کی صفت نبوت اور رسالت ظاہر ہونے لگی اور بعد وفات حضرت ابوطالب کے مذہب اسلام نے جو تقدیر امارت قبائل عرب کا تھا۔ اوسکو شا کر کل قبائل عرب کو شامل امارت قبیلہ قریش کے کر لیا مگر دستور

قدیم امارت اور خلافت کے متعلق جو چلا آتا تھا اوس وسعت قومی اور ملکی نے اوس میں کچھ خلل نہیں ڈالا اور اوسے دستور قدیم کو اوس وقت پیغمبر نے قبول کر کے اور اپنے آپ کو امیر کل قبائل عرب کا بھگڑا ہستہ اہستہ اور وقتاً فوقتاً اصلاح امور کل قبائل عرب کی کر کے اوس کام کو اپنے عہد میں پورا کر دیا اور بنظر اوسے دستور قدیم ملک عرب کے اپنے عہد میں متعدد اور اکثر موقعوں پر علی مرتضیٰ اور اپنے اہل بیت کے فضائل کہ جو بناء جانشینی کے لئے ضروری تھے اور حقیقت میں بھی وہ اوصاف اور بنیں تھے ظاہر فرماتے رہے اور چند موقعوں پر علی مرتضیٰ کے ساتھ ایسے برتاؤ کئے کہ جس سے ایک خاص قرب منصب جانشینی لوگوں کی آنکھ میں نظر آنے لگے اور آخر کار اپنی اخیر زندگی میں خم غدیر پر حجت الوداع سے واپس آتے ہوئے ہزاروں مسلمانوں کے سامنے علی مرتضیٰ کو اپنا ولی عہد اور اپنا جانشین آئندہ بنا اور خبا کر اوسے دستور قدیم ملک عرب کے قبول کرنے کو تازہ کر کے دکھادیا۔

عملِ حکمتِ محتوی فکر اور عمل کو ہی یعنی کسی چیز کو فکر کر کے پیدا کرنا اور پھر اسکو بذریعہ عمل کے جاری کرنا اور قائم رکھنا ایسے ہی مذہبِ اسلام اصلاحِ روحانی اور انتظامِ جسمانی کو شامل ہے اور جسکی بنیاد فکر اور عمل پر قرار دی گئی ہے اور جسکا تعلق اعتقاد اور فقہ سے ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور آیت ”وَإِذْ مَا عَشِيرَتُكَ الْأَقْرَبِينَ“ نازل ہوئی تو آنحضرت نے قریب کنبہ والوں کی مجلسِ جمع کر کے دعوتِ طعام و اسلام کی اور اس وقت علی مرتضیٰ نے پیغمبر کی نصرت اور حمایت کا علانیہ اقرار کیا اور پیغمبر نے اسوقت اونکو اپنا وزیر اور وصی اور خلیفہ قرار دیا جسکا یہ نشانہ تھا کہ امرِ فکر جسکے اظہار کو اصطلاحِ شریعت میں تبلیغِ رسالت کہتے ہیں متعلق ذاتِ خاص اپنے پیغمبر نے رکھا اور امرِ تبلیغِ رسالت کو بذریعہ عمل جاری کرنا اور اسکا قائم رکھنا سپرد علی مرتضیٰ کے کیا جسکو اصطلاحِ شرع میں منصبِ امامت کہتے ہیں۔

تمام واقعاتِ سوانحِ عمری پیغمبرِ خدا اور علی مرتضیٰ سے (جنکے سوانحاتِ عمری ایک دوسرے کے ساتھ پڑھتے ہوئے

ہیں اور جیسے عمل فکر سے اور فکر عمل سے جدا نہیں ہو سکتی
 ویسے اُن کے سوانحیات - عمری ایک دوسرے سے
 جدا نہیں ہیں) ظاہر ہے کہ عین ابتداء دعوت اسلام
 کے وقت پیغمبر نے علی مرتضیٰ کی جو امر سپرد کیا یا جس امر کے
 کہ پیغمبر نے علی مرتضیٰ کو قرار دیا وہ ہی امر برابر جاری رہا۔
 امر رسالت میں پہلے مسئلہ توحید تھا جو فکر سے متعلق تھا
 اور جب کو پیغمبر خدا نے سب سے پہلے ظاہر کیا اسی مسئلہ
 توحید کا بذریعہ عمل کے جاری کرنا شرک کا مٹانا تھا اور شرک
 مٹ نہیں سکتا تھا جب تک کہ وہ لوگ کہ جو مزاحم اوس مسئلہ
 کے تھے اور سوائے ذات کبریائی وحدہ لاشریک کے
 دوسروں کو خدا قرار دیتے تھے وہ قتل نہ کئے جائیں اور
 اُن کے بُت معبود توڑے نہ جائیں۔

جیسے یہ امر قابل یقین کے ہے کہ مسئلہ توحید پیغمبر نے
 ظاہر کیا ویسے ہی یہ امر قابل یقین کے ہے کہ پیغمبر نے
 بذات خاص اور اپنے ہاتھ سے نہ کسی کافر مشرک بُت
 پرست کو قتل کیا اور نہ کسی بُت کو توڑا علی مرتضیٰ نے اپنے
 ہاتھ سے کفرت سے تمام نامی کفار اور بت پرستوں کو قتل کیا

اور اون کے معبود بتوں کو توڑ کر زمین پر ٹپک دیا۔
 خانہ کعبہ میں جو بت کہ دور دست بالائے بام تھے
 علیؑ کے عمل سے اجڑا مسئلہ توحید کے دکھانے کے لئے
 پیغمبرؐ نے یہاں تک کیا کہ علیؑ کو اپنے دو شاہ مبارک پر
 سوار کر کے اون بالادست بتوں کو زمین پر گر دیا تاکہ
 کسی کو شبہ باقی نہ رہے کہ تعمیل مذہب اسلام کی کرنیوالا
 اور اوسکا جاری اور قائم رکھنے والا سوائے علیؑ مرتضیٰ
 کے کوئی نہیں ہے اور کارامات کو سوائے اوس کے
 اوسکی موجودگی میں کوئی انجام نہیں دے سکتا۔
 پیغمبرؐ خدا بعد تولد فوراً کعبہ میں ڈالے گئے تھے ویسے ہی
 علیؑ مرتضیٰ خانہ کعبہ میں شکم مادر سے گرے۔
 پیغمبرؐ کی قوت فکری سے اور علیؑ کی قوت عملی سے
 خانہ خدا بتوں سے پاک ہوا اور اون کے پوجنے والے
 اور مسئلہ توحید کے مزاحمت کرنے والے نیست و نابود
 ہوئے یہ ہے مراد آیت **يُجْلَىٰ لِحَقِّ ذَرِّهٖ الْبَاطِلُ**
 کی ”آیات حق اور باطل کی باطل“
 پیغمبرؐ اور علیؑ اس آیت کے مصداق میں ایسے

لیٹے ہوئے ہیں کہ جنکو کوئی جدا نہیں کر سکتا۔

جب خانہ کعبہ بتوں سے اور مکہ اون کی پرستش کرنیوالوں سے پاک اور صاف ہو گیا تب پیغمبرؐ نے ظائف کے بتوں کے توڑنے کے لئے علی مرتضیٰؑ کو بھیجا اور علی مرتضیٰؑ نے اونکو جا کر توڑا اور علی بت شکنی کا اتمام علی مرتضیٰؑ کے ہاتھ سے ہوا اور یہی دونوں بزرگوں نمونہ اپنے باپ ابراہیمؑ کے بت شکنی میں ہوئے کہ جس میں سے ایک نے بت شکنی کا حکم کیا اور دوسرے نے عمل کیا۔

حضرت ابراہیمؑ پر حضرت نوحؑ کے تھے جسکی قرآن میں خبر ہے اونہوں نے کبھی نہ بتوں کی پرستش کی تھی نہ اونہوں نے کبھی افریکو اپنا معبود جانا تھا اور ایسے ہی پیغمبرؐ اور علی مرتضیٰؑ نے نہ کبھی بتوں کو پوجا نہ بھی اونکو اپنا معبود جانا۔ یہی وجہ ہوتی کہ حضرت ابراہیمؑ اور پیغمبرؐ آخر الزمان اور علی مرتضیٰؑ نے بے دھڑک ہو کر بت شکنی کی اور بتوں کے توڑنے کے وقت ذرا بھیجک اون کی طبیعت میں نہیں آئی اور اسی وجہ سے پیغمبرؐ آخر الزمانؑ

صلعم نے سوائے علی مرتضیٰ کے کسی اور کے ہاتھ سے
اس کام کو نہیں لیا۔

سوائے علی مرتضیٰ کے جب قدر مسلمان پیغمبر کے
ساتھ تھے وہ سب اومنین بتوں کی پرستش کے ہوتے
تھے اور ایک زمانہ میں ان کو اپنا معبود جانے ہوئے۔ تھے
اور بعض بزرگ صحابہ کی عمر کا دراز حصہ اسی شغل میں گزر چکا
تھا اگر سوائے علی مرتضیٰ کے کوئی دوسرا بت شکنی پر
ماسور کیا جاتا تو اس کی طبیعت میں اس پہلی نعت بتوں کو
معبود ہونے کی وجہ سے ایک قسم کی جھجک ضرور ہوتی
اور وہ اس بے دھڑک پن سے انجام نہ دے سکتا
جیسا کہ علی مرتضیٰ نے انجام دیا۔

ہم ایسے طبعی معاملہ کو اس زمانہ میں بھی تجربہ سے
پاٹتے ہیں گو ہر لود فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہو لیکن
کسی مولود کی وہ حالت ہوتی ہے کہ اس کو اس کے
مان باپ یہودی یا نجوسی یا نصرانی یا خدا پرست نہوں
اور بت پرست ہوں۔ بنا دیتے ہیں اور جب اس کا
ایک حصہ زندگی اسی حالت پر گزر جاتا ہو اور وہ ان کی

عادت طبیعت ثانی ہو جاتی ہے۔ اگر وہ پھر مذہب اسلام قبول کرتے ہیں تو وہ امور مذہب سابق کو باطل تو سمجھنے لگتے ہیں لیکن عمل کے وقت ایسے امور کی بابت کہ مذہب اسلام جنکو جائز کرتا ہے اور مذہب سابق میں اون کے حرام تھے اون کو ایسی کراہیت آتی ہے کہ جسکے ارادہ سے اونکو قری ہو جاتی ہے۔

اس کے برخلاف جالت اوس مولود علے فطرت اسلام کی ہے کہ جو فطرت اسلام پر پیدا ہوا اور فطرت اسلام پر ہی اوس نے تعلیم پائی اور اوسی فطرت پر جوان ہوا۔ اور اوسی فطرت پر مرزا پچین کے زمانہ میں بھی معصوم تھا اور زمانہ حلم سے بھی اخیر زندگی تک بغیر سزد ہونے کسی خطا کے مذہب اسلام کے لئے جان دیکر معصوم رہا۔ اور باعتبار واقعات کے یہی معنی ہیں کہ روز پیدائش سے روز وفات تک معصوم رہا اور یہی مراد ہے کہ پیدا ہونے سے تا دم مرگ محفوظ عن الخطا رہا۔

ان دونوں حالتوں میں علیؑ اور غیر علیؑ کی صورت دیکھنے سے ایسے نظر آ جاتی ہے کہ جیسے کوئی آئینہ میں اپنی صورت دیکھے۔

پیغمبر خدا صلعم نے جس وقت کہ ابتدائی دعوت اسلام کی تھی اسی وقت یہ سمجھ لیا تھا کہ مسئلہ توحید کے قایم کر نیکا عمل سوائے علیؑ کے کوئی نہیں کر سکے گا اور جان لیا تھا کہ جیسے مینے بت پرستی نہیں کی ہے ویسے ہی علیؑ نے بھی نہیں کی ہے جیسے مینے بیدھڑک عمل بت شکنی کا حکم دے گا ویسے ہی علیؑ اوسکو بیدھڑک عمل میں لائے گا اور جس بات کو مینے کرنا چاہو نگا اوس کو علیؑ ہی کر سکے گا اور یہی معنی ہیں کہ جو پیغمبر نے علیؑ کو اپنا نفس قرار دیا ہے اور جسکی خبر قرآن میں ہے۔

ایسے ہوتے ہیں پیغمبر فکر کرنے والے اور ایسے ہوتے ہیں امام عمل کرنے والے۔

کیا اصل بنیاد امامت علیؑ کی مرہی نہیں ہے کہ جسکی بنیاد بعثت پیغمبر کے ساتھ ساتھ ہے۔

پیغمبر کی فکر سے اور علیؑ کے عمل سے مذہب اسلام

کامل ہو کر تمام کو سونپا۔

کیا نسل رسول کے علی کو معصوم اور مقرر من الطاعت
ماننا اور اہوسکتا ہے۔؟

وقت ہجرت پیغمبر کے یہ واقعات پیش آئے ہیں
کہ پیغمبر نے دیگر مسلمانوں کو جو مکہ میں تھے آہستہ آہستہ
پہلے سے مدینہ کو روانہ کر دیا تھا۔ بروز ہجرت مکہ میں پیغمبر
اور حضرت ابو بکرؓ اور علیؓ مرتضیٰ باقی رہ گئے تھے کہ وقت
ہجرت پیغمبر نے علیؓ مرتضیٰ کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور اپنی
ردائے خاص جو شہر ہنرموت سے پیغمبر کے لئے پہنچائی
آئی تھی جسکو لوگ پہچانتے تھے کہ یہ رداء خاص پیغمبر کی تھی
علیؓ مرتضیٰ کو اوڑھادی تاکہ لوگ یقین رکھیں کہ خود پیغمبر
سوتا ہے۔

پیغمبر کا یہ فعل کہ اپنی جگہ علیؓ مرتضیٰ کو لٹانا اور اپنی
ردائے خاص اونکو اوڑھانا اور لوگوں کو یہ یقین دلانا
کہ یہ لیٹنے والا پیغمبر ہے افضلیت علیؓ مرتضیٰ کے لئے
امر عظیم ہے۔

کوئی پیغمبر اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ بجائے

اپنی اور لباس پیغمبر سے پیغمبر سوہنیکا کسی کے لئے یقین
 دلاوے۔ بلکہ اگر کوئی شخص خود اپنی ہنیت کدائی سے
 پیغمبر کے ساتھ التباس کرے اور اپنے آپ کو پیغمبر
 بنا کر دکھاوے۔ تو واجب القتل ہو جائیگا (گرمینٹ
 انگریزی نے بھی اسکو ایک سنگین جرم قرار دیا ہے
 جسکی تعریف تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۷۱ میں لکھی ہے۔)
 البتہ پیغمبر اوسی کسی کے لئے ایسا امر قبول کر سکتا ہے
 کہ جسکو مثل اپنے اور بجائے اپنے ہونے کا یقین
 کرتا ہو۔

جب علی مرتضیٰ کو پیغمبر اپنی جگہ لٹا کر اور اپنی خاص
 چادر اوڑھ کر اوس مقام سے ہجرت کر گئے اور معہ
 حضرت ابو بکر کے غار میں روپوش ہوئے اور غار سے
 مدینہ میں پہنچ گئے اور علی مرتضیٰ تین روز تک بغرض
 انصرام و صایائے پیغمبر مکہ میں رہے۔

وہ تنہا رہنا اوس زمانہ میں ایک جان واحد
 خدا پرست کا مکہ میں کہ جہاں سوقت سب کے سب
 بت پرست تھے بعینہ ایسا تھا کہ جیسے پیغمبر اوس زمانہ میں

جبکہ کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا تبنا اوسی کد کے بت پرستوں میں خدا کا نام لینے والے تھے۔

واقعات زمانہ نے اس درجہ پر جو مساوات پیغمبر کے ساتھ علی کے لئے پیدا کی اسکی منزلت اہل ایمان ہی جان سکتی ہیں۔

وقت ہجرت کے بنظر اوس مشورہ کفار کے جس میں شیخ نجدی کی رائے کو قبول کیا گیا تھا اپنے قتل ہونیکا پیغمبر کو یقین تھا اور بغیر ہجرت کے پیغمبر قتل سے اپنی حفاظت ناممکن جانتے تھے اور جیسے کہ پیغمبر کو اپنے قتل کا بغیر ہجرت اور اپنی حفاظت کا بسبب ہجرت کے یقین تھا ویسے ہی علی مرتضیٰ کو بجائے اپنے اپنے بستر پر لٹا جانے اور اپنی خاص رداے اوڑھا جانے اور علی مرتضیٰ کو اپنی ہیئت کذائی میں بنا جانے سے یقین علی مرتضیٰ کے قتل ہونیکا تھا۔

غور کرنا چاہئے کہ پیغمبر ایک ایسے خور و سال نو جوان کو کہ جسکی پرورش اور تعلیم روحانی اور جسمانی پیغمبر نے اپنی قوت سے بطور اپنے فرزند کے کی تھی اور جس نے

دنیا میں آکر کسی قسم کا اوس وقت تک لطف نہیں اٹھایا
تھا اوسکو ایسے خطرناک مقام پر کون چھوڑ گئے اور زمین سخت
اندیشہ بحالت قتل ہو جانے کی مرتضیٰ کے قمرش اور کفار مکہ کی
طرف سے اس طعن کا بھی تھا کہ خود جان بچا کیلئے گئے اور اوس کم سن
ایمان فدیہ کر دیا اور کیا وجہ ہوئی کہ حضرت ابو بکر بھی کہ جو ایک سن سیدہ
سرد و گرم زمانہ کا دیکھے ہوئے اور زینیت کا مزہ چکھے
ہوئے اوسوقت مکہ میں موجود تھے اونکو بجا علی کے
پیغمبر نے اپنے بستر پر نہ لٹایا جنکو بظاہر کوئی ضرورت زیادہ
زندہ رہنے کی نہ تھی (مگر یہاں اونکا دل چیر کر اگر دیکھا جاتا
تو آرزو سے خلافت پیغمبر سے لبالب نکلتا اور خود
اونکا بجائے علی کے لیٹ رہنے کی خواہش نہ کرنا
اوسی آرزو پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے انکار نہیں
ہو سکتا کہ وقت شروع دعوت اسلام کے پیغمبر
علی مرتضیٰ کو خلیفہ اور وزیر اور وصی مقرر کر چکے تھے
اور حضرت ابو بکر کو اوسکا علم ہو چکا تھا حضرت ابو بکر نے
وقت ہجرت یہ چاہا کہ اگر علی قتل ہو جائیں گے تو اونکی
خلافت اور وزارت کا کھٹکا سٹ جائیگا بہر حال جو

کچھ ہو پیغمبر نے حضرت ابو بکر کو بجائے علی کے اپنی جگہ
بہنیں لٹایا۔

پیغمبر کا بجائے اپنے علی کا لٹانا اور حضرت ابو بکرؓ یا
کسی دوسرے کا اوس خطرناک موقع کے اوپر نہ چھوڑنا۔
پیغمبر کی صداقت اور اون کے دین کے برحق ہونے کی
دلیل ہے۔

ہر پیغمبر کو لازم ہے کہ وہ امر تبلیغ رسالت میں اپنی
جان تک صرف کرنے میں دریغ نہ کرے مگر یہ وقت
ابتداء تبلیغ رسالت کا تھا اور امر تبلیغ رسالت بہت
کچھ باقی تھا ایسے موقع پر پیغمبر کو حفاظت اپنی جان کی
دیے ہی لازم تھی جیسے کہ امر تبلیغ رسالت میں قتل
ہو جانا۔ پس ضرور تھا کہ پیغمبر اپنی جان کی حفاظت
کریں اور بجائے اپنے کسی ایسے شخص کا قتل ہو جانا
گوارہ کریں کہ جسکی پرورش اور تعلیم مثل فرزند کے
کی ہو اور جسکی جان مثل جان رسول کے ہو۔
اسی قسم کے واقعات تھے تو پیغمبر سے علی کو
اپنا نفس کہلوایا ہے جسکی خبر خدا نے دی ہے۔ اور

ایسے ہی ساخت کی وجہ سے تو پیغمبر نے علیؑ کی نسبت
جٹا یا ہے ”لحمک لحمی و دہک دمی“ تیرا گوشت میرا
گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے۔“

کیا حضرت جعفر طیار اور حضرت عقیل جو حقیقی بھائی
علیؑ مرتضیٰ کے تھے بنظر یکساں ہونے قرابت کے
مصادیق اوس سخن پیغمبر کے ہنہیں ہو سکتے۔؟
قسم ہے خدا کی کہ ہنہیں ہو سکتے پیغمبر نے اون
دونوں کو کہاں ایسے پالا تھا کہ جیسے علیؑ کو پالا۔؟

جب علیؑ مرتضیٰ پیدا ہوئے پیغمبر نے اپنی گود میں لیا
اور ہمیشہ اونکی نگہداشت کرتے رہے اور زمانہ قحط میں
حضرت ابوطالب اونکے باپ سے جدا کر کے اپنے حصہ
میں پرورش کے لئے لگا لیا۔

بیشک یہ بدلا اوس پرورش کا تھا کہ بعد وفات
حضرت عبدالمطلب دادا پیغمبر کے حضرت پیغمبر کو حضرت
ابوطالب نے اپنی پرورش اور حصانت میں لے لیا تھا۔
مگر اس سبب سے دیکھنا چاہئے کہ علیؑ مرتضیٰ کے لئے
کس درجہ کا شرف اور فضل حاصل ہوتا ہے کہ جس کو

پیغمبر نے اپنے ساتھ مقابلہ میں مبادلہ کیا اور پیغمبر کے ساتھ جو احسان کہ حضرت ابو طالب نے کیا تھا اوس کے بدلے میں پیغمبر نے علی کے ساتھ احسان کیا۔

”هل جزاء الا احسانا“

پیغمبر نے جب علی مرتضیٰ کو اپنی طرف پرورش کے واسطے اگالیا تب سے علی مرتضیٰ پیغمبر سے جدا نہیں ہوئے اور اوس زمانہ پرورش علی مرتضیٰ میں پیغمبر اپنی ذاتی اور اپنے قوت بازو کی کمائی جیسے اپنے اوپر صرف کرنے تھے ویسے ہی علی مرتضیٰ پر اور اوس کمائی سے جیسے گوشت اور خون پیغمبر کا پیدا ہوتا تھا ویسے علی مرتضیٰ کا۔

علی مرتضیٰ کی نسبت اسی واقعہ خاص نے پیغمبر سے کھلوا یا ہے کہ جو تیرا گوشت ہے وہ میرا گوشت ہے جو تیرا خون ہے وہ میرا خون ہے جو مطابق ایک سچے واقعہ کے ہے۔ مگر وہ واقعہ حالت زمانہ نے سوا کر علی کے کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئے دیا یہاں تک کہ سکے بھائی علی مرتضیٰ کے اس شرف کو

نہ پہنچ سکے کہ اونکی پیدائش کا زمانہ اس حالت سے پہلے کا تھا گو اونکے مابعد کے واقعات نے دوسری منزلتوں سے کم و بیش مشرف کیا۔

جس طرح کہ پیغمبر کا گوشت اور خون پیدا ہوا تھا اوس طرح علیؑ کا گوشت اور خون پیدا ہوا اور یہ امر حق ہے کہ امر قبیح اور حسن افعال جسمانی سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ امر مسلمہ ہے کہ پیغمبر سے کوئی امر قبیح اور فحش سرزد نہیں ہوا پس اوس ارشاد پیغمبر کا ضرور یہ نتیجہ کہ ”جیسے میرے گوشت اور خون سے کوئی امر قبیح اور فحش سرزد نہیں ہوگا ویسے ہی تیرے گوشت اور خون سے۔ اور جیسے میرے گوشت اور خون سے اور حسنہ سرزد ہونگے ویسے ہی تیرے گوشت اور خون سے“

یہ مراد ہے شیعوں کی کہ جیسے پیغمبر معصوم تھے ویسے ہی علیؑ۔

پیغمبر نہایت عدل کے ساتھ ہر ایک امر کر رہے تھے۔ جب وقت شروع دعوت اسلام کے پیغمبر

علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ اور وزیر مقرر کر چکے تھے تو سو
 علی کے کوئی مستحق اس بات کا نہیں تھا کہ جس خطرہ میں
 وقت ہجرت خود پیغمبر تھے بجائے اُن کے سوا اور
 وزیر اور خلیفہ کے کوئی دوسرا اُس خطرہ میں ڈالا جائے
 اگر پیغمبر کسی اور کو بجائے علی کے اپنے بستر پر لٹاتے
 اور اپنا مشابہ بناتے اور ایسے موقع پر کسی دوسرے کو
 خطرہ میں ڈالتے تو ایسا منافی عدالت پیغمبر کے ہوتا مطلقاً
 عدالت پیغمبر یہی تھا کہ قتل ہو نیکو اسطے یا تو خود لیٹیں
 یا اپنے وزیر اور خلیفہ کو لٹائیں۔

اگر پیغمبر علی مرتضیٰ کو اپنے بستر پر اُس خطرناک
 حالت میں نہ لٹا جاتے اور حضرت ابو بکر یا دوسرے کو
 اُس موقع پر چھوڑتے تو اُس ارادہ پیغمبر سے دلیل
 سچائی پیغمبر اور اُن کے دین کی ہرگز پیدا نہ ہوتی کیونکہ
 وہ غیر لیٹنے والا اور دیگر مخلوق پیغمبر کی نسبت پکارا نہ جھتی
 کہ پیغمبر اپنی جان اور اپنے عزیزوں کو بچاتا ہے اور
 ہم کو معرض ہلاکت میں ڈالتا ہے۔

ایسا خیال اوسے کسی کے دل میں نہیں گذر سکتا تھا

کہ جو علیؑ سا کامل الایمان ہو اور جس نے کسی امر کی پیروی نہ کی اور کسی قسم کا خطرہ جسکے قلب میں پیدا نہیں ہوا یا وہ اس کے کہ رو اسے حضرموت جگہ وہ اوڑھے ہوئے تھے اشارہ کر رہی تھی کہ موت حاضر ہے۔ اور جس نے اپنے نفس کو خوشنودی خدا کے واسطے بیچا الا جسکی تصدیق خود خدا فرماتا ہے۔ اور علمائے اہل سنت نے قبول کیا ہے کہ آیت **وَمِنَ النَّاسِ مَن يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ** اسی موقع پر علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ علیؑ کے دل میں کچھ بھی خوشنفسانی باقی نہیں رہی تھی اور اون کے دل میں بجائے خواہشات نفسانی کے مرضات اللہ ہی مرضات اللہ تھی اور کچھ تھا۔ اور موقع پر علیؑ مرتضیٰ کے بخوف و خطر نہایت استقلال کے ساتھ لیٹ رہے ہی تھے سچائی پیغمبر اور اون کے دین کی دیکھائی اور پیغمبر کی صداقت اور اون کے دین کی واپس اپنے عمل سے پیدائی۔ وہ عمل کہ جو امام کا کام تھا ایسے ایام معصوم اور مفترض الطاعت ہوتے ہیں۔ جبکہ شیعہ بائبر

جب ابتدائی دعوت اسلام پیغمبر نے اپنے کنبہ والوں کو جمع کر کے کی تھی وہ وقت پیغمبر کے لئے نہایت مشکل کا وقت تھا جمہور کے مخالف جو کوئی ایسا امر تازہ قایم کرنا چاہے اور اس کے ہر پہلو پر نظر کرے تو مزاحمتوں کے پہاڑ اس کے پیش نظر موم جلتے ہیں۔ اور جان کے خطر گردی پر یقین کر لینا لازماًت سے ہوتا ہے۔

اوس مجمع دعوت میں تنہا علی مرتضیٰ نے کراؤٹیکا جوان بھی نہیں ہوئے تھے کھڑے ہو کر اوسی مشکل اور نہایت مشکل وقت پر پیغمبر اور ان کے دین کی اعانت اور نصرت کا اقرار کیا اور جس کے جواب میں پیغمبر نے اولن کو اپنا وزیر اور خلیفہ اور وصی قرار دیا جس پر مجمع نے مضحکہ اڑایا تھا لیکن پیغمبر کو علی مرتضیٰ کی جبرت اور عجاہت یقین ہو گیا تھا اور ہونا چاہئے تھا۔ اوسی اطمینان اور اعتماد نے علی مرتضیٰ کو اوس خطرناک وقت ہجرت میں پیغمبر کے بستر پر لٹا یا ہے۔ کہ پیغمبر کو یقین تھا کہ سوائے علی مرتضیٰ کے دوسرا دہشت کے بارے اوس موقع پر لیٹ نہیں سلیگا اور فوراً بھاگ نکلے گا جس کے باعث راز

فاش ہو کر پیغمبر بدست کفار گرفتار ہو جاویں گے۔
 ضرور پیغمبر نے یقین کر لیا تھا کہ علی مرتضیٰ کی ہی جرات
 اور شجاعت ایسی ہے کہ جو نہ کسی طرح کا خوف و دشمنوں سے
 نہ اپنی جان کی پروا کریگا اور کسی عنوان پیغمبر کے راز کو فاش
 نہ کر سکیگا۔

اسی وجہ سے پیغمبر اپنی جان کی کنجی علی مرتضیٰ کی سپرد کر کے
 تشریف لیکے اور پیغمبر نے جو فکر کی تھی اور تدبیر اپنی حفاظت
 کی سوچی تھی او سکو علی مرتضیٰ نے اپنے عمل سے ویسے ہی
 انجام دیا کہ جسکی توقع پیغمبر علی مرتضیٰ سے رکھتے تھے۔
 بلاشبہ علی مرتضیٰ کے عمل اور حسن کارگزاری کی وجہ سے
 پیغمبر کی جان کی حفاظت ہو گئی۔

اگر علی مرتضیٰ اس فکر پیغمبر کی تعمیل میں ذرا بھی تصور کرتے
 یا وقت حملہ کفار کے پیغمبر کا راز فاش کر دینے تو کچھ شک نہیں ہے
 کہ پیغمبر کفار کے ہاتھ سے قتل ہو جاتے اور جو امور تبلیغ
 رسالت کے اور علم الہی پیغمبر کے سید میں تھا وہ سب
 نیست اور نابود ہو جاتا اور پیغمبر کو موقع خلافت فی الامر
 کبھی نہ ملتا اور اس امر کے لئے وقت ہی نہ آتا کہ بعد پیغمبر

اودھون نے خلیفہ فی الارض ہو نیکی حالت میں وفات پائی
کو بستی خلائفہ ہے۔

حضرت عمر نے اپنی حالتوں پر نظر کر کے اگرچہ بار بار
فرمایا ہے کہ "لو لا علی لھلک عمر" لیکن تمام امت
رسول کو اوس عمل علی پر (کہ جو وقت ہجرت پنجبر کے
وقوع میں آیا اور جس سے جان پنجبر کی اور علم رسالت
محفوظ رہا) نظر کر کے اسکا قائل ہونا چاہئے تھا اور چاہئے
کہ "لو لا علی لھلک الرسول" جس شخص نے کفایات
رسول اور علم الہی کی اپنے عمل سے کی کیا وہ بعد رسول کے
امت رسول کا امام برقرار رہنے کے قابل نہیں ہو سکتا تھا
اور کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص کو پنجبر بعد اپنے خلافت
کے لئے پسند اور قبول نہ کریں اور کیا اوس کے لئے مرضی
اور رجحان طبعی پنجبر کا نہ ہو؟ علی مرتضیٰ نے جو کچھ اوس وقت
عمل کر کے دکھایا دراصل وہ ہی حقیقت امامت کی ہے۔

در اصل امام اوسی کو کہنے ہیں کہ پنجبر نے جو کچھ تبلیغ
رسالت کی ہوا اسکو قایم رکھے ایسے ہی امام کو شیعہ
مقصود اور منقرض الطاعت قرار دیتے ہیں۔ جس نے

اپنے عمل میں کچھ خطا نہیں کی اور امر رسول کی باحسن وجہ
تقیل سے اپنی اطاعت دوسروں پر فرض کر دی۔

درحقیقت شروع دعوت اسلام کے وقت پیغمبر نے
جو علی مرتضیٰ کو وزیر اور خلیفہ اور وصی مقرر کیا تھا وہ اقرار
نکری تھا اور وقت ہجرت کے جو پیغمبر نے علی مرتضیٰ کو اپنا
مشابہ بنا کر اپنے بستر پر لٹایا اور وصیت کر کے غیر حاضر ہو گئے
اور علی مرتضیٰ کو بجائے اپنے اور بعد اپنے چھوڑ گئے وہ وقت
علی مرتضیٰ کے وزیر اور خلیفہ اور وصی مقرر کرنا کا عمل تھا۔

واقعہ حفاظت جان پیغمبر کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ جبکہ
ضمن میں حفاظت جان حضرت ابو بکر کی بھی بوجہ علی مرتضیٰ کے
لازم آتی ہے۔ یقین کرنا چاہئے کہ اگر علی مرتضیٰ ذرا سی بھی
بے احتیاطی کرتے تو پیغمبر کے ساتھ حضرت ابو بکر بھی ضرور
قتل ہو جاتے مگر علی مرتضیٰ کی وجہ سے بطفیل پیغمبر حضرت
ابو بکر کی بھی جان بچ گئی لیکن بطفیل پیغمبر حضرت ابو بکر کی
جان بچانے والا علی ہی ہے اور حضرت ابو بکر کو شکر گزاری
علی مرتضیٰ کی اپنی جان بچنے کی لازم آتی ہے۔ اور یہ
احسان عظیم علی مرتضیٰ کا حضرت ابو بکر کو کسی حالت میں

قابل فراموش کرنے کے تھا ورنہ اون کو لغزش پیغمبر کو
بے غسل و کفن چھوڑ کر مضطرانہ سقیفہ بنی ساعدہ میں
جانے اور خلیفہ بننے کے لئے موقع ہی نہ ملتا۔ !

مگر افسوس ہے کہ کسی چیز نے اون کے دل میں وہ
واقعات قائم نہ رہنے دئے کہ پیغمبر کی اور خود اون کی جان
کس نے محفوظ رکھی تھی اور پیغمبر نے فکری اور عملی طریقے سے
کس کو اپنا وزیر اور خلیفہ اور وہی مہر تر اور قائم کیا تھا اور
وہ اوس امام کو کہ جو پیش پیغمبر علی کام امامت کا کرتا تھا
جسول گئے کہ زندہ ہے یا نہیں؟ اور کس چیز نے اوس فکر
اور عمل رسول سے جو امر تبلیغ رسالت کے ساتھ مستمر نسبت
علی کے چلا آتا تھا مخفی کر دیا۔ ؟

کیا پیغمبر یہ کہہ گئے تھے کہ اپنی زندگی میں علما کا امامت
جس سے میں لپتا ہوں وہ میرے بعد امام نہ رہے گا۔ ؟

زیادہ افسوس شیعوں مقلدان علی کو جرات اہلسنت مقلدان
حضرت ابو بکرؓ پر یہ ہے کہ وہ اولیٰ اثبوت شیعوں سے اختلاف کا
نسبت علی کے طلب کرتے ہیں حالانکہ خود اون کو یہ دکھانا
چاہئے کہ پیغمبر سب اختیار امامت علی مرتضیٰ کی نسبت کر گئے تھے

علی مرتضیٰ کی وجہ سے صرف ایک جان حضرت ابو بکرؓ کی بطفیل پیغمبرؐ نہیں بھی بلکہ علیؓ مرتضیٰ کی خدمات اسلامؐ میں پیغمبرؐ پر جب نظر کیجاتی ہے تو واقعات غزوہ سے یہ ہی پایا جاتا ہے کہ غزوہ کی تمام مشکلون کو جھیل کر اور سختیابی حاصل کر کے ہر ایک صحابی کی جان کو بچایا ہے اور جس عمل علیؓ مرتضیٰ سے بطفیل پیغمبرؐ اون صحابہ کی جان بھی ہے وہ عمل علیؓ مرتضیٰ کا کارمنہی امامت پیش پیغمبرؐ امربلیغ رسالت کے لئے تھا۔

اگر اس موقع پر کوئی یہ کہے گا کہ بعض صحابہ نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے غزوہ میں اپنے فرار سے بھی کچھ حصہ لیا ہے تو میں یہ کہوں گا کہ اگر وجود علیؓ مرتضیٰ کا نہ ہوتا یا وہ اوس کسی غزوہ میں شہادت پا جاتے تو فراریوں کو کہیں پناہ نہ ملتی اور کفار کے ہاتھ سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ضرور قتل کئے جاتے۔ یہ احسانات علیؓ مرتضیٰ کے کسی وقت کیسوز فراموش کر نے کے قابل تھے نہ ہیں۔ جو حالت کہ زندگی پیغمبرؐ میں پیش پیغمبرؐ علیؓ مرتضیٰ کی تھی وہ ہی حالت علیؓ مرتضیٰ کی

بعد وفات پیغمبر شیعہ قبول کرتے ہیں اور اوسے اعتبار سے امام معصوم اور مفتر عن الطاعت مانتے ہیں۔ اہل سنت اوس حالت علی کو جو پیش پیغمبر تھی اور پیغمبر نے کلامت لینا اپنی زندگی میں علی سے مستحکم کر دیا تھا اوس حالت علی کو اہل سنت بعد پیغمبر کے متغیر کرتے ہیں۔

پیغمبر نے وقت ہجرت کے جو علی مرتضیٰ کو اپنے بستر پر لٹایا ایسے وقت میں کہ اون کے قتل ہو نہ کیا اندیشہ قومی تھا لیکن پیغمبر نے اون کے قتل ہو جانے کی کچھ پروا نہیں کی اوس میں یہ امر بھی مضمر ہے کہ پیغمبر علی مرتضیٰ کی نسبت جانتے تھے کہ اسکا ایمان کامل ہو گیا اور اب اوس کے واسطے ہجر درجہ شہادت حاصل کرنے کے اور کسی درجہ پر فائز ہونے کی حاجت نہیں رہی ہے اور وہ درجہ افضل ترین منزلت سے تھا جو کاملیت ایمان پر شہادت دیتا ہے۔ جو لوگ اوس جہ کے کامل ایمان نہیں تھے اون کو پہلے سے دنیا کو روانہ کیا یا اپنے ساتھ لیا کہ اون کے واسطے آہستہ

اتہستہ تکمیل ایمان کی ضرورت تھی کہ وہ تمام لوگ
کچھ کچھ حصہ زندگی کا کفر پر بسر کر چکے تھے اور علی رضی
استدار سے طریقہ پیغمبر پر تسلیم اور پرورش
پائی تھی اور ایک چشم زدن کو بھی کفر اختیار نہیں کیا
تھا اور یہ امر دلالت کرنے والا اونکی کاملیت ایمان پر
بقابلہ دوسروں کے ہے۔

یہ سچ ہے کہ بستر خواب پیغمبر علی مرتضیٰ کو شرف
درجہ شہادت حاصل نہیں ہوا اور پھر دوسرے موقع پر
بجائے بستر سوال کے درمیان محراب مسجد کوفہ عین
عبادت خدامین مشرف بدرجہ شہادت ہوئے۔
اگرچہ حضرت عسکری بھی مسجد میں زخمی ہوئے
اور حضرت عثمان اپنے محل میں قتل کئے گئے
لیکن یہ دونوں اپنی ذاتی نزاع کے باعث قتل
ہوئے ہیں اور علی مرتضیٰ کا قتل فی سبیل اللہ
ہے۔

علی مرتضیٰ علیہ السلام کے قاتل کو علی رضی
علیہ السلام سے کوئی ذاتی رنج پیدا نہیں ہوا تھا۔

جس طور سے کہ مذہب اسلام کو وہ چلا ناچا، تھے اوس کی مخالفت نے اون کو قتل کرایا ہے کہ یہی امر درجہ شہادت پر فائز ہونے کے واسطے ہو سکتا ہے۔

جبوقت علی مرتضیٰ بہوجب ارشاد رسول کے بستر پیغمبر پر لیٹنے کو آمادہ ہوئے ہیں تو اوسوقت پیغمبر نے علی سے فرمایا کہ ۱۱ ای علی کفّار نے اتفاق کیا ہے کہ فرش خواب پر اگر محبوق قتل کریں اور حکم خدا یہ ہے کہ تو میرے فرش پر میری عبا اوڑھ کر میری جگہ خواب کرتا کہ اونکو گمان یہ ہو کہ میں سوتا ہوں اور میں اب باہر جاتا ہوں اور ایسی جگہ پہنچوں کہ انکے شر سے امن میں رہوں۔

حضرت علی نے عرض کی کہ اگر میں آپ کی جگہ خواب کروں تو آپ کو تو کچھ ضرر نہ ہوگا فرمایا کہ ہنیں حضرت علی نے عرض کی کہ حضرت نے اپنی سلامتی کی محکوم و مخبری دی اسوقت میں اپنے مرگ سے خوشحال رہوں۔

کچھ شبہ نہیں کہ علیؑ مرتضیٰ نہایت خوشی سے نیت
قتل ہو جانے اپنے کے راہ خدا میں بدلے پیغمبر
کے تمام شب بستر خواب پیغمبر پر لیٹے رہے اور
باوصف اسکے کہ کفایت پر پختہ رہے علیؑ مرتضیٰ نے
ذرا مضطرب ہو کر جنبش نہیں کی یہاں تک کہ کفار کو
گمان رہا کہ پیغمبرؐ سو رہے ہیں جب صبح کو کفار حملہ
آور ہوئے اور چاہا کہ ایک دم سے تلواریں ماریں
تب علیؑ مرتضیٰ دفعتاً اپنے بستر سے اٹھے اور تلوار
کھینچ کر اون پر حملہ کیا کہ سب حیران ہو گئے۔

جس سے ظاہر ہے کہ علیؑ مرتضیٰ نے شام سے
صبح تک اپنی نیت قتل ہو جانے کو راہ خدا میں
ستمر رکھا اور جسکی تصدیق خدا کرتا ہے کہ اوستے
اپنی جان کو بیچڈالا خوشنودی خدا کے واسطے جو کوئی
کسی فعل حسن کی نیت کرتا ہے اور اوس نیت کو
ستمر رکھتا ہے گو وہ فعل واقعہ نہ ہو مگر ثواب اوسی
فعل کا اوسکو حاصل ہو جاتا ہے۔

علیؑ مرتضیٰ کی وہ شان تھی کہ جس نے اپنی زندگی

میں خاص ایسا درجہ شہادت کا حاصل کر لیا تھا کہ جو کسی دوسرے کو ویسا درجہ شہادت نصیب نہیں ہوا۔ یا د رکھنا چاہئے کہ بمقابلہ کفار کے جنگ کر کے شہید ہونا اور درجہ رکھنا ہے اور عیوض پیغمبر کے قتل ہو جانے کے لئے امداد ہو جانا اور درجہ رکھنا ہے۔ علی مرتضیٰ کو یہ اعلیٰ درجہ شہادت نصیب چکا تھا قبل اوس شہادت کے کہ جو باعث وفات ہوئی۔ جو شخص کہ اپنی زندگی میں شرف اعلیٰ درجہ شہادت حاصل کر کے زندہ رہے وہ صرف امام حسینؑ اور امام جعفرؑ ہونے کی قابلیت رکھتا ہے کیا ایسے ابو الائمہ کو معصوم اور مقتضی الطاعت نہیں مانا جاسکتا۔؟

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے کہ جیسے کلام عرب میں اعلیٰ درجہ پر قرآن فصیح اور بلیغ مانا گیا ہے ویسے ہی بعد پیغمبر کے یہ مانا گیا ہے کہ افسح اور بلیغ ترین عرب علی مرتضیٰ تھے۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی فصیح اور بلیغ ترین کتاب کو کوئی سمجھ سکتا ہے سوائے اوس کے کہ جو افسح

اور بلیغ ہو، غور کرنا چاہئے کہ علی مرتضیٰ میں ایسی
 اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت کیونکر پیدا ہوئی؟
 میں اس کو مقبول کرتا ہوں کہ علی مرتضیٰ کی قدرتی
 صفت و ماعنی اوس قسم کی تھی لیکن اوس دماغ کو
 رونق اوس تسلیم کی مشق کے سبب سے تھی اور
 اوس دماغ پر اوس تربیت کا اثر پڑا تھا کہ جو پیغمبر نے
 اون کو دی تھی شروع سے پیغمبر نے علی مرتضیٰ کو
 اپنے پاس اور اپنے ساتھ رکھا اور شروع سے
 جیسے قرآن نازل ہوتا گیا ویسے ہی پیغمبر اون کو
 سکھاتے اور معنی اور مراد ہر آیت کی بتاتے گئے۔
 وہ تسلیم خاص اوس درجہ پر تھی کہ جیسے پیغمبر نے
 فرمایا ہے کہ ۛ لی مع اللہ وقت ۛ ویسے علی مرتضیٰ نے
 کہا ہے کہ ۛ لی مع الرسول وقت ۛ

ایسے شخص کی نسبت کوئی یہ گمان کر سکتا ہو کہ
 قرآن کے معنی سمجھنے میں اوس سے خطا ہو سکتی ہے
 یا اوس سے بہتر کوئی آیات قرآنی کی تاویل کر سکتا

لوگوں پر قرآن کا پہونچانا رسول کا کام تھا اور معنی اور مراد اوسکی بتانا امام کا کام تھا اور اسی اعتبار سے پیغمبر نے فرمایا ہے کہ **ای علی جیسے میں نے تنزیل قرآن پر جنگ کی ہے ویسے ہی تو تاویل قرآن پر جنگ کریگا۔**

پیغمبر خدا صلعم نے آیات سورہ برأت کفار مکہ پر پڑھنے کے لئے مدینہ سے ادل حضرت ابوبکر کو بھیجا تھا اور پھر علی مرتضیٰ کو اوس کام پر پیغمبر نے بموجب وحی کے مامور فرمایا اور حضرت ابوبکر کو درمیان راہ سے لوٹالیا اوسکی دراصل حقیقت یہ ہی تھی کہ علیؑ جیسا آیات قرآنی کے معنی جانتے تھے ویسا حضرت ابوبکرؓ نہیں جان سکتے تھے۔ ضرور پیغمبر کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر حضرت ابوبکر سے اوس کام کے انجام دینے کے وقت کسی نے معانی اور مراد اون آیات کی پوچھی تو وہ کچھ جواب نہ دے سکیں گے لازم ہے کہ کوئی ایسا شخص بھیجا جائے کہ اگر کوئی اون آیات قرآنی کے متعلق کچھ پوچھے تو وہ اوسکا بیان مثل میر کرے

اور ایسا شخص پیغمبر کی نگاہ میں کہ جس پر مثل اپنے
اطمینان ہو سوائے علی مرتضیٰ کے کوئی نہ تھا
اور نہ ہو سکتا تھا۔

تمام سلاطین کا یہ معمول ہے کہ سفیر ایسے شخص کو
مقرر کر کے بھیجا جاتا ہے کہ جو اس نوشتہ کے
مقصود اور مراد کو سمجھتا ہو اور بیان کر سکتا ہو کہ
جو اس کے ہمراہ ہو چنانچہ علی مرتضیٰ نے قبل شروع
قرات آیات قرآنی کے لوگوں کو جادیا تھا کہ میں
رسول ہوں رسول خدا کی طرف سے۔

اس سے زیادہ اطمینان بخش اسی کی تائید میں
وہ واقعہ ہے کہ جو پیغمبر نے علی مرتضیٰ کو واسطے
تلقین اور ہدایت کے بجائے اپنے ہمیں کو بھیجا اور
بغیر کسی جنگ کے وہاں کے لوگ علی مرتضیٰ کے
ہاتھ پر ایمان لائے اور علی مرتضیٰ نصار اور انجuran سے
جزیہ قبول کرتے ہوئے حجۃ الوداع میں پیغمبر کے
شریک ہوئے۔

کیا یہ واقعات ظاہر نہیں کرتے ہیں کہ پیغمبر نے

اپنی طرف سے کارتبلیغ رسالت اور اوسکا قایم
 اور جاری رکھنا علی مرتضیٰ کے سپرد نہیں کیا اور
 کیا شایم مقام اون کو نہیں بنایا اگر اسکا نام منصب
 امامت نہیں ہے تو ہم کو کوئی بتاے کہ کیا ہے؟
 اور ایسے امام کو معصوم اور محفوظ عن الخطار اور
 مفترض الطاعت نہ مانے جانے کے لئے پراثر
 کیا دلیل ہے۔ ۹

بعد علی مرتضیٰ کے جو گیارہ ائمہ الہدیت انبائے
 رسول اللہ گزرے ہیں انکی سوانحیات عمری نے
 دکھا دیا ہے کہ وہ انفاس زکیہ رکھتے تھے اور وہ
 قدم بقدم پیغمبر اور علی مرتضیٰ کے ہر امر میں چلے
 ہیں اور ان کو بے لوث مسلمانوں نے مقدس
 اور محفوظ عن الخطار برابر مانا ہے ان کے پاس
 وہی علم تھا کہ جو سینہ پیغمبر میں تھا اور جسکو پیغمبر نے
 علی کے سینہ میں پہنچایا تھا ان کے پاس وہی
 کتاب تفسیری پیغمبر کی تھی جسکو علی نے بموجب تلاوت
 پیغمبر کے اپنے ہاتھ سے لکھ لیا تھا اوسی کی بموجب

وہ مخلوق خدا کو ہدایت اور تلقین کرتے تھے۔
محمد پیغمبر صلعم سے لیکر محمد امام دوازدهم تک شریعت
اسلام مثل ایک تن درخت کے رہی۔ اس زمین
میں اوس کے سوا کسی نے اپنے آپ
کو او بہارا اوسکی مثال علیحدگی کی بعینہ ایسی ہی جیسے
تن درخت سے کوئی شاخ پھوٹتی ہے اور وہ کمزور
ہوتی ہے۔

علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت جس شان اور صفت کے
معصوم اور مفترض الطاعت گذرے ہیں اوسی
شان اور صفت سے شیعہ اُن کو مانتے ہیں۔
اہل سنت نے اُن کو چھوڑ کر جو شاخیں نکالی ہیں
اوس میں ادکانہ کوئی امام معصوم تھانہ کسی کی
اطاعت فرض تھی اسوجہ سے وہ کہتے ہیں کہ
رسول کے بعد نہ کوئی معصوم ہے نہ کسی کی اطاعت
فرض ہے۔“

مذہب اسلام مسلمانوں کا بنایا ہوا نہیں ہے
بلکہ خدا اور رسول کا بنایا ہوا ہے۔ خدا اور رسول

جس کسی کو مذہب اسلام کا بادشاہ اور خلیفہ رسول
 بناوے اور جتاوے وہی مذہب اسلام کا بادشاہ
 اور خلیفہ رسول ہو سکتا ہے اور مسلمان جس کسی کو
 اپنا بادشاہ مقرر کر لیں وہ اون کا بادشاہ اور خلیفہ
 فی الارض اونکا ہو سکتا ہے مگر وہ خلیفہ رسول اللہ
 نہیں کہا جاسکتا گو خلیفۃ الناس اوسکو کہہ سکیں۔
 مذہب اسلام کا بادشاہ بعد رسول کے اور خلیفہ رسول
 وہی مانا جاسکتا ہے جس میں وہ خاص خصوصیتیں ہوں جو پیغمبر
 میں تھیں اور جو عمومیت میں پیغمبر کے ساتھ متحد اور مشابہ
 ہو اور جس نے امر فکری رسول کو اپنی قوت عمل سے
 کامل اور متسام کیا ہو اور ایسا ہی شخص صحیح مرکز
 مذہب اسلام کو قائم رکھ سکتا ہے اور وہی
 مستحق لقب بادشاہت اسلام اور خلافت
 رسول کا ہے۔

شراعت انبیاء جس کو عرب خلافت
 اور سلطنت کے لئے بہت مانتے تھے
 جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی وہی علی کی

حضرت عبدالمطلب کے پوتے حضرت پیغمبرؐ تھے اور علیؑ بھی پیغمبرؐ ہی بنی ہاشم تھے اور علیؑ بھی۔ رسول خداؐ پیدائش فوراً خانہ کعبہ میں لائے گئے تھے اور علیؑ رضی خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں صلیب پاپ کے یہاں دونوں نے پرورش نہیں پائی حضرت عبدالمطلب نے رسولؐ کو حفاظت میں حضرت ابوطالب کی دیکھ دیا۔ اور ابوطالب نے علیؑ کو رسولؐ کے حصہ دین پرورش کیلئے لگا دیا تھا۔

جس اپنی کمائی سے پیغمبرؐ کا گوشت اور خون پیدا ہوا۔ اوسے کمائی پیغمبرؐ سے علیؑ کے خون اور گوشت کی نشوونما پایا جس جگہ پیغمبرؐ پلے اور بڑھے اوسے جگہ علیؑ پلے اور بڑھے جس مکان میں پیغمبرؐ رہے اسی مکان میں علیؑ رہے۔ دونوں نے کسی زمانہ میں شرک یا کفر کا ارتکاب نہیں کیا عین وقت شروع دعوت اسلام پر ان دونوں سے خدائی واحد کا ماننا آن واحد میں ظاہر ہوا۔ پیغمبرؐ نے اسی وقت دعوت اسلام کی علیؑ نے نصرت و اعانت کا اقرار کر کے اسکی تائید کی۔ بحیثیت بنی ہاشم ہونے کے انصرام خانہ کعبہ لئے ایک سلسلہ وراثت کی وجہ سے جیسے پیغمبرؐ وارث اور

اور مستحق تھے۔ ویسی ہی علیؑ۔ ایک زمانہ ایسا تھا کہ جبکہ رسولؐ جوان تھے اور علیؑ کم سن ہوا اور کوئی اور مسلمان نہیں ہوا تھا اس زمانہ میں سوای تن و احد رسولؐ کے حامی تو حید اور ہدایت اسلام مکہ میں جہان خانہ خدا ہے کوئی نہ تھا۔ ایک زمانہ ہجرت کا وہ تھا جبکہ مسلمان اور پیغمبرؐ مکہ سے ہجرت کر گئے تھے سوای علیؑ مرفقی کے مکہ میں وحدانیت کا ماننے والا اور بیتہ بین حامی اسلام کوئی نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی پیغمبرِ آخری ہیں۔ ولیم ہو علیؑ ہاجرِ آخری ہیں۔ اشاعتِ توحید کے لئے جیت کہ پیغمبرؐ کی جگہ پہلے میں پڑی۔ ویسی ہی علیؑ کی جس سے مراد خوفِ تہمت ہے۔ اگر روزِ ہجرت کی وجاہت سے پیغمبرؐ کی وجاہت ہو گئے تھے (حضرت خاریجہؓ کیساتھ عقد کرینے پر) اور ایک قسم کی وجاہت پیغمبرؐ کو ہو گئی تھی کہ حضرت خدیجہ کے مال سے پیغمبرؐ نے تجارت کی جسکی خبر قرآن میں ہے۔

(ووجدك عالمًا فاعنني) ترجمہ اور پاتا تجھ کو درویش عمائدینؓ کی طرح تو علیؑ ہی وجاہتِ رُوحہ کر سبب ہے کہ دخترِ پیغمبرؐ شہنشاہِ دو عالم تھیں۔ اور زمانہ اسلام میں پیدا ہوئیں۔ اور زہراؓ پر سایہ پیغمبرؐ

تعلیم و تربیت پائی۔ اور وارث حضرت خدیجہ اپنی مان کی بہن
ذنی وجاہت ہو گئے۔ ۱۰

۱۱ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ حضرت ابو بکر نے پیغام رسالت
بات حضرت فاطمہ کے علیؑ کو نہیں بھیجا کہ اونکی وجہ سے علیؑ کی وجاہت تھی
یہ وجاہت حضرت فاطمہ کی کچھ لوگوں کی ہی دلورن نہیں تھی۔ بلکہ یہ وجاہت
اونکی خود پیغمبرؐ کی نظر میں تھی۔ جیسا کہ سنی شیعہ سب کے یہاں مسلم ہے۔
کہ جب حضرت فاطمہؑ دختر اونکی اونکے پاس جاتی تھیں تو حضرت پیغمبر صلمؐ اونکی
نعظیم کیلئے اوٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ یہ مقام بہت ہی قابل غور ہے کہ ایک
ایسا شخص جو پیغمبرؐ اپنی دختر کی ایسی غفلت کرے۔ لیکن یہ پیغمبر کا تعظیم
کرنا ستر یا اخلاق میں ڈوبا ہوا ہے۔ حضرت فاطمہ وارث حضرت خدیجہ کی
بہن تھیں۔ وہ حضرت خدیجہ کے جنکی ملازمت پیغمبرؐ نے اختیار کی تھی۔ اور جن سے
اول پیغمبرؐ نے عقد کیا۔ اور جنہوں نے پیغمبرؐ کو باکر یا یا۔ اور بکر پیغمبرؐ سے
عورت کر لئے شرف ہو سکتا ہے۔ نہ بکر کسی عورت کا پیغمبر کیلئے۔ اور جو سب
سوا اول ایمان لائیں۔ اور جنکا مال و دولت حمایت اسلام میں خرچ ہوا۔
اور جنکی محار اور اوصاف ہمیشہ پیغمبرؐ بیان کرتے رہے۔ تمام مورخین نے
قبول کیا ہے کہ حضرت خدیجہ اور حضرت ابوطالب کی وفات سے حضرت
پیغمبرؐ کے میں ضعیف ہو گئے تھے۔ اور انہیں دو نو ذی وجاہت کی باقی نہ رہی۔

جس جامہ کو رسولؐ نے اوڑھا اور وہ خاص جامہ پہنایا سمجھا جاتا تھا اُسی جامہ کو علیؑ نے اوڑھا (ردائی حضرت موت جسکو اپنے بستر پیغمبرؐ نے علیؑ کو اوڑھا کر لٹا دیا تھا۔)

جس مرکب خاص پر پیغمبرؐ سوار ہوئے۔ اوسی مرکب پر علیؑ مرتضیٰ سوار ہوئے۔ یعنی جس دلدل پر کہ پیغمبرؐ سوار ہوتے تھے

کیونکہ سے ایسا غلبہ کفار کا ہو گیا تھا کہ پیغمبرؐ کو بھجوری حیرت کرنی پڑتی تھی۔ جس زمانہ میں کہ حضرت پیغمبرؐ حضرت فاطمہؑ کی تعظیم دیتے تھے۔ اگرچہ وہ زمانہ شہنشاہِ دو عالم ہو جانے پیغمبرؐ کا تھا۔ مگر پیغمبرؐ کہ جو ایک اعلیٰ درجہ کے خوش خلق تھے اُنسی غیر ممکن تھا کہ وہ اپنا اُس زمانہ عروج میں ایسے اُس زمانہ ملازمت اور حمایت حضرت خدیجہؑ کو بہول جائیں اور حقیقت کہ انکو سامنے حضرت خدیجہؑ کی نشانی آئے حضرت خدیجہؑ کو یاد کر کے انکی وارث کی تعظیم کیلئے کہہ رہے نہ ہو جائیں۔ ایسا اطلاق پیغمبرؐ ہی سوہو سکتا تھا جو انکو سچے پیغمبرؐ ہو نیکی دلیل ہے۔ اور جس وہ رسمِ مذہب اٹھ گئی کہ مرد علیٰ العموم عورتوں کو بیعتی اور تحارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی قتل کر دالتو اور اس فعل پیغمبرؐ سے مردوں نے عورتوں کی وقعت و قار کی۔ اور اگر کیوں کہ زندہ رکھنے کی ہدایت پائی۔ پیغمبرؐ جیسے مردوں کی پستیِ بیعت پر سالت ہوئی تھی۔ ویسی ہی عورتوں کیلئے۔ اور قدرتی طور پر کوئی مرد عورتوں کی پستی نہیں کہو نہ

اور جو پیہر کے پاس ہدیہ آیا تھا اسی دلدل پر علی مرتضیٰ سوار ہو کر
 تھے کہ پیہر نے انکو عطا کیا تھا (عطا اور ہدیہ ایک بات ہے
 ادنیٰ جب کوئی چیز اعلیٰ کو بلا قیمت دی اسکو ہدیہ کہتے ہیں اور
 جب اعلیٰ ادنیٰ کو کوئی چیز دے اور اسکو عطا کہتے ہیں)۔
 ایسے ہی ناقہ غضبا جو خاص سواری کا تھا اوسی پر پیہر نے

مقبیہ ^۹ بہن بن سکتا کہ جسکی عورتین تقلید کریں۔ اس لئے سنا ہے کہ
 ضرور تھا کہ پیہر نے اپنی تعلیم و تربیت سے جیسا علی مرتضیٰ کو مردوں
 پر اسلام کا نمونہ بنایا ویسی ہی حضرت فاطمہ کو عورتوں کیلئے اپنی تعلیم و تربیت
 نمونہ بنا دیں اور بنظر اون اوصاف کو جو حضرت خدیجہ میں تھی اور بنظر اسکے
 کہ حضرت فاطمہ لطیف حضرت خدیجہ اور صلب حضرت عقیسہ تھیں کوئی اور عورت
 عورتوں کیلئے نمونہ بہن بن سکتی تھی کہ جسکی تعلیم اور تربیت پیہر پر واجب تھی
 اور جب حضرت فاطمہ میں قابلیت نمونہ بننے کی ہوگی تو پیہر نے اون کو
 خطابۃ النساء العالمین کا دیا۔ کیا جب سردار عورتوں کی سردار عالم کے
 پاس آوی تو ایک سردار کو گو وہ اعلیٰ تر ہو دوسری سردار کی تعظیم دینا
 زیبا نہیں ہے۔^۹

ایسی شوہر جیسی کہ علی اور کبھی زوج جیسی کہ فاطمہ اور انکی اولاد ائمہ المہدی
 کیا خلاصہ عالم ماننے کے قابل نہیں ہو سکتے ہیں کیا وہ انبیا و رسول اللہ

پاکستان کو سوار کر کے بجایا تھا سورہ بات کفار کے پرچہ ہوتے لیکن
اور حضرت ابوبکر کے ٹولے کے لئے۔

اور ایسے ہی ذوالفقار جو یہ پیغمبر کو ملی تھی اور پیغمبر کو
باندھتے تھے وہ پیغمبر کو لے کر لے گئی تھی۔ جس کے
علی پیغمبر کی طرف سے کفار اور مشرکین کو قتل کرتے تھے۔

وہ عمامہ رسول ایمانہ عبدون بنی اناج سمجھا جاتا ہے
وہ لباس پیغمبر کو پیغمبر اور ہوتے اور بچھتے تھے۔ اور
وہ دیگر سواران جس پر پیغمبر سوار ہوتے تھے۔ اور وہ
سلاح جنگ جو پیغمبر کے پاس ہوتے۔ اور جن کو بعد وفات
پیغمبر نے چھوڑا تھا۔ یہ تمام چیزیں حضرت ابوبکر نے علی
مرقنی کو دیدیں۔ جو جانشینی رسول کو لئے علامت تھیں اور

۱۰ دیکھو حصہ ۱۰ پہلا حصہ ضمیمہ جلد اول رسالہ روشنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳)

جن سے کبھی کوئی خطا سزا نہیں ہوتی۔ اور جن میں وہی خون تھا جو
پیغمبر اور علی اور فاطمہ کی رگوں میں جاری تھا معصوم نہیں
سمجھے جاسکتے۔ یہ حقیقت ہی زوجہ کنی و جاہت پیغمبر اور علی
کے ذمی و جاہت ہو جاتی تھی۔ اڈیٹر

جن کو علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیتؑ سنا لیا اور اپنی پاس رکھا۔
 یہ امر نہایت عجیب ہے کہ حضرت ابو بکر جنہوں نے خلافت قبول کر لی تھی اور
 لوگوں نے سقیفہ بنی ساعیہ میں خلافت قبول کر لیا تھا اور کسی کاتبہ نے نشانِ خلافت قبول کر لیا تھا
 دیکھو حالانکہ علامین جانِ نبوتؐ کی خود حضرت ابو بکر کو اپنے پاس
 رکھنا تیر کہ وہ دراصل حق رہا نہیں کہ تھا۔ لیکن حقیقت یہ ایک معجزہ ہے
 کہ خود حضرت ابو بکرؓ کاتبہ سے دو نشانیاں جانشینی رسولؐ کی اصلی جان
 رسولؐ اور اسکے مستحق کے پاس پہنچیں۔ باوصف اس کے کہ وہ خود حاتم
 تھے اور سمجھتے تھے کہ مترکہ رسولؐ کسی کو نہیں دیا جاسکتا مگر بعید حق
 او نہ ایسی طاری ہوئی کہ وہ ان بلا متوں خلافت کو باپس ادب رسولؐ خود
 اسکے استعمال کی حرات نہ کر سکے۔ علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیتؑ ہی وہ نشان
 رکھتے تھے۔ کہ پیغمبرؐ کی ان نشانوں کو نہ تکلف استعمال میں لاسکتے
 تھے۔ جس کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ حضرت امام حسین علیہ السلام
 معرکہ کربلا میں (وہ سو کہ جس کے بعد خلافت کی حازان رسالت میں آئے
 سو ماپسی ہو گئی) حیووت حجت آخری کی ہے اور اپنا پ کو پہنچوایا ہے
 تاکہ لوگ نہ کر سکیں کہ وہ کون تھے۔ اور کسی بیٹے تھے اس وقت جہان
 انہوں نے اپنی بزرگوں کی نشانوں کو جتلا یا ہے کہ جو ان کی پاس تھیں کہ
 تلواریں کی میر پرانہ میں ہنسنے۔ اور رد اسکی سیر روشن پر ہے۔ اور

پیغمبر کو جیسے ہراس اور گھبراہٹ کہی اور کسی وقت نہیں ہوئی ویسے ہی علی مرتضیٰ کو باوصف اسکے کہ خوف اور ہراس کے لئے امور عظیمہ اور بڑے واسطے پیش آئے جیسا کہ اونکی سوانح عمری میں موجود ہے اور یہ امر انکے وصف جرأت و شجاعت پر دلالت کرتا ہے۔ اور انکے اس وصف کا کوئی منکر نہیں ہے معانی قرآن جیسے رسول کو القا ہوتی ہے۔ ویسی ہی رسول علی کو القا کرتے تھے۔ جیسی خدائی پیغمبر کو ہدایت کئے بھیجا تھا۔ ویسے ہی پیغمبر نے علی کو مین بھیجا۔ جیسے پیغمبر نے اپنے لئے فرمایا ہر انا نبی بھیجا اور درحقیقت تھے۔ ویسی ہی علی ذو الشہادۃ تین سب سے جسکی شرح ہم اوپر کر آئے ہیں۔

اب میں وہ چند امور شان علی کے بیان کرتا ہوں کہ جو حضائل رسول کے لئے تمنہ تھے اور علی نے اپنے فعل اور عمل سے ان کو اپنے فعل اور عمل سے ظاہر کرنا لازمی سمجھا تھا۔

بقیہ حاتمہ اور سپر کی میری نیت پر ہی اس وقت رب سے پہلے ہی فرمایا۔
کہ دیکھو میری سر پر وہی عمامہ ہے کہ جو رسول کے سر پہ ہوتا تھا۔ اٹھو

اور جنگا ذکر اور پرنہن ایا ہے۔ رسول اُمی تھے۔ اور علی پڑ ہے
 اور لکھی۔ صلحنامہ حدیبیہ کی وقت جس کا تعلق امر خلافت
 فی الارض سے تھا پیغمبر کی طرف سے علی نے صلحنامہ لکھا۔ رسول
 نے بذات خاص وقت کارزار کبھی اپنی قوت حب کو ظاہر
 نہیں فرمایا علی نے اپنی قوت کارزار طرف سے بنی کے
 ایسی دکھائی کہ جسکا اظہار بذات خاص پیغمبر کو ضروری تھا۔
 رسول نے اولاد نرینہ نہیں چھوڑی تھی علی کیوجہ سے نسل پیغمبر
 میں اولاد نرینہ جاری ہوئی۔ چنانچہ خود بنی نے فرمایا ہے
 کہ دیگر انبیاء کی ذریت انکی صلب میں تھی۔ میری ذریت صلب
 علی میں ہے۔

میں ایک اور تخصیص کے بیان کر نیسے کہ جو پیغمبر کو علی کیساتھ
 ہی بار نہیں رہ سکتا ہوں۔ اول پیغمبر اپنے دادا حضرت
 عبدالمطلب کی طرف سے حضرت ابوطالب پدر علی کو سپرد کر گئے
 تھے پھر علی کو انکی باپ اور ولی پیغمبر کے سپرد کیا۔ پھر خود علی
 نے اپنے آپ کو وقت شروع دعوت اسلام کے پیغمبر کے سپرد
 کیا۔ پھر علی نے اپنے نفس کو پیغمبر ابدلہ پیغمبر کے وقت بچر
 پیغمبر کی کیا۔ پھر پیغمبر نے اپنے پیاری۔ اور عزیز دختر کو

وقت عند نکاح کے علیؑ کے سپرد کیا۔ پہر وقت آخر پیغمبرؐ کی
اپنا علم اور اپنا جسم اور اپنی آل علیؑ کو سپرد کی۔
مذہب اسلام اصلاح جسمانی اور روحانی کے لئے موصوع
ہی اور جیسے کہ طہارت روحانی کے لئے اس میں ذکر ہے
ویسے ہی طہارت جسمانی کیلئے پیغمبرؐ نے جو اپنی آل اور قرآن
چھوڑا وہ اوتکے نتائج جسمانی اور روحانی ہیں۔ اور اسی
سبب سے وہ آپس سے جدا نہیں ہو سکتے تھے۔ اور اسی اعتبار
سے پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے قیامت
تک جدا نہیں ہوں گے۔ پیغمبرؐ کی علیؑ کو خاص تعلیم قرآن کی دی
اور وقت آخر اپنا تمام علم اُنکو سکھادیا۔ اور اپنی اولاد کا محافظ
انکو قرار دیا۔ اور اسی کا نام درحقیقت وصیت ہے۔ اور اسی
کے ضرور ہی کہ علیؑ جو محافظ آل پیغمبرؐ (اولاد جسمانی پیغمبرؐ)
کی تھے۔ وہی علیؑ جس کو تعلیم قرآن کی پیغمبرؐ نے دی تھی۔
تعلیم روحانی پیغمبرؐ کا بھی محافظ ہو کہ وہ دونوں آپس سے جدا نہیں
ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے جو اپنے آپ کو تعلیم روحانی
یعنی قرآن کا جس قدر کہ انکو حاصل ہوا بتا اگرچہ محافظ قرار
دی لیا۔ لیکن حفاظت جسمانی پیغمبرؐ یعنی آل پیغمبرؐ کی حفاظت کو

کو انہوں نے بالکل چھوڑ دیا۔ اور وہ کسی قدر بھی اسکی عظمت نہیں کر سکتے تھے۔ اسلئے کہ کسی قسم کا قدرتی حق یا وصیتی الگو سپرد نہیں تھا۔

پیغمبرؐ میں جو تین چیزیں تھیں رسالت یا نبوت یا دولۃ قرنیہ ایک حکم رکھتی ہیں۔ اور تیسرے میں متحد ہیں۔ انحضرت صلعم کو قرآن میں کہیں خدا نے یا ایہا الرسول کہہ کر سکا ہے اور کہیں۔ یا ایہا النبی۔ دوسری ولایت یا امامت کہ انکا نتیجہ بھی یہی الکی ہے۔ اور قرآن میں کہیں ولی کا لفظ بولا گیا ہے کہیں امام یعنی امر رسالت و نبوت کو بذریعہ عمل کی جاری کرنا اور قائم رکھنا۔ تیسری خلافت کو جو تابع اسی امامت اور ولایت کے ہے یعنی امامت

اور ولایت چل نہیں سکتی جب تک سیاست مدن ہاتھ میں نہ ہو۔ نتائج واقعات اور انکی حقیقت کو جو سمجھ دیکھا یا ہے۔ اس سے قابل فہم کو ظاہر ہوتا ہے کہ جو تین امر پیغمبرؐ میں تھے مجملہ ان تینوں امروں کا اثر و لاو امامت کہ پیغمبرؐ کی علیٰ مرتبہ کے لئے اور دیا اور نبوت جو کہ شروع شد اسلام پیغمبرؐ خدا نے کی تھی اور علیؑ کو اپنا وزیر اور وصی اور خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اور اسی منصب کی حیثیت سے عہد پیغمبرؐ میں پیش

پیش پیغمبر علی مرتضیٰ عمل کرتے چلے آئے اور جس کو پیغمبر حجب
حیثیت استمرا پسند و قبول فرماتے رہے۔

وقت وفات پیغمبر امر رسالت اور نبوت بیشک ختم ہو گیا لیکن
امر امامت اور ولایت یعنی جاری اور قائم رکھنا امور تبلیغی رسالت
کا باقی رہا۔ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے جو کوئی
انکار کا ارادہ رکھتا ہو اس کو اس امر کا اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ دین
اور شریعت پیغمبری کے لئے بعد پیغمبر کے کوئی مکلف نہیں
ہے۔ اور جب قدر کہ اس وقت میں ہی مسلمان تھے ان کو کبھی یہ
اختیار حاصل ہو گیا کہ جس دین اور شریعت کو چاہیں اختیار
کریں یا جو دین و شریعت چاہیں ایجاد کریں یا ہر شخص اپنی مرضی اور
خواہش سے جو چاہے وہ کرے۔

وفات رسول سے جب اجراء امور تبلیغی رسالت اور اس کا قائم رکھنا
موقوف نہیں ہوا۔ تو کیا وجہ ہے کہ پیغمبر نے جس کو اس کام
کیلئے مقرر کیا تھا اور اپنی تمام زندگی میں اول سے آخر تک جس کی شخصیت
وہ کام لیتی رہی اور کیسے وقت آخر تک اس کام سے اس کو منع نہیں کیا۔
بعد وفات پیغمبر اسی شخص سے وہ کام نہ لیا جاتا اور پیغمبر کی دستور پر جس کو اس کام
کیلئے قبول کیا تھا اس کو قبول کیا جاتا اور اس کی اس کام میں مرا کیجا اور مقرر کیا جاتا

موجودہ دوسری کو خلیفہ قبول کرنا اور امر خلافت پر بجایا اسکو کسی
 دوسری کو قرار دینا کہ امر امامت و ولایت اس اعلیٰ امام اور
 ولی کا کہ جو عہد پیغمبر سے تھا بغیر خلافت کے چل نہیں سکتا
 اسی تقریر سے مجھ کو یقین ہے کہ مصنف اور ان کے
 ہم خیال اس امر کو سمجھ جائیں گے کہ پادشاہ اسلام کسکو کہتے ہیں
 اور کہہ سکتے ہیں اور مسلمانوں کا پادشاہ کون ہوتا ہے۔
 پادشاہ اسلام کو خلیفہ رسول بیشک کہہ سکتے ہیں۔ لیکن
 پادشاہ مسلمانوں کو خلیفۃ الناس اور خلیفہ فی الارض کہیں گے
 مگر یاد رہے کہ خلفاء فی الناس فی الارض کفار و مشرکین تک ہوتے ہیں
 جسکی خبر قرآن میں موجود ہے۔ اور غیر مسلمان بھی خلفاء فی
 الناس فی الارض ہوتے ہیں۔

اسی موقع پر میں یہ پوچھتا ہوں کہ خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس
 کو اصلاح امور انتظامی کیلئے مسلمانوں نے اپنا پادشاہ مقرر
 کر لیا تھا یا کر لیا۔ اور وہ مسلمانوں کا کام تھا یا کیا؟ اور وہ
 اسلام تھے یا کیا؟ اور انکو پادشاہ اسلام ہونیکی وجہ سے
 خلیفہ کہتے ہیں یا کیا؟ اگر اصلاح امور انتظامی کے لئے مسلمانوں
 نے انکو اپنا پادشاہ مقرر کر لیا تھا اور مسلمانوں کا وہ کام تھا

اور اسی وجہ سے وہ پادشاہ اسلام تھے۔ اور خلیفہ کہلاتے تھے
 تو مذہب اسلام کے لئے نہایت شرمناک امر ہے۔
 اُنہی جو افعال اور کردار حصول پادشاہت اور خلافت
 کے لئے اور اسکی قائم اور برقرار رکھنے کے لئے سرزد ہو سکتے
 اور وہ ناجائز عیش و نشاط میں مصروف رہنے کی وجہ سے
 علانیہ خلاف شرع جو امور عمل میں لاتے۔ وہ مذہب اسلام
 کے نورانی چہرہ کو نیلا اور سیاہ کر دیتے ہیں۔
 درحقیقت اصلاح امور انتظامی کے لئے اپنی خواہشات
 سے بغیر ہدایت خدا و رسول کو انکو اپنا پادشاہ
 مقرر کر لینا مسلمانوں کا کام نہ تھا۔ اور وہ کسی طرح
 پادشاہ اسلام اور خلیفہ رسول قرار نہیں پاسکتے۔
 جن مسلمانوں نے کہ انکو اپنا پادشاہ اور خلیفہ فی الارض
 مقرر کر لیا تھا درحقیقت وہ بھی انکو پادشاہ اسلام نہیں
 مانتے تھے۔

پادشاہ اسلام وہی سمجھا جاسکتا ہے کہ جو
 ٹھیک ٹھیک بموجب شریعت کے عمل کرے
 اور لوگوں پر اس کا عمل کر کے شریعت

شرعیت کو قائم اور برقرار رکھے۔ خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس اپنے آپ کو اپنی اپنی عہدوں میں عالم تردین کا ہی جانتے تھے اور دوسروں سے مسائل دینی پوچھتے رہتے تھے۔ اور جن علمائے کبار نے ان سلطانوں اور خلافتوں میں دخل پالیا تھا وہ انکی خواہشات نفسانی کو فتویٰ دے کر لوہا کر تے تھے ایسی حالت میں کیا وہ خلفاء یا دشاہ اسلام سمجھے جاسکتے ہیں یا دشاہ اسلام وہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اپنے عہد میں عالم تردین کا اور جس سے کوئی خطا سرزد نہ ہوئی ہو۔ اور ایسا یا دشاہ اسلام نہیں ہو سکتا مگر امام زمانہ اور اسی اصول پر شیعہ خلفائے ثلاثہ کو یا دشاہ اسلام اور امام زمانہ مقرر نہیں کرتے ہیں۔

مصنف عموماً عقاید ضروری اور خصوصاً توحید اور رسالت

حضرت محمد کا از روی لفظوں قرآنی اور انکا وجود قرآن میں مقبول کرتے ہیں اور مسئلہ امامت کو کہتے ہیں کہ اول سے آخر تک قرآن میں جتہ ہی نہیں۔ لیکن یہی فقرہ مسئلہ امامت کے متعلق مصنف نے اپنے اخیر جلد اول کے نمبر ۲۵ میں لکھا تھا اور اسی موقع پہم نے ختم ہایت تفصیل سے آیات قرآنی کو لکھا کہ

دکھا دیا ہے کہ مسئلہ امامت کا وضاحت کیساتھ قرآن میں موجود ہے اور از روی لفظوں قرآنی کے اعتقاد مسئلہ امامت پر ضروری ہے۔^۱ منجملہ انہیں آیات ایک آیت یہ بھی ہے کہ جو کہنے ابھی ذکر کیا کہ طاعت خدا اور اطاعت رسول اور اولی الامر کی فرض کی گئی ہے اور جیسی کہ رسول مقرر طاعت ہے ویسی ہی اولی الامر قرآن میں انے بعد رسول کی جبکی طاعت فرض کی ہے کسی جگہ اسکو اولی الامر بولا ہے اور کسی جگہ امام اور کسی جگہ دوسرے اوصاف سے^۲

ہم نے جس قدر آیات قرآنی بخت مسئلہ امامت میں دکھائی۔

ہیں۔ ائمہ میں مسئلہ امامت پر لفظوں صریح موجود ہیں۔ اور اکثر ان آیات کو متعلق احادیث کتب اہل سنت سے آیات کی تفسیر میں پیش کی گئی ہیں۔ جن سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ آیات علی مرتضیٰ اور ائمہ اہل بیت کی شان میں ہیں۔ اور جس یقین ہو جاتا ہے کہ امام مقرر طاعت از روی احادیث تفسیری اہل سنت کے بھی علی مرتضیٰ اور ائمہ اہل بیت مخصوص سن لائے ہیں۔ جس قدر آیات شیعہ پیش کرتے ہیں یا اونکی کتب میں اون آیات کا موہ تفسیر کے ذکر ہے۔ وہ مسئلہ امامت پر نص صریح ہیں

جن آیات کی تفسیر میں پیغمبر یا علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت سے روایت ہوئی ہیں انہو وہ تفسیر مروی کتب اہل سنت میں ہوں یا کتب شیعہ میں۔ اولے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ دربارہ امامت علیؑ اور ائمہ اہلبیت کے ہیں۔

مگر مصنف اس امر کو اس انداز طبع و ادب سے بد نما کر کے دکھاتے ہیں۔ کہ شیعہ بہت سی آیتیں پیش کرتے ہیں جن میں مسئلہ امامت بہ نص صریح مذکور ہے۔ لیکن وہ الفاظ قرآن موجود ہیں نہیں ملتے۔ شیعہ کہتی ہیں کہ ائمہ کی زبان پر تجھو یا اُس قرآن میں ہونگے۔ جبکہ جناب صاحب الامرؑ سمجھے چکا کہ عار میں لے پھنچے۔

شیعہ جن آیات کو مسئلہ امامت کے لئے نص صریح قرار دیتے ہیں۔ وہ آیات قرآن میں بعینہ موجود ہیں۔ البتہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے ان آیات کی جن الفاظ سے تفسیر کی ہے وہ الفاظ تفسیری قرآن میں موجود نہیں ہیں۔ مگر وہ تفسیر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی وہی تفسیر ہے کہ جو پیغمبر نے اپنی زبان مبارک پر اور علی مرتضیٰ نے اپنے ماتہ سے لکھ لی تھی اور وہی مصحف تفسیری ائمہ اہلبیت کے پاس چلا آتا تھا۔ اور وہی تفسیر

زبان پیچیدہ کے ائمہ کی زبان پر تھی۔ احادیث سے آیات قرآن
کی تفسیر صرف کتب مذہب شیعہ میں ہی منقول اور مروی نہیں
ہوئی ہے۔ بلکہ کتب اہل سنت میں بھی پیچیدہ تفسیر آیات قرآنی
منقول اور مروی ہوئی ہیں۔ چنانچہ مصنف مخاطب نے اپنی
تفسیر الکسیر عظیم جلد ثانی صفحہ ۸۷ پر جہاں اس آیت کی تفسیر کی
”وَانْخُصَّ مِنْ اِذْ وَنْهَمَا“ نہیں بدلتے کسی آیت کو یا
نات مجید مہما او مشلہ ص ۱۰۰ پہلا نے اس کو تولا تو میں بہتر
اس سے یا اس کی برابر

دہان پہلی نسخ کے معنی بیان کئے ہیں اور یہ ظاہر کیا ہے۔
کہ جو احکام تبدیل ہو جاتے تھے وہ چند روزہ ہوتے تھے اور
مدت اس کی علم الہی میں ہوتی تھی۔ اور حکم اسکا اس زمانہ کی
واسطے عین مصلحت اور حکمت تھا اور ایک قسم نسخ
کی یہ بیان کی ہے کہ ”کسی آیت کا حکم منسوخ ہو مگر وہ
آیت قرآن میں موجود ہے پھر پہلا دینے کے یہ معنی
تباہی ہیں کہ آیت دفعۃً سب کی سنون سے محو ہوا ہے
اور لکھا ہوا بھی خود بخود مٹ جاوے گا اور ایک روایت
لکھی ہے کہ نماز صبح میں ایک شخص اٹھا رہا تھا کہ ایک سورہ

نماز تہجد میں جو پہلی سے خوب یاد تھی بھول گیا۔ اور صبح کو سب صحابہ نے کہا کہ ہم بھی اس رات اس سورہ کو بھول گئے تھے۔ اور رسول نے فرمایا کہ اس شب اسکی تلاوت منسوخ ہو گئی۔ اور میں بھی اسکو بھول گیا۔ سب ادمیوں کے سینوں میں محو ہو گئی اور جسکی یاس لکھی ہوئی تھی وہ حرف بھی مٹ گئے۔“

اور ایک دوسری روایت لکھی ہے کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رات میں رسول اللہ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اور دن میں اسکو بھول جاتے تھے (نفوذ باللہ من خلک کیسے اطمینان ہو سکتا ہے کہ جو کچھ نبیؐ نے بتایا اُس میں کچھ بھولا ہوا نہیں ہے جب رسولؐ کی یہ عادت ہو کہ رات کو وحی نازل ہوا اور صبح کو بھول جائیں۔ تو ایسے رسولؐ کو حافظہ پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے خدایا ایسی روایتوں پر صحت اعتقاد سے محفوظ رکھے)

حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ہم سب میں زیادہ قرآن جانتے والے ابی بن کعبؓ ہیں۔ اور احکام جانتے والے علیؓ ابن ابیطالبؓ۔ مگر ہم ابی بن کعبؓ کا یہ قول نہیں مانتے ہیں۔ کہ میں نے جتنا قرآن رسول اللہؐ سنا ہے۔

اسکو نہیں چھوڑا تھا۔

یہ علمای اہل سنت کی راہی سنت السنخ۔ کہ یہ ظاہر کی ہے
کہ اسکی تلاوت منسوخ ہو گئی اور ابو مسلم معتزلی کا یہ مذہب
نقل کیا ہے کہ جو الفاظ اب منسوخ التلاوت سمجھے جاتی ہیں
یہ درحقیقت بطور تفسیر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم
نے بیان کئے تھے۔ جسکو بعض صحابہ نے غلطی سے قرآن
سمجھ لیا تھا اسکو بعد مصنف اپنی طرف سے یہ ظاہر کرتے
ہیں کہ اس زمانہ میں بعض شخصوں نے مخالفین کو خوف
سے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے نزدیک محدثین
اور قدما اہل سنت کا مذہب چھوڑ کر ایک معتزلی کے قول کا
اختیار کرنا نہایت عجیب ہے ان سب مخالفتوں کے سوا
ایک بہت بڑی خرابی اس قول میں یہ ہے کہ صحابہ کی
طرف غلط فہمی کی نسبت کیجاتی ہے۔ حالانکہ قرآن ہم تک
انہیں کیواسطہ سے پہونچا ہے۔ اور انکی ثبوت کا مدار بالکل
انہیں پر ہے۔ اور صحابہ کا اس باب میں جو مذہب ہے وہ
بخاری کی ان روایتوں ظاہر ہو گیا جن کو ہم یہی نقل کر چکے ہیں
بلکہ بعض روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض الفاظ جو
بطور تفسیر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ارشاد فرمائے

سید احمد خان کی طرف اشارہ ہے۔

ہو اور کو بھی صحابہ قرآن میں لکھ لیتے تھے۔ مگر قرآن کے الفاظ سے اور ان کو جدا سمجھتے تھے۔ تفصیل اسکی اتقان میں مذکور ہے۔
 یہاں نسخہ آیت کی اس موقع پر بحث کرنیکی حاجت نہ تھی لیکن الفاظ تفسیری کو آیات میں سنو الخ التلاوہ کہا جاتا ہے۔ اسلئے ضرور ہے کہ ہم نسخہ کی حقیقت ظاہر کریں کہ وہ کس چیز سے مراد ہے۔ مصنف مخاطب نے اور ان کے مہمداستان علمائے اہلسنت نے جو کچھ اسکی مراد اور معصود لیا ہے وہ ہم ابھی مختصر لکھ آئے ہیں۔

مگر سرید احمد خان اپنی تفسیر جلد اول صفحہ ۱۶۲ پر اسی آیت کو تحت میں یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں ہماری بیان کیے معسرون نے نئے انتہا کج بحثیاں کی ہیں۔ اور مذہب اسلام کو بالکہ خدا کو بدنام کیا ہے۔ اور قرآن مجید کو ایک شاعر کی بیاض بنادیا ہے۔

اس آیت سے پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ اہل کتاب اس بات کو دوست نہیں رکھتے کہ خدا کی طرف سے پیغمبر بھیج دیا جائے اور پہلائی سے علانیہ مراد قرآن اور احکام شریعت ہیں۔ اہل کتاب جو اس بات کو دوست نہیں رکھتے

تھے اسکی صاف صاف دو وجہیں تھیں۔ اول یہ کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل میں گزرے تھے اور انکو پسند نہیں تھا کہ بنی اسماعیل میں خبکو وہ بالطبع حصر ہی سمجھتے تھے کوی بنی پیدا ہو۔ اسکی نسبت خدا نے فرمایا۔ کہ اللہ مخصوص کرتا ہے اپنی رحمت سے جسکو چاہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ احکام شریعت محمدی کے موسوی شریعت کے احکام سے کیسے مختلف تھی۔ اور یہودی اپنی شریعت کی نسبت سمجھتے تھے کہ وہی ہے اور کبھی کوی حکم اسکا تبدیل نہیں ہونیکا۔ اسکی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ جو ایت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بٹھا دیتے ہیں۔ تو اسکی جگہ اوسی کی مانند یا اُس سے بہتر آیت دیتے ہیں۔“

اسکے بعد سرسید یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اُس مقام میں آیت کر لفظ سے قرآن کی آیت انہیں ہے بلکہ موسوی شریعت کے احکام کہ جو شرع محمد میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ یا جن احکام شریعت موسوی کو یہودیوں نے بہلاد یا تبادہ مراد ہیں۔ وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسپتہ یہاں کے اول مفسرین کو جنہوں نے اس آیت میں لفظ ایت کو قرآن کی

آیتوں پر محمول کیا ہے۔ اور یہ سمجھا ہی کہ قرآن کی ایک آیت سے دوسری آیت منسوخ ہو جاتی ہے۔ اور نہ تھا کہ لفظ سے یہ قرار دیا ہو کہ شیخ خدایہ بعض آیتوں کو ہوں بھی لگئے تھے اس کے خلاف یہ فرماتے ہیں کہ ان دو لفظوں میں نہ تھے۔ اور نہ تھا کہ بیان پر جو ٹی او مصنوعی و آیتوں کے بیان کر نیسے اپنی تفسیر ان کے درجہ و درجہ سیاہ کر دے ہیں جن میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

مفسرین علماء اہل سنت نے جو آیات قرآن کی چار قسمیں قرار دی ہیں: ثابت التلاوة والحکم منسوخ والحکم وثابت التلاوة۔ منسوخ التلاوة وثابت الحکم۔ منسوخ التلاوة والحکم۔ مبرسید اس تقسیم کو انہیں جہوٹی روایتوں کی بنا پر ظاہر کر کے کہتے ہیں کہ ہم ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے اور یقین جانتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی طرف سے اور تراویح کے کم و کاست موجودہ قرآن میں جو در حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات میں تحریر ہو چکا تھا موجود ہے اور کوئی حرف بھی اس سے خارج نہیں ہے۔ اور نہ کوئی قرآن مجید کی آیت منسوخ ہے۔ بلکہ احکام و بیان سابقہ کی نسبت ہی لفظ نسخ کا مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ حقیقی معنی میں۔

پہر سید ابوسلم کی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ خلاف جمہور
مفسرین کے ہماری راہی سے متفق ہے۔ اوسکا یہی بھی عقیدہ
ہے کہ قرآن میں نسخ واقع نہیں ہوا اور آیات منسوخہ سے
مراد وہ شریعتیں ہیں جو کتب متقدمہ میں تھیں۔ اور
تفسیر کبیر سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آیت
کا لفظ قرآن کی آیتوں سے مخصوص نہیں مانا جاسکتا ہے
بلکہ وہ عام ہے اور ہر دلیل پر بولا جاسکتا ہے۔ اور امام
فخر رازی نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ قرآن مجید میں منسوخ
آیتیں ہونے پر اس آیت سے استدلال کرنا ٹھیک نہیں
ہے بلکہ اس آیت سے یہ نکلتا ہے کہ جب کوئی آیت منسوخ
ہو تو اوسکے بدلے دوسری آیت جو اس سے اچھی ہو لانی
واجب ہے۔ اور نسخ کے ثبوت میں وہ ان آیات کو لا کر
لا ابد لنا اہم مکان ایتنا
واللہ اعلم بما ینزلہ
قالوا انما انت مفتر بل اکثرہم
لا یعلمون
ترجمہ حبس وقت بدلتی میں ہم
مکان آیت کر۔ اور اللہ جانتا ہے
جو اوتارتا ہے تو کہتی ہیں کہ اس کے
سوا کچھ نہیں کہ تو بہتان بانڈھنی والا
بلکہ انہیں کو بہت سی نہیں جا

وَيُحْيِي اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۖ تَرْجِمُهُ وَمَحْوُكُزًا هِيَ ۚ لَدُنَّ جُحَمَاءُ كَتَبَتْ
وَعِنْدَ أُمِّ الْكِتَابِ ۚ هِيَ ۚ أَوْ ثَابِتٌ رُكْمَتَا هِيَ ۚ أَوْ رُسُكُ ۚ
بِاسْمِ الْكِتَابِ هِيَ ۚ

مگر سرسید ان آیتوں سے بھی منسوخ ہونے آیتوں کا استدلال قبول نہیں کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ”فقہائے اسلام نے نہایت غلط قیاس اور بجا استدلال سے اور صرف اپنے دل کے پیدا کیے ہوئے خیالات سے قرآن کی آیتوں کا اس طرح منسوخ ہونا قرار دیا ہے جو خدا کی شان اور قرآن کے ادب کے بالکل برخلاف ہے اور ہرگز مذہب اسلام کا وہ مسئلہ نہیں ہے اور نہ ان فقہاء کے استنباط کے لیے کوئی دلیل ہے“

پھر ہر سید نے نسخ کے معنی لغوی اور اصطلاح شرعی جو علی
اہل سنت نے قرار دیے ہیں اُس کو ظاہر کو کے یہ نتیجہ ہی نکالا
ہو کہ اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اگر خدا نے ہم کو کسی ایک
کام کرنے کا ایک دفعہ حکم دیا اور پھر اُس کام کے مانند دوسرا کام
کرنے کو منع کیا تو یہ حکم اُس کا ناخبر ہو گا کیونکہ اگر یہ منع نہ ہوتا تب
بھی وہ حکم ثابت نہ تھا۔

علمائے اہل سنت نے جو تعریف ناسخ اور منسوخ کی بیان

کی ہی اُس کی نسبت سرسید یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ متحدوں میں
نہیں ہیں۔ یعنی ظاہر ہے کہ یہ تعریف ناسخ اور منسوخ کی نہ تھا
نئے بتائی نہ رسول نے بلکہ علمائے خود اپنے قیاس اور خیال
اور استنباط سے قائم کی ہیں۔ اور کسی مسلمان پر واجب نہیں
ہے کہ خواہ مخواہ اس تعریف کو تسلیم کرے گا

اور اپنی طرف سے یہ قرار دیتے ہیں کہ جس وقت نسخ
کو شرح سے متعلق کیا جائے گا تو اُس وقت حیثیت کو اُس کا
جزو قرار دینا واجب اور لازم تھا کیونکہ جس قدر احکام شرعی
ہیں وہ سب کسی نہ کسی حیثیت پر مبنی ہیں۔ پس اگر باوجود
بقا اُس حیثیت کے جس پر وہ حکم صادر ہوا تھا دوسرا حکم
بر خلاف پہلے حکم کے صادر کیا جائے۔ تو کہا جائیگا کہ دوسرا
حکم ناسخ ہے اور پہلا حکم منسوخ۔ اور اگر وہ حیثیت جس کی بنا
پر پہلا حکم صادر ہوا تھا موجود نہ رہے تو دوسرا حکم پہلے حکم
کا حقیقہ ناسخ نہیں ہے گو مجازاً ایک کا دوسرے کو ناسخ کہیں
ذات باری کے سنترہ اور اُس کے تقدس اور اُس کے
علم و دانش میں نقصان اُسی وقت لازم آتا ہے جبکہ ایک حیثیت
کے لحاظ سے کوئی حکم دیا ہو اور پہلا وجود موجود ہوئے اُسی حالت

اور یثیت کے دوسرا حکم اس کے مخالفت دیا ہو لیکن اگر کتا
اور یثیت مختلف ہو گئی ہو تو دوسرا حکم دینا اس کے تقدس
کو کچھ نقصان نہیں پہونچاتا بلکہ نہ دنیا اس کے تقدس اور
علم و دانش کو نقصان پہونچاتا ہے۔

پس ہم قبول کرتے ہیں کہ ایسے احکام ہی موجود ہیں جو شرع
سابق میں مامور بہ تھے اور شرع مابعد میں مامور بہ نہیں رہے یا
بالغرض ہم تسلیم کر لیں کہ خود مذہب سلام ہی میں اول کوئی حکم
مامور بہ تھا اور پھر بعد کو مامور بہ نہیں رہا۔ اور یہ ہی ثابت ہو گئے
اور حالت متحد نہیں رہی تھی تو ہم ایک کو دوسرے کا نسخہ نہیں
دینے کے اور ہم کیا کوئی ذمی عقل ہی ہندو مسلمان یہودی عیسائی
دھرم ان میں سے کسی کو نسخہ و منسوخ نہیں کہنے کا۔ یہ دوسری
بات ہے کہ ہم مجازاً یا بطور ایک اصطلاح کے انکو نسخہ اور منسوخ کہہ سکتے
آخر میں سرسید نے اس امر پر بحث کر کے کہ قول و فعل آنحضرت کا
حکم قرآنی کا نسخہ ہی یا نہیں اور ائمہ علماء کا مختلف قول ہونا یا
کر کے یہ فرمایا ہے جبکہ ہم قرآن سے قرآن کا حقیقہ منسوخ ہونا نہیں تسلیم
کرتے تو حدیث سے اسکا حقیقہ منسوخ ہونا کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں
ہاں احادیث صحیحہ کو جب تک درایت صحیح ہونا ثابت ہو گیا ہو منسوخ

سمجھتے ہیں ۷۷

بعد بحث نسخ کے سرسید نے جو آخری نتیجہ نکالا ہے وہی شیعوں کی طرف سے بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو مراد اور معنی آیات قرآنی کے بتعلیم پیغمبر علی مرتضیٰ کو معلوم ہوئے اور جس کو پیغمبر نے بتایا اور علی مرتضیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا اور جس کو مصحف مرتبہ علی یا کتاب علیؑ لکھا گیا ہے اور اسی کے بموجب دیگر ائمہ اہلبیت ارشاد فرماتے رہے اور اسکی صحت اور صداقت پر شیعوں کو اعتماد کلی ہے۔

وہ احادیث پیغمبر اور علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت و حقیقت تفسیر آیات قرآن کی ہیں جن کو عین تفسیر پیغمبری کہتا ہوں اور جو سے مسئلہ امامت بنفس صریح ثابت قرار پانا ہے گو وہ الفاظ تفسیری قرآن موجودہ میں نہ ہوں۔

سرسید نے جس حیثیت سے کہ بحث آیات قرآنی کے نسخ اور منسوخ ہونے کی ہے وہ اپنی وضع میں بیشک عمدگی رکھتی ہے لیکن انہوں نے ناقابل التسلیم علماء اہل سنت کی تعریف نسخ اور منسوخ کو قرار دیا ہے جو غیر مخصوص ہونے اُس کے کہ وہ نہ خدا نے بتائی ہے نہ رسولؐ نے۔

اور ایک امام اہلبیت نے بھی اشارہ فرمایا ہے کہ ایک آیت

قرآن کی تفسیر دوسری آیت قرآن سے ہونا چاہیے اور اکثر المہدیت کا یہی عمل رہا ہو کہ ایک آیت قرآن کی تفسیر دوسری آیت قرآن سے فرمائی ہو۔

اس لیے میں سورہ حج سے ایک آیت دکھاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہوتی ہو جس کو خدا منسوخ کر کے اپنی آیات کو محکم کرتا ہو اور جس چیز کو خدا منسوخ کرتا ہو وہ کسکی طرف سے ہو۔

اور یہ وہ آیت ہے کہ جس کو جناب علی مرتضیٰ نے تلاوت فرما کر نسخ کی مراد بتائی ہو۔

آیت

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ	ترجمہ ۷ اور نہیں بھیجا ہم نے
مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا	پہلے تجھ سے کوئی رسول
تَمَنَّى الْفِئَةُ الشَّيْطَانُ فِي	اور نہ نبی مگر جس وقت
أَمْنِيَّتِهِ فَيَلْسَنُ اللَّهُ مَا يَلْقَى	کہ آرزو کرتا تھا وہ۔ ڈال
الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ	دیتا تھا شیطان سچ آرزو
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ لِيُجِيلَ مَا	اُس کی کے پس منسوخ۔
يَلْقَى الشَّيْطَانُ فِتْنَةً	(دور) کرتا ہے اس اُس

لذین فی قلوبہم مرض و
القاسیۃ قلوبہم و ان
الظالمین لفی شقاق
بَعید“ ہے اور حکمت والا ہے

تاکہ کر دے خدا اُس چیز کو کہ ڈالتا ہے شیطان آزمائش
واسطے اُن لوگوں کے کہ جن کے دلوں میں بیماری
ہے (کفر و نفاق) اور سخت ہونے واسطے بہنِ دل
اُن کے اور تحقیق کہ ظلم کرنے والے البتہ بیچِ خلا
و نزاع دور کے ہیں“ (یعنی بسبب انکار و عناد کے
حق سے دور ہیں)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہر رسولؐ اور نبیؑ کے
لیے یہ ہوتا ہے کہ نبیؑ کی آرزو میں شیطان نزاع اور
مخالفت ڈال دیتا ہے اور خدا شیطان کی ڈالی ہوئی
چیز کو منسوخ کر دیتا ہے اور اپنی نشانیوں کو محکم کرتا ہے
مگر شیطان جو کچھ ڈالتا ہے اُس سے کفار اور منافقین
کی آزمائش ہو جاتی ہے۔

تفسیر صافی مطبوعہ طہران صفحہ ۱۰۰ عین ایک طبع لانی

حدیث جناب علی مرتضیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے منقول ہے بمقابلہ ایک زندقہ کے جس نے چند اعتراض خدا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید و فرقان حمید پر کیے تھے۔ جناب علی مرتضیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے اُس کے جواب میں چند آیات قرآنی کے مراد اور معنی بیان فرمائے ہیں۔

منجملہ اُن کے اس آیت کے تفسیر اس طرح فرمائی ہے کہ ”خداوند عالم نے اپنے نبی سے اُس چیز کا کہ جو اُس کا دشمن اُس کی کتاب میں بعد اُس کے حادث کرے گا ذکر فرما دیا۔ اپنے اس قول میں آیت

”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ“ [یعنی کوئی نبی ایسا نہیں ہے کہ جس نے آرزو کی ہو جدائی کی اُس حالت

سے کہ جس کا معائنہ کرتا ہے وہ اپنی قوم کے نفاق اور نا فرمانی سے۔ اور چاہتا ہو منتقل ہو جانا اُن سے

ذرا قاست کے مگر یہ کہ شیطان کہ جو ان کی عداوت سے پیش آتا ہے نزدیک فقدان اُسی نبی کے۔ ڈال دیتا ہے اُس کتاب میں جس کو اُس کے پروردگار نے اُس پر نازل کیا ہو (قدح اور طعن اُسی نبی پر) پس خدا اُس کو قلوب مومنین سے نسخ کر دیتا ہے۔ اور اُس کو کوئی قبول نہیں کرتا ہے اور نہ التفات کرتا ہے سوائے قلوب منافقین اور جاہلین کے اور خدا اپنی آیات کو محکم کرتا ہے اس طرح کہ اپنے اولیاء کو مظلالم اور ظلم اور متابعت اہل کفر و طغیان سے محفوظ رکھتا ہے وہ اہل کفر کہ جن کے لیے خدا نے یہ ہی پسند نہیں کیا کہ وہ مثل چوپاؤں کے ہوں بلکہ فرمایا کہ وہ چوپاؤں سے بھی زیادہ تر گمراہ ہین۔

اس آئیہ وانی ہدایہ کے مضمون فیض مشحون اور تفسیر شریعت کو جب امرامامت سے بنظر اقا شافع روز جزا سالار انبیاء خاتم النبیین سید المرسلین جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور واقعات کے منطبق کیا جاتا ہے تو صفا ہر جاتا ہے کہ

پیغمبرؐ کی کیا مٹی اور اس میں شیطان کی کیا ڈال دیا۔ اور خدا نے
اوس کو قلوب موسیٰؑ کیسی بنا دیا۔ اور دل کی بیماری والوں کی
اور فاسیۃ القلوب اور ظالم اور شقاق بعید والوں کی کیسی کیسی
آزمائش ہوئی۔

میں افسوس کیا کہ علمای اہل سنت نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان
کیا ہے اوس کو ظاہر کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔: ہر روایت
کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نماز میں تہی۔ اور پڑھا اور انہوں نے سورۃ
الجمہ جہرام میں۔ اور قریش سنتے تھے قرأت اونکی۔ پس جبکہ
پیغمبرؐ کی آنحضرتؐ صلعم اس آیت پر۔

(اَقْرَأْتُمُ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ) آیا ہیں دیکھا تمہاری مغزی کو
وَمِنَ الثَّالِثَةِ الْاُخْرٰی اور منات تیسری آخری کو
نوجا رہی کیا شیطان نے اوپر زبان آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے۔

فَاَمَّا الْقَادِرُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ تحقیق کہ وہ خواہصورت ستم
وَاِنَّ شَفَاعَتَهُ لَتَرْجٰی اور تحقیق کہ شفاعت اونکی ہر ایک
امید کیجاتی ہے۔ پس خوش ہوئے قریش اور سجدہ کیا انہوں
نے اور تھا قوم میں ولید بن مغیرہ بہت بڑھا۔ اوس کی ایک بھی

شکر زہ اٹھا کر اسی پر سجدہ کیا۔ اور قریش نے کہا کہ محمدؐ نے شفاعت لات اور غری کا اقرار کیا۔ پس نازل ہوئی جبریلؑ اور کہا کہ پڑھا تم سن جو کچھ کہہ رہی نازل کیا جیتے تم پر۔ اور نازل ہوئی یہ ہی آیت کہ اور یہ بھی کہتی ہیں کہ پیغمبرؐ کو آرزو ان مشہد کین کے ایمان کی بہت تھی۔ اور اپنے جی میں آرزو کرتے رہتے۔ کہ کیا اچھا ہوتا کہ خدایتعالیٰ کوئی ایسی آیت نازل کرتا کہ ان کی خاطر کہیں موافق ہوئی سب سورۃ النجم نازل ہوئی۔ اور رسول خدائی آیت اضرایتم اللات کو تلاوت کیا۔ تو شیطان نے موافق آرزو رسول کے حضرت کی زبان پر مدح بتوں کی جاری کر دی اور یہ آیت عتاب کے بعد نازل ہوئی ۱۷

ان روایات میں جو پیغمبرؐ کی زبان پر اور پیغمبرؐ کی آرزو کہیں موافق جو شیطان کا مدح بتوں کی ڈال دینا بیان ہوا ہے وہ نہایت قابل شرم کے ہے۔ جس کو ایک سچی مسلمان کا دل ہرگز قبول نہیں کر سکتا اور نہ پیغمبرؐ پر شیطان کا غالب آنا۔ اور خلاف توحید بتوں کی ستائش زبان پیغمبرؐ سے کرنا۔ ایک امر نہایت مذموم پیغمبرؐ کی طرف منسوب کرنا ہے ایسی حالت اگر پیغمبرؐ کی قبول کی جائے تو پیغمبرؐ کی کس بات پر اعتماد اور ہر وسوسہ

ہو سکتا ہے۔ نہایت قابل تعجب کے ہے کہ جس سورہ کے شروع میں خدا ایک ستارہ کی قسم سے وجودت کہ وہ سچ کو اترے یہ فرماتا ہو کہ نہیں گمراہ ہوا ہے صاحب مہار اور نہ بہکا ہے۔ اور نہیں بولتا ہے خواہش نفس سی فوج مگر وحی کہ بھیجی جاتی ہے۔“

اسی سورہ کی تلاوت میں روایات کتب اہل سنت سی و نہایت ناروا پیغمبر کی طرف عائد ہو۔ لیکن مخالف علی مرتضیٰ جیسے کہ ایسی سورہ کی تلاوت کے وقت پیغمبر پر وہ تہمت لگائیں۔ اس سورہ کی شان نزول میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ہم نے نماز عشا ایک مرتبہ رسول خدا کے ہمراہ پڑھی جب حضرت صلح نے سلام آخری پیرا تو ہماری طرف کر کے فرمایا کہ قریب کہ وقت طلوع فجر کے ستارہ گرے۔ اور تم میں سے ایک شخص کے گھر میں وہ ستارہ گرے گا۔ اور جس شخص کے گھر میں وہ ستارہ گرے گا۔ پس وہ شخص وصی میرا اور خلیفہ میرا ہے اور امام ہے بعد میرے پس جو وقت نہ صبح قریب ہو تو ہر ایک شخص ہم میں سے اپنی گھر میں ستارہ گرے گا مگر ایک شخص ہو کہ مٹیہ گیا اور ہر ایک کو از رو یہ تہمتی کہ میرے

گہر میں یہ ستارہ گرے گا + " سب سے زیادہ طلع اس امر کی
 میرے لیے عباس کو تھی اس لیے جو وقت کہ صبح ہوئی تو آسمان سے ستارے
 نکلے گئے اور آواز آئی کہ گہر میں گرا۔ رسول خدا صلعم نے علی
 سے فرمایا کہ اسی طلع قسم ہے اس شخص کی کہ جسے تجھ کو پہنچ کر کہے
 ہو یہ یا۔ البتہ تحقیق واجب ہوئی سے واسطے میری نصیحت
 اور خدائے اقدس اور امامت بعد میرے۔ پس منافقون نے جھوٹا
 یہ سنا تو کہا کہ محمد گمراہ ہو گیا ہے علی کی محبت میں اور نہیں کہتا
 اس کے نشان میں مگر اپنی خواہش سے۔ اور اللہ نے یہ آیت نازل کی
 اور اسی روایت کے قریب قریب ابن مغازی شافعی نے
 کتاب مناقب میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ فرمایا۔ ابن
 عباس رضی اللہ عنہ نے کہ میں رسول خدا صلعم کی خدمت میں
 حاضر تھا۔ اور بنی ہاشم بھی بہت بیٹھے تھے۔ کہ ناگاہ ایک ستارہ
 آسمان سے زمین کی طرف آیا اور رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ
 جس کے گہر میں یہ ستارہ گرے وہ وصی اور جانشین میرا ہے
 اور بعد اس کے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ستارہ علی ابن ابیطالب
 کے گہر میں گرا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ محمد علی کی محبت میں گمراہ
 ہو گیا ہے تب خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ

ان روایات پر حکیمانہ طور سے بھی غور کریں کہ بعد یہ بھی ضرور
نکلتے گا کہ ان آیات کی منشاء میں علی مرتضیٰؑ کی امامت کی نشان
سے مخالفان علی مرتضیٰ کو ضرور تھا کہ وہ ایسی آیات کی سوت
پر ایسی ایک ایجاد کریں کہ جس سے پیغمبر کی زبان پر تسلط
شیطان قائم ہو جائے (لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ اعظم)
اسی قسم کی حرج اور قدح اس بیان کو جو پیغمبر کی نسبت کیا ہے
اور ان روایات کتب اہل سنت کو جن پر وہ بیان مبنی ہے باطل
اور وضعی قرار دیتی ہے۔ لیکن گو وہ نسبت جو پیغمبر کفر
ظاہر کی گئی ہے باطل قرار پاوی۔ تاہم اس بیان اور روایات سے
یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ شیطان جو کچھ تلاوت اور رزومین الدیقا
خدا اسی کو نسخ کرتا ہے بنظر اس تفسیر سنئے کہ جو علی مرتضیٰ نے اس
آیت کی بابت فرمائی ہے۔ اور روایا کتب اہل سنت اور بیان
اکابر علماء کی تصحیح وین ہو سکتی ہے کہ جو وقت پیغمبر نے یہ آیت تلاوت
فرمائی۔ آیت اخرا یم اللات والعزری ومنات الثالثة الآخر
ترجمہ ایائیں دیکھتی ہو تم لات اور عزری کو اور منات تیسری پچھل کو
اسوقت ان لوگوں کے دلوں میں کہ جو جدید ایمان لائی ہوئے تھے
اور کفر تازہ عوطہ رنگ اسلام میں کیا یہ ایمان لائی ہوئے تھے

فَاتِمَا الزَّهْرَانِيَّةُ الْحَلِيَّةُ : تحقیق کہ وہ خوب صورت بیت پر مبنی
 وان شفا عتھن لمرحی اور تحقیق عتھا اونکی ہر ائذ امید کیجاتی
 جس کو خدا نے منسوخ کر دیا۔ اور یہ آیت نازل فرمائی کہ نسخ (دور)
 کرتا ہے خدا اُس چیز کو کہ ڈال دیتا ہے، اسکو شیطان۔ پر محکم
 کرتا ہے خدا آیات اپنی کو، جس کو ہم نے اسباب کو ظاہر کرنے
 کیلئے دکھایا ہے کہ خدا اُس چیز کو نسخ کرتا ہے۔ اُنہوں سے کہ راویا
 اور علماء اہلسنت نے بجا ہی صحابہ کے دلوں کی القاب شیطانی کیلئے
 زبان رسول پسند کی۔ مگر یہ امر ظاہر ہو گیا کہ نسخ امر شیطانی کا کیا
 جاتا ہے۔

آیت اول الذکر میں جیسے معنی نسخ کے ہیں۔ ویسے معنی نسیان
 کے ہیں۔ جس چیز کو الٰہی ہوئی شیطان کو خدا جہاں سے دور کر دیتا ہے
 اُسی چیز کو خدا و مان سے بھلا دیتا ہے۔ اور جبکہ نتیجہ یہ ہو کہ پیغمبر
 نے جو تفسیر آیات قرآنی کی جس معنی میں فرمائی ہے اس معنی میں
 اسکا قائم اور برقرار رہنا اور اُس معنی میں اسکو قبول کرنا لازم
 ہے۔ اور جو معنی اُسکے کہ شیطان نے لوگوں کے دلوں میں ڈال
 دیں۔ اسکو دور کرنا۔ اور اسکو بھول جانا چاہئے۔ ورنہ اُن
 اور صاف کے لوگوں میں شامل رہنا ہو گا جن کو صاف آخرت میں

اخذ کرتے خود فرمائی ہیں۔ جس حال مصنف مخاطب نے اس امر کو
 قبول کیا ہے کہ بعض الفاظ کو چاروں تفسیر کے رسول اللہ شاد فرماتے
 تھے۔ اور کو بھی صحابہ قرآن میں لکھ لیتے تھے۔ لیکن یہ بیان مصنف
 کیا کہ صحابہ قرآن کے الفاظ کو اس کو جدا سمجھتے تھے صحیح نہیں ہے
 اور ایسا کوئی امر اتفاقاً میں مذکور نہیں ہوا بلکہ حضرت عمر کا ایک
 ایت کی نسبت یہ بیان ہے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ قرأت قرآن
 ہی یا تفسیر ہے۔ اتفاقاً میں جو روایتیں اس کی نسبت مذکور
 ہوئی ہیں اور ان پر جو بحث کی گئی ہے اس کا یہ نتیجہ مفہوم ہوا
 کہ جو الفاظ زاید بات قرآنی میں پڑے جاتے تھے اس کو اصل
 قرآن میں شامل نہ کہنے سے یہ سمجھا گیا ہے کہ وہ الفاظ تفسیری
 تھے۔ لیکن اسی موقع پر ان الفاظ زاید کی نسبت انہیں
 روایات اور انسی بحث سے یہ نتیجہ بھی بخوبی نکل سکتا ہے
 کہ گو وہ الفاظ تفسیری مگر ایسے تفسیری تھے جو پیغمبر نے بیان فرمایا تھا اور
 جن صحابہ نے ان الفاظ زاید کو اپنے قرآن میں لکھ لیا تھا
 وہ ان کو مثل قرآن یا حکم قرآن مانتے تھے۔ یہاں تک کہ ابو
 مسعود نے اپنا منا گوارا کیا لیکن اپنا قرآن صبیحہ الفاظ زاید تفسیری
 لکھے ہوئے تھے ضائع کرنے کیلئے مذایا۔

فہرست جو کتاب خیاں کرتا ہے اور اس کتاب سے کوی اخلاص نہ کر سکیگا
 ایسے ہی حالہ میں جو الفاظ تفسیری آیات و کتب شریفہ کو سنیں مروج
 اور مندرج ہیں۔ رہ قرآن موجودہ میں بہترین مل سکتے۔ کہ اس
 میں اس کی شرح موجود نہیں ہو سکتی۔ البتہ شرح حامل اللہ
 ہوتی ہے۔ ہم دیکھا حکیم علیہ اول رسالہ روشنی میں کتب
 فریقین سے کہ کسی کے بیان کوئی امر تفصیل سے ہے اور کسی
 کے بیان کوئی امر اجمال سے۔ مگر قابل یقین کے یہ نتیجہ
 نکلتا ہے کہ کوی آیت قرآنی ایسی نہتی کہ جسکو علی مرتضیٰ بخانی
 ہوں کہ وہ کسوقت اور کس جگہ تازی ہوئی اور کس شرا اور
 مقصود میں ہو۔ اور اس کی تعلیم پیغمبر نے علی مرتضیٰ کو دی ہے اور
 علی مرتضیٰ نے اپنے ماتہ سے اوسکو لکھا۔ اور بعد فن پیغمبر
 سب سے اول اسکا کام تھا وہ یہی تھا کہ قرآن کو تہر ترتیب نزول
 جمع کریں محض ان تعلیمات پیغمبر کے جو انکو ہمیشہ ہوتی رہیں۔ اور جیسا
 کہ قرآن کہ لوگوں نے زبان پیغمبر سے سنا۔ ویسی ہی اوسکی
 ہر ایت کی تفسیر اور اسکا نشانہ اور مقصود زبان پیغمبر کی کلیتہ
 علی مرتضیٰ نے اور کچھ کچھ دیگر صحابہ نے جسوقت کہ پیغمبر کسی
 کچھ نہ چاہا۔ علی مرتضیٰ نے کل اور ابن مسعود اور ابن ابی کعب نے

ظہر ہے اپنے عالم کے اپنے اپنے قرآنوں میں لکھ لیا تھا۔
 لیکن قرآن موجودہ سے جب قدر کہ زائد تھا وہ وحییت
 تفسیر تھی۔ لیکن وہ تفسیر ایسی ہی کہ جیسے قرآن۔ اسلئے
 کہ قرآن و تفسیر دونوں زبان پیغمبر سے سنی گئی تھیں۔
 اور اس تفسیر پیغمبر کا احترام اور وقعت ایسی ہی تھی کہ جیسے
 قرآن کی۔ علی مرتضیٰ نے جب قرآن جمع کر لیا۔ اسی شان
 سے کہ عبادت کر کیا گیا۔ تب اس قرآن کو عہد خلافت اقل
 میں پیش کیا گیا۔ لیکن بزرگوار حضرات شیخین نے جواب دیا
 کہ ہم کو محبت اسے قرآن کی حاجت نہیں ہے۔ اور جسکی
 نسبت بعض علماء اہل سنت نے ایک سچی راوی دی ہے
 کہ اگر وہ قرآن سے لیا جاتا تو اس سے نفع کثیر حاصل ہوتا۔
 یہ وہی قرآن تھا جو علی مرتضیٰ کے پاس رہا اور جسکو لوگ مصحف علی
 کہا کرتے تھے اور جسکو لوگوں نے دیکھا بھی ہے جسکی متعلق
 متعدد روایات کتب اہل سنت میں موجود ہیں۔

وہی قرآن ائمہ اہلبیت کے پاس برابر چلا آیا اور وہی قرآن اور تعلیم اہل
 علم دیکھو مرقع مشکوٰۃ شاہ عبدالحق و کتاب و تاریخ الخلفاء۔

یکے بعد دیگرے دریو علم درجہ اعلیٰ کبر امام اہلبیت کے لئے بنوا۔

تمام خلافتیں اور خلفاء فی الارض مخالف اور دشمن اکمہ اہلبیت کے رہے۔ اور سخت مصیبتوں اور مشکل حالات میں انہوں نے اپنی زندگیاں بسر کیں۔ اور انجام کار کسی نہ کسی تدبیر سے اونکی زندگیاں ختم کی گئیں۔ یہاں تک کہ امام حسن عسکریؑ امام یازدہم کی جوانی اور پیری سبب شدہ میں گذر گئی۔ اور جب کہ سبب سے اونکا لقب عسکری ہو گیا حضرت امام محمد باقرؑ امام دوازہم اسی قید خانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور انکو بنظر اس تجربہ کے جو انکو اپنے اعدا سے کہ جن کو سوا سے اسی امامت اور خلافت کے اور کسی امر پر عداوت نہیں تھی۔ اپنی محفوظی کا کی طرح اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اسی اندیشہ سے کہ جو انکے جد پیغمبر کو وقت ہجرت پیش آیا تھا انہوں نے اپنے آپ کو روپوش کر دیا۔ اور وہ قرآن جو علی مرتضیٰ بحیثیت میراث علمی کے ملاتا تھا اپنے ہمراہ لے گئے۔ جیسے کہ پیغمبر علم نبوت اپنے سینہ میں لیکر غار ثور میں پناہ ہوئی

امام دوازہم علیہ السلام کی نسبت کوئی شیعہ اس بات کا
قابل نہیں ہے کہ جناب صاحب الامر اُس قرآن کو ہم سہی
چھپا کر غار میں لے پھینچے۔

علی مرتضیٰ سے لیکر امام دوازہم کی عینیت صخری
مک شیعوں سے وہ قرآن تفسیری چھپایا نہیں گیا۔
اُسی قرآن تفسیری سے جیسے کہ زبان پیغمبر پر وہ قرآن
تفسیری تھا ویسے ہی ائمہ کی زبان پر برابر لیتے رہے۔ باوجود
اسکے کہ ائمہ عجیب نازک حالتوں میں تھے۔ اور شیعوں خوف
جان اور مال کی مصیبتوں میں۔ مگر سچائی دین اور ایمان کی ہر
مشکل کو اسان کرتے تھے۔

حضرت صاحب الامر علیہ السلام کہ جبکہ دور امامت ہنوز جاری ہے
جس شب میں کہ روپوش ہو گئے۔ اور صبح کو اپنے باپ کے
قید خانہ میں نہ ملے۔ اس وقت اہل لشکر نے درحقیقت اپنے
اد پر کسی الزام عائد نہونیکلی وجہ سے یہ مشہور کر دیا اور یقین
دلایا کہ سوای اس غار کی اور کوئی راہ ان کے چلے جانیکو واسطی منتہی ان
شعوبہ کی تمام زمانہ کو پوشیدہ ہو جانیکو راز کو افشا کرنا پسند نہ کر کے اہل
شکر کے سخن کی تائید کی حالانکہ زمانہ غیبت میں انکی نواب

جانتے تھے کہ وہ کس مقام پر روپوش ہیں۔ اور انہی مسائل اور یافت کرتے تھے اور جواب لکھا سگاتے تھے۔

حضرت صاحب الامر علیہ السلام اُس قرآن تفسیری کو اس واسطے ساتھ لیکھتے تھے کہ اسی علم کے موجب زمانہ غیبت صغریٰ تک انکو ہدایت کرنا باقی تھی اصل یہ ہے کہ اسوقت عموماً دست و دشمن کو یہ معلوم نہوا کہ امام صاحب العصر کس جگہ روپوش ہو گئے اور کس جگہ روپوش ہیں۔ مگر ممکن ہے کہ ابتداء اسی غار میں یا میں پوشیدہ ہو گئے ہوں جیسا کہ پیغمبر غار ثور میں۔ اور جیسا کہ پیغمبر پر غار ثور میں دشمنوں کا دست قدرت نہ پہنچ سکا وہ اسی اپنے نہ پہنچا ہو اور پیر انہوں نے کسی جگہ اپنے زمانہ غیبت کو پورا کیا ہو۔ جن کے خروج کا شیعوں کا انتظار کیا۔ اور وہ خود منظر اوت رہے۔ یہ فقرہ مصنف کا کہ جناب صاحب الامر قرآن شیعوں کو چپا کر غار میں لے پہنچے۔ جس حیثیت سے کہ لکھا گیا ہے بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

مصنف بطور نمونہ کے بعض وہ روایتیں اصول کافی کے نقل کرتے ہیں۔ کہ جہنم ائمہ علیہم السلام فی آیت کی تفسیر کی ہے۔ اور مصنف یہ سمجھتے ہیں کہ ان الفاظ تفسیر

کو بھی قرآن کہا گیا ہے۔ مصنف نے کل روایات تفسیری کے ظاہر
کو دیکھ کر باسند زہریہ لایا ہے۔ اگر نیکو کیا ہے جو کتاب حجت کو چند ابواب میں
بندی ہے۔ اور انکی ذکر سے گریز کی وجہ ہے کہ وہ روایات مسئلہ امامت کیلئے
نہیں صاف و صریح ہیں کہ مصنف ہاتھ کو بھی ہر خیال کو چھوڑ دینا چاہتا ہے
کہ نہیں سکتا۔

جن روایات پر کہ مصنف نے نکتہ چینی کی ہے اور اسکی منشا کو اپنی طبیعت
تفسیر کر کے دکھایا ہے۔ اور روایات کو ہم اس طور پر لکھتے ہیں کہ اول اصل
عبارت عربی کل روایت کی۔ اور اس میں آیت قرآنی پر ایک خط کیجئے
کہ جس سے آیت قرآنی کی تمیز ہو جائے۔ اور حقیقت کہ عبارت تفسیری
اس آیت کی ہے۔ اور اسکو خط ہلالی میں لکھینگے۔ اور ایسی ہی اسکا ترجمہ
اردو میں۔ اور اس کے بعد اسکی شرح کیجا سکی تاکہ باسانی معارف و حقائق
کہ مصنف کی نکتہ چینی کس قدر غلط اور خلاف ہے۔ اور یہ بھی
یاد رکھنا چاہئے کہ علی العموم احادیث بالمعنی مروی ہیں باللفظ۔
عن ابی بصیر عن عبد اللہ فی قولہ
اللہ عز وجل ومن یطع اللہ و
رسولہ فی ولایۃ علی و آلہ (عجلت)
فقد فاز فوزاً عظیماً (نزلت)۔
ترجمہ ابوبصیر روایت ہے امام جعفر صادق
علیہ السلام ہو قول اللہ عز وجل
ومن یطع اللہ و رسولہ
فی ولایۃ علی و آلہ (عجلت)
فقد فاز فوزاً عظیماً (نزلت)۔

(پیغم ولایت علی اور ائمہ کے جو اسکے بعد ہیں) پس پہنچا مراد بزرگ کہ
(اسی طرح نازل ہوئی وہ)“

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ قول اللہ عزوجل اسی قدر قبول
کیا گیا کہ شیخ و من یطاع اللہ و رسوله ۷ جو کوئی اطاعت کری اللہ
اور اسکے رسول کی ۷ اور اس اطاعت اللہ و رسول کی یہ تفسیر کی گئی ہے
کہ۔ فی ولای علی و ائمتہ من بعدہ ۷ و ولایت علی کے اور ائمہ کے
جو ان کے بعد ہیں ۷ اور بعد اس تفسیر کے پہ اس بقیہ ایت کا ذکر
فرمایا کہ خداوند بزرگ عظیم ۷ پس تحقیق پہنچا مراد بزرگ کو ۷

اسکی بعد پہر یہ ارشاد امام کا ہے کہ۔ ایسی ہی نازل ہوئی وہ ۷
اس ارشاد سے یہ مقصود ہے کہ وہ آیت اسی معنی اور مراد
میں نازل ہوئی ہے چنانچہ صافی شرح کافی میں بھی ایسا ہی کہا گیا ہے

ایسی حالت میں جو احواءہ مقصود امام کا ہرگز نہیں سمجھا جاسکتا کہ وہ آیت
مع ان الفاظ تفسیری نازل ہوئی ہے۔ خود علماء اہلسنت نے جو قرآن کی
تفسیریں لکھی ہیں۔ یا کسی متن کی شرح لکھی ہے بعینہ بھی طریقہ اختیار کیا کہ اول
الفاظ آیت قرآن کو لکھی۔ اور اسکی بعد عبارت تفسیری یا اول عبارت میں اور پھر
شرح اور اکثر بعد عبارت تفسیری یا شرح کے خود مفتہ
یا شرح کہتا ہے کہ مراد اوسکی ایسی ہے۔

کہ مراد اسکی ایسی ہے۔

مثلاً اسی آیت کی اگر کوئی یہ تفسیر کرے۔

وَمَنْ يَطْعَمْهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فِي التَّوْحِيدِ وَالْعَدْلِ وَالنَّبِيِّ

وَوَلَايَةِ عَلِيٍّ رَأَيْتُ مِنْ بَعْدِ لَا تُكَلِّمُ سِوَايَا جَائِكَا کہ عبارت

تفسیری عبارت قرآن کی ہے چرگز نہیں۔

منشاء روایت سے صاف ظاہر ہے کہ اس قول اللہ تعالیٰ

میں امام نے کیا تفسیر کی ہے۔ اور کیا مراد بجائی۔ مضمون

روایت میں جب قدر قول اللہ کا ہے۔ اسکو قول اللہ کا سمجھنا چاہئے۔

اور جب قدر قول غیر اللہ کا ہے اسکو تفسیر اور قول امام۔ یہ عبارت روایت

جو کوئی تہوڑا سا بھی زبان عرب اور اسکی محاورہ کو جانتا ہو گا وہ سمجھ سکتا ہے

کہ عبارت قرآن کی اس آیت میں کس قدر اور قول تفسیری امام کا کس قدر ہے

کلی مضمون روایت کا کوئی کہ نہ نہیں سکتا کہ وہ عبارت قرآن کی

آیت قرآن میں جو ایشاد ہوا ہے کہ جو کوئی اطاعت کری

حذا اور اس کے رسول کی وہ ارشاد اس امر کے لئے ضرور تہذیب

طلب ہے کہ حذا اور رسول کی کس چیز میں اطاعت کی جائے۔

کہ اس آیت میں امور اطاعت کا کچھ بیان نہیں ہے۔ کم ہی کلام

امور اطاعت کی یہ شرح ہو سکتی ہے کہ حذا اور رسول اور

عجو فرمایا ہے۔۔۔ کہ خدا کو ایک مانو اس کو شریک نہ کہو۔۔۔ اور پھر فرمایا ہے۔۔۔
 اور پھر فرمایا ہے۔۔۔ کہ خدا کو رسول اور پھر رسول اولی الامر کو نہ کہو۔۔۔
 الطاعتہ مثل رسول کے خاتو۔۔۔ قیامت کا اتا بھق مانو۔۔۔
 نماز روزہ حج زکوٰۃ خمس۔۔۔ جہاد۔۔۔ اسکے احکام پر عمل کرو۔۔۔
 اسکے سوا دیگر اور امر و نواہی امور و حروف اور ہتھکڑی
 کا بیان قرآن میں ہوا ہے۔۔۔ وہ تمام امور تفصیل میں اس
 اطاعت خدا کو رسول کے جس کا ذکر اس آیت میں ہے
 داخل ہو سکتے ہیں۔۔۔

لیکن اور مسلمانوں نے بعد پیغمبر سوا مسئلہ امامت کو
 دیگر مسائل میں ایسا اختلاف نہیں کیا تھا کہ جسمین امام
 علیہ السلام کو خواہ مخواہ ضرورت ہدایت اور تفسیر کی ہوتی
 اس لئے امام علیہ السلام نے بنظر ضرورت وقت کے اس آیت
 سے سبجلا امور اطاعت کے صرف ایک امر اطاعت کا ذکر فرمایا
 ہے۔۔۔ اور ممکن ہے کہ راوی نے خاص وہی امر دریافت
 کیا ہو۔۔۔

امام علیہ السلام نے جو اطاعت خدا اور رسول میں امر
 طاعت علی اور ائمہ بعد کو شامل فرما کر ان کو فوز عظیم کہا ہے

اوسکی تائید ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے جو اخذ اس تفسیر کی ہے اور وہ آیت اس آیت سے کچھ اوپر قرآن میں موجود ہے جہاں کافروں نے قیامت کا پیغمبر سے سوال کیا تھا اور خدا قیامت کے بیان میں کافروں پر لعنت اور عذاب آتش اون کے واسطے بیان کر کے اسطرح اونکا مقولہ نقل کرتا ہے۔

آیت

یَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا اطعنا الله واطعنا الرّسولاً وقالوا ربنا انّا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلًا ربنا انهم ضعیفون من العذاب والعنهم لعنا کبیراً

ترجمہ یہ کہیں گے وہ (کافر) کاش ہم اطاعت کرتے اللہ کی اور اطاعت کرتے ہم رسول کی اور کہیں گے وہ اسی پروردگار ہمارے کہ تحقیق کہ اطاعت کی ہم نے سرداروں

اپنے کی اور بزرگوں اپنے کی پس گمراہ کیا اونہوں نے ہم کو راہ سیدھی سے اسی پروردگار ہمارے دے تو اونکو دو گنا عذاب سے اور لعنت کر تو اون کو لعنت بہت " اس آیت سے ظاہر ہے کہ اطاعت خدا اور رسول نہ کرنا اور اطاعت اپنے سرداروں اور بزرگوں کی کرنا باعث

عذاب الہی اور عذاب کا ہوا ہے اور جو لوگ کہ مستوجب عذاب الہی قرار پائے ہیں ان کے لئے اطاعت ان کے سرداروں اور بزرگوں کی وجہ عذاب کی بیان ہوئی ہے اور یہ اطاعت علاوہ اطاعت خدا اور رسول کے ذکر کی گئی ہے۔

اس آیت کے عکس درحقیقت وہ آیت ہی جسکی تفسیر پر بحث کی جاتی ہے اور جس میں اطاعت خدا اور رسولؐ فوز عظیم قرار دیا گیا ہے اور امام نے بمقابلہ سرداران و بزرگان عذاب پانیوالوں کے فوز عظیم پانیوالوں کے سردار اور بزرگوں کا تفسیر اذکر فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ انکی اطاعت فوز عظیم ہے برخلاف سرداروں اور بزرگوں عذاب پانیوالوں کے جنہوں نے انکو گمراہ کیا۔

جب ان دونوں آیتوں کو یکجا پڑھا جائے تو امام نے جو تفسیر فرمائی ہے اسکی صداقت اور حقیقی ہونے میں ذرا بھی شک نہیں رہ سکتا ہے۔

اس روایت میں جو امام علیہ السلام نے الفاظ تفسیر فرمائے ہیں اسکو مصنف یہ قرار دیتے ہیں کہ کتبہ الفاظ

بھی شامل نزول تھے : اور اُس پر نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن موجودہ صحیح نہیں بلکہ اس میں تحریف ہو گئی۔

جب مصنف مخاطب نے الفاظ تفسیری کو شامل نزول قرار دینے میں غلطی کی ہے تو صریح ہے کہ جو یہ نتیجہ وہ نکالتے ہیں قرآن موجودہ صحیح نہیں بلکہ اوس میں تحریف ہو گئی، وہ بھی غلط ہے۔ علامہ رشیدہ نہایت تحقیق سے برابر اجتہاد کرتے چلے آتے ہیں کہ قرآن موجودہ میں نہ کمی ہے نہ زیادتی۔

البتہ خود کتب مستندہ اسنت میں یہ قبول کیا گیا ہے کہ جو قرآن کہ پیغمبر نازل ہوا تھا اوس میں کچھ کچھ الفاظ اوس عہد میں پڑھے جاتے تھے کہ جواب قرآن موجودہ میں نہیں ہیں۔ اُبے ابن کعب اور ابن عباس نے آیت متعہ کو اس طرح پڑھا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُلُوْا مِنْ حَوْلِکُمْ وَلَا تَمُوتُوْا	ترجمہ پس جو کچھ کہ استماع کرو تم تہا
اَوْ مِنْ اَمَّا مِکُمْ اَوْ مِنْ اَمَّا مِکُمْ	اوس کے اون (عورتوں) سے
فَاَتَوْہُمْ اَجُورَہُمْ	(وقت مقرر تک) پس دو تم اجرت (مہر)
فَرِیْضَۃً ۙ	انکے مفروض اور مقرر کرنا کر کے

لے پارہ پانچ رکوع اول نہ تفسیر کہ یہ عالم التذلل کشاف مستدرک

مگر قرآن موجودہ میں لفظ ”اے اجل مسمیٰ“
موجود نہیں ہے۔

کنز العمال میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک لڑکے کی گود
میں یہ آیت پائی۔

النبی اولى بالمؤمنین اقرّبہم نبی اولى ہے ساتھ
من النفس (وہو ابوہم) اومنین کے اون کہ نفسہ
اور وہ باب اونکا ہے واضح ہو کہ قرآن موجودہ ”وہو
ابوہم“ نہیں ہے پس کہا حضرت عمرؓ نے کہ چیل ڈال
اوسکو اسے لڑکے پس کہا اوس نے قسم خدا کی زمین چیلونگا
میں اوس کو در حالیکہ وہ مصحف ابی بن کعب میں ہے پس
چلے گئے وہ طرف ابی کے اور کہا حضرت عمرؓ سے ابی نے
کہ مشغول ہو امین قرآن کا اور مشغول ہوے تم خرید فروخت
کرانے میں بازار و زمین جسوقت کہ ڈال لیتے تھے تم چادر
اپنی اوپر گردن اپنی کے اور دروازہ ابن العجمہ پر پیش کرتے
تھے۔

لہذا یہ حفاظت سے مراد ہے سورہ احزاب رکوع اول ۱۰۰ یہ اشارہ ہے
حضرت عمرؓ کے دلال پیشہ ہونے پر جیسا کہ صاحب حیوۃ الحیوان دیری
نے تحقیق کیا ہے۔

بعض اہلسنت کے مفسرون نے قبول کیا ہے کہ اس آیت
 میں ”وہو ابوہم“ بھی پڑھا جاتا تھا جبکہ تفصیل ایک موقع پر
 ہم نے پچھلے لکھی ہے۔

تفسیر درنثور میں ابن مسعود سے یہ روایت کی گئی ہے
 کہ عہد رسول اللہ میں ہم اس آیت ذیل کو اس طرح پڑھتے
 تھے۔

آیت

”يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ

إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ عَلِيًّا

مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ

فَمَا بَعَثَ رَسُولًا لَهُ وَاللَّهِ

يُصْحَكُ مِنَ الذَّاكِرِ لَهُ۔“

نہ کیا تو نے پس نہ پہنچایا تو نے رسالت اپنی کو اور اللہ

نگاہ رکھنے والا ہے تجھ کو لوگوں سے۔“

”ان علیا مولى المؤمنين“ تحقیق کہ علی مولى مؤمنین کا ہے۔

قرآن موجودہ میں نہیں ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں

کہ وہ تفسیر فرمودہ پیغمبر مثل قرآن کے تھی جو امامت کا بحق

علیٰ از روئے نص کے فیصلہ کر سنے والی ہے۔ ابن مردودہ

عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے ”تحقیق کہ وہ پڑھتے تھے
یہ حرف“ (تفسیر درمنثور)

وَكُنِيَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ | ترجمہ اور کافی کیا اللہ نے
الْقِتَالِ الْعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ | مؤمنین کا قتال کو (سارہ
وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا | علی ابن ابی طالب کے
اور ہے اللہ قوی اور غلبہ مند ہے | علی ابن ابی طالب کا
قرآن موجودہ میں نہیں ہے۔

تفسیر ثعلبی میں یہ روایت ہے کہ ”صحف ابن مسعود میں یہ پڑھا
جاتا تھا۔“

وَاللَّهُ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا | ترجمہ بیشک اللہ نے برگزیدہ
وَالْإِبْرَاهِيمَ وَالْعِمْرَانَ | کیا آدم اور نوح کو اور آل ابراہیم
وَالْعَلِیَّ عَلٰی اَنْعَامِ الْمٰیْنِ | اور آل عمران کو (اور آل محمد کو)
اور پر تمام جہان کے، ”قرآن موجودہ میں جلد ۲۰ آل محمد موجود
نہیں ہے اور حقیقت میں وہ لفظ عطف تفسیری آل عمران
کا ہے جس کا ذکر بعد آل ابراہیم کے ہے۔ عمران نام حضرت
ابوطالب پدر علی مرتضیٰ کا ہے اور فریت پیغمبر نبی فاطمہ صلب
علی مرتضیٰ سے پیدا ہوئی اس لئے آل محمد تفسیر آل عمران کی ہو

جامع الاصول میں روایت بخاری سے لی گئی ہے۔
 ﴿لَمَّا أُنْزِلَ وَأُنْزِلَ رَعِشَتْكَ﴾ ترجمہ اور جب وقت نازل
 الاقربین و سرھطك ﴿﴾ ہوا۔ اور ڈرا تو کنبہ کو پیر نزدیک
 منهم المخلصین﴾ ترہے اور گروہ اپنے کو جو ان
 میں سے مخلصین ہیں، و سرھطك منهم المخلصین﴾ قرآن مجید وہ
 میں نہیں ہے۔

اسی قسم کی زیادتی اور نقصان کا قرآن میں خلاف قرآن
 موجودہ کے علماء اہلسنت نے بہت کچھ ذکر اور مدعایت کیا
 ہے جسکی تفصیل کتاب تنزیہ القرآن میں اوس کے عالم
 مصنف نے لکھی ہے۔ اگر اوس کو یہ نہ کہا جائے کہ وہ
 الفاظ تفسیری ہیں یا آیات منسوخ التلاوت ہیں یا قرآن
 سات حرفوں پر نازل ہوا تھا یا الحن عرب مختلف تھا تو قرآن
 موجودہ کو ضرور مخرف مانا جائیگا۔

تخریف قرآن کی دو قسم پر ہو سکتی ہے ایک تخریف ”لفظی“
 دوسرے تخریف ”معنوی“ درحقیقت اصل تخریف جو
 ناروا ہے وہ تخریف معنوی ہے اور کی اور زیادتی
 الفاظ کی اگر تخریف معنوی کو شامل نہ تو درحقیقت وہ

تحریف ہی نہیں سمجھی جاسکتی۔

کتب مذہب شیعہ میں احادیث ائمہ اہلبیت موجود ہیں جس میں انہوں نے اسی موجودہ قرآن پر عمل اور قرأت کی ہدایت فرمائی ہے اور یحیٰان تک جتلا یا ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی حدیث اوسے پس عرض کرو تم اُس کو کتاب اللہ پر پس جو کچھ کہ موافق ہو کتاب اللہ کے پس لو تم اوس کو اور جو کچھ کہ مخالف ہو کتاب اللہ کے پس چھوڑ دو تم اوس کو۔

یہ احادیث صاف ولالت کرتی ہیں کہ ائمہ معصومین کے نزدیک قرآن موجودہ میں کچھ تحریف نہیں ہوئی اور یہ نتیجہ کی طرح سے نہیں نکل سکتا جیسا کہ مصنف مخاطب نے نکالا ہے کہ قرآن موجودہ صحیح نہیں بلکہ اُس میں تحریف ہو گئی، متقدمین اور متاخرین علماء شیعہ نے نہایت شرح اور ربط سے قرار دیا ہے کہ قرآن موجودہ میں کچھ تحریف نہیں ہوئی ہے۔

پھر مصنف اس روایت تفسیری پر بحث کرتے ہیں۔
عن عبد اللہ بن سنان | ترجمہ عبد اللہ بن سنان

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قوله ولقد عہدنا الی ادم من قبل رکلمات فی محمد وعلی وفاطمۃ والحسن و الحسین والائمة من ندر یتھم فتنی رھکذا واللہ انزلت علی محمد صلی اللہ علیہ والہ	امام جعفر صادق سے روایت کی ہے بیچ قول اوس (خدا) کے اور ہر آئینہ تحقیق عہد کیا صم نے طرف آدم کے پھلے سے (چند کلمات کے بارے میں محمد اور علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین اور ائمہ کے اور اون کے ذریت میں سے) پس بھول گیا وہ
---	--

(ایسی ہی قسم خدا کی نازل ہوئی اوپر محمد کے) آخر اس آیت کا یہی ہے "ولم یجد له عزمًا" واذقلنا للسلاکة اسجد والا د م " تو اسے محمد کے جو وقت کہا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو تم واسطے آدم کے " اس روایت میں بھی سوائے الفاظ آیت قرآنی کے دیگر الفاظ جو امام نے فرمائے ہیں وہ تفسیر ہے چنانچہ شارح صافی نے نسبت اون کلمات

تفسیری کے صاف لکھا ہے کہ مراد اون کلمات تفسیری سے تصریح مقدار الفاظ قرآن کی ہے اور اخیر میں جو امام نے ارشاد فرمایا ہے اوس کا مقصود یہ ہی ہے کہ یہ آیت اوس سے اور مراد میں نازل ہوئی ہے کہ جیسے امام نے اوسکی تفسیر فرمائی ہے یہ مقصود اوس کا ہرگز نہیں ہے کہ یہ کلمات تفسیر امام نے فرمائی وہ لفظ ہی بحیثیت قرآن کے نازل ہوئے ہیں۔“

اس مضمون تفسیری پر مصنف ایک یہ نکتہ چینی بھی کرتے ہیں کہ ”دوسری خطا آدم سے یہ سرزد ہوئی کہ وہ محمد اور ان کے اہلبیت کے عہد کو بھول گئے۔“ ایسی نکتہ چینی کا باعث مصنف کی وہ غلط فہمی ہے کہ جسکی رو سے اونہوں نے آدم کو حضرت ابوالبشر سمجھ لیا ہے حالانکہ اس آیت میں مراد آدم سے جنس آدم نوع انسان سے ہے اور مراد اس آیت کی یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ ”بیشک عہد کیا ہم نے ہر آدمی (روح انسان) یا فطرہ انسانی) سے (چند کلمات میں جو حق میں محمد اور علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین اور ایک اونکی ذریت کے حق) پس

ہوں گیا وہ جنس آدم اور نوع انسان جو کوئی کہ اوں کے
حق کو بھول گیا۔

جب مراد لفظ آدم کی جو اس آیت میں ہے صحیح لیجائے
تو ائمہ اہل سنت کا کسی طرح دار و نہین ہو سکتا۔ اس
پوری آیت کے متعلق حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے
بھی ایک تفسیر ہے جس کو مصنف نقل کرتے ہیں۔

عہدنا الیہ ر فی محمد	ترجمہ عہد کیا ہم نے آدم
والا لائمہ من بعدہ	کی طرف باب میں محمد اور ائمہ
فترک و لم یکن	کے جو اس کے بعد ہیں پس
لہ عزم انہم ہکذا	نیز کیا اس نے اور نہ تھا
والناسی الی العزم	واسطے اس کے قصد تحقیق کہ
اولی العزم لانہ	وہ ایسے ہی ہیں اور سوائے اس
عہد الیہم فی محمد	کے نہیں جو کہ نام رکھا گیا ابو الحزم
والا وصیاء من	صاحب قصد ہوئی سے اس واسطے
بعدہ والمہدی و مسیرتہ	کہ تحقیق اس خدا نے عہد لیا
واجب عزمہم علی ان ذلک	طرف ان کے بیچ محمد اور
کذا لک والا قرا ذہ	اوصیاء بعد اس کے اور

ممدی اور اوسکی مسرت میں (ممدی کا دور جب تک چلی)
اور جمع ہو گیا تھا قصد اوزکا تحقیق کہ وہ اسی طرح ہو اور اوسکے
اقرار پر۔۔۔

اس تفسیر پر بھی مصنف اوسی غلط فہمی مراد لفظ آدم کی
وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ جس غلط فہمی سے اونیون نے
جنس آدم نوع انسان کو حضرت ابوالہریرہ سمجھ لیا ہے اور یہ
کہتے ہیں کہ ”حضرت آدم بھولے نہ تھے بلکہ اوس عہد کو ترک
کر دیا تھا“ لیکن جب آدم کے معنی جنس آدم نوع انسان
لئے جائیں تو کوئی اعتراض قائم نہیں رہ سکتا اور جیسے مصنف نے
مراد لفظ آدم کی غلطی ہے ویسی ہی تحترم کے معنی مصنف نے
یقین کے غلط لئے ہیں اور جس سے یہ نکتہ چینی کی ہے کہ حضرت
آدم کو یہ یقین نہ آیا کہ محمد اور اون کے اہلیت ایسے ہوں گے
تحترم کے معنی قصد کے اور کسی چیز پر دل رکھنے کے اور جادہ پر
راہ چلنے کے ہیں اوس جنس آدم نوع انسان کی نسبت
کہ انہوں نے محمد اور آل محمد کو ترک کیا یہ بیان ہے کہ اوس
عہد میں جو خدا نے جنس آدم نوع انسان کے ساتھ کیا تھا
محمد اور ائمہ ماجد کے باب میں اوسنی اوسیں پر ذل نہادی

نہین کی اور اوس جادہ پر راہ نہین چلی گئی تھی۔ مگر ہمیں
بھول جاتے تھے اور ارادہ نہ پائے جاتے تھے جیسا کہ آیت
میں ذکر ہے۔

مفسر اوس اعتراض کے بعد کہ حضرت آدم نے اوس عہد کو
ترک کر دیا اور اولو یقین نہ آیا کہ محمدؐ اور اون کے اہلبیت ایسے
ہوں گے، لہذا عترت ارض کرتے ہیں کہ حضرت آدم کے علاوہ
بقیہ انبیاء و غیر اولی العزم میں سب کی یہی حالت ہوئی ہے
خلاف منشاء اور مقصود تفسیر امام کے ہے انبیاء غیر اولی العزم کا
مطلق ذکر اوس تفسیر میں نہیں ہے بلکہ اولی العزم کی وجہ شہید
بنائی گئی ہے کہ جن لوگوں سے وہ عہد کیا گیا اور اوس عہد پر
اولی العزم جمع ہو گیا اور انہوں نے اقرار اوس کا کیا کہ محمدؐ اور
اوصیاء بعد اون کے اور مہدیؑ اور اوسکی مسیرت ایسے ہی
ہوں گے اور ان کا نام اولی العزم رکھا گیا ہے اور جیسے حضرت آدم
ابو البشر کی نسبت مراد ترک عہد کی نہیں ہے ویسی ہے کسی اور
نبیؑ کی نسبت بھی ذکر ترک عہد کا نہیں ہے۔ اس آیت میں جو
لفظ آدم آیا ہے اور جسکی تفسیر دوائیہ اہلبیت سے ہوئی ہے
اوس آیت کے اور تفسیر ائمہ علیہم السلام کے طرز بیان سے

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آدم سے مراد اس جگہ حضرت ابوالبتہ سے
 نہیں ہے بلکہ جنس آدم نوع انسان سے مراد ہے اور مقصود
 ائمہ کا اس آیت کی تفسیر سے یہ جو کہ خدا نے روز ازل کل انسانوں
 بنو متبعیمبر آخر الزمان اور امامت اور ولایت ائمہ مابعد
 پیغمبر کا عہد لیا ہے لیکن لوگ اس عہد کو بھول گئے یعنی
 بنو متبعیمبر آخر الزمان اور امامت اور ولایت ائمہ مابعد
 کے عہد کو ترک کیا اور سپرد دل نہاد سی نہیں کی اور ابوس جادہ پر
 راہ نہیں چلے اور یہ بیان بمقابہ او نہیں لوگوں کے ہے کہ
 جنہوں نے ایسا کیا شروع قرآن محسورۃ البقرہ میں ابتدائی
 پیدائش آدم کا جو ذکر خدا نے فرمایا ہے۔

وَاذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ	ترجمہ اور جب وقت کہ کہا
اِنِیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ	تیرے پروردگار نے فرشتوں کے
خَلِیْفَةً قَالُوۡا تَجْعَلُ	لئے تحقیق کہ میں کرنیوالا
فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا	ہوں زمین میں خلیفہ (اپنا
وِیْسِفُكَ الدَّمٰٓءَ	نائب پادشاہت کا) کہا انہوں نے
وَنَحْنُ تَسْبِحُ بِحَمْدِكَ	آیا کریگا تو اس (زمین)
وَنَقْدُسُ لَكَ قَالُوۡا اِنِیْ	میں جو فساد کرے اس کے

اعلم ما لا تدعون و علم
ادم الاسماء كلها۔ اور غون بہائے اور ہم تیری

تعریف جیسے ہیں اور پاکیزگی
جانتے ہیں ہم تیرے لئے کہا اوس (خدا) نے تحقیق کہ میں
زیادہ جاننے والا ہوں جو کچھ کہ تم نہیں جانتے اور کہہ سائے
اوس (خدا) نے آدم کو نام سارے

یہ قصد ابتدائے پیدائش آدم کا جو خدا نے ذکر کیا ہے
اور اوس میں فرشتوں سے فرمایا ہے کہ میں خلیفہ
فی الارض کرنیوالا ہوں اور فرشتوں نے اوس کے جواب
میں کہا ہے کہ تو جو فساد کرے زمین میں اور خون بہائے
اوس کو خلیفہ کر لگا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خلیفہ
فی الارض کرنے سے مراد خدا کی جنس آدم نوع انسان
مخلوق سے ہونہ ذات خاص حضرت ابوالبشر سے اور نہیں
تو فرشتوں کے جواب سے یہ لازم آتا ہے کہ ذات حضرت ابوالشہر
کی فساد کرنیوالی زمین پر اور خون بہانے والی ہوگی حالانکہ
حضرت ابوالبشر کی نسبت کوئی اس بات کا قائل نہیں ہے
کہ اپنی ذات سے وہ ایسے ہوئے یا ایسے تھے البتہ نوع انسان
آدم مخلوق خدا کی نسبت ہر کوئی اوس وصف کا قائل ہے۔

”عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ“ کے بیان میں تفسیر بیضاویؒ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مختلف اجزاء اور متبائن قوتوں سے پیدا کیا تاکہ جو طرح طرح کے معقولات اور محسوسات اور متخیلات اور متوجہات کے جاننے کے لائق ہوں اور حقایق اشیاء اور اونکے خواص اور اون کے اسماء اور علوم کے اصول اور ضابطے کے قواعد اور اون کے آلات کی کیفیت اوس کے دل میں ڈالی تھی۔ تفسیر کشف الاسرار وہ تک الاستار میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ آدم کے لفظ سے ذات خاص آدم کی اکیلی مقصود نہیں ہے بلکہ اوس سے نفع انسانی مراد ہے۔

اور آیت

”لَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ“
 (ترجمہ) اور البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے تمکو پھر صورت بنائی ہم نے تمہاری پھر کہا ہم نے واسطے فرشتوں کے کہ سجدہ کرو

تم واسطے آدم کے یہی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ تخلیق اور صورت انسانی کو آدم بولا گیا ہے نہ کسی ذات واحد کو۔ ان آیات سے یہ نتیجہ باسانی نکلتا ہے کہ ان آیات میں خدا نے

انسانی فطرت اور اوس کے جذبات کو بتایا ہے اور جو قوتیں
 انسان میں بیلانی اور بُرائی کی تمین اوٹکو جتایا ہے اور
 اس امر سے بھی آگار نہیں ہو سکتا کہ انسان کی فطرت میں
 ایک قوت اختیار سی بھی ایسی ودیعت کی گئی ہے کہ جب
 انسان اوس قوت کو امور اخلاق یا بد اخلاق یا امور معروف
 اور منکر کے لئے کام میں لاوے تو وہ غلبہ حاصل کر سکے اور
 جب ایسے قوام کے ساتھ فطرت انسانی قبول کیا جاسکتی ہے
 تو فضل اور شرف انسان کو اوسى حالت میں حاصل
 ہو سکتا ہے کہ جب وہ قوت عمل امور اخلاق حمیدہ اور معروف
 کو کام میں لاوے اور قوت خواہشات نفسانی کو کہ جن
 سے اوصاف ذریلہ پیدا ہو جاتے ہیں مردہ اور مغلوب رکھے۔
 جو لوگ کہ ایسے اوصاف رکھنے والے ہیں ضرور رہے کہ قوت
 لوگ جن میں ایسے اوصاف نہوں وہ اونکی اطاعت
 اور فرمانبرداری کریں اور حقیقت میں خدا کا عہد بھی
 ہی فطرت نوع انسان کے تھا اور علم اجمالی اور تفصیلی
 آگئی اوس وصف حمیدہ کے لوگوں کو محیط تھا جن میں
 حضرت محمدؐ جز الزمان اور ائمہؑ مابعد اون کے داخل تھے

اور اسی اعتبار سے ائمہ معصومین نے وہ تفسیر فرمائی ہے جس پر
مخاطب ایسی غلط نکتہ چینی کرتے ہیں گویا اون کے یہاں کا باوا آدم ہی
نرالا ہو قصہ آدم کے متعلق دوسری آیت یہ ہو۔

”فَلَقَىٰ آدَمَ مِن مِّن سِرِّيهِ“ [ترجمہ پس سیکھے آدم نے اپنے
قربان علیہ السلامؑ] پروردگار سے چند کلمہ اور
توبہ قبول کی اللہ نے اسکی تحقیق وہی ہی بڑا معاف
کرنے والا مہربان ہے تفسیر آیت محمدؐ میں جو امام علیہ السلام نے
چند کلمات کا لفظ باب میں محمدؐ اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ
اور ائمہ و انکی ذریت کے فرمایا ہے وہ لفظ کلمات وہ ہی ہے
کہ جو اس آیت قصہ قلمی آدمؑ میں ہے۔ اور آیت قصہ قلمی آدم
کے متعلق دعائے توبہ حضرت آدمؑ از روئے احادیث بنوی کتب
مستند اہلسنت میں منقول ہوئی ہیں اوس میں ذکر اور وسیلہ
انہیں پنج بزرگواروں و آل محمدؐ کا موجود ہے ۱۰ جس کو
ایک موقع پر پہلے ہم مفصل لکھائے ہیں۔

۱۰ جمع الجوامع سیوطی در مشورہ فردوس الاخبار بیچ صغیر طبرانی مشہور و مستند
این عساکرہ دلائل النبوة حافظ ابو نعیم و بیہقی مناقب شافعی حنفی حنبلی اہل سنت
تفسیری کتاب المودت چہرانی۔ و معارج النبوة و روشنی جلد اول حصہ بابۃ ۱۰

آیت محمد بن جو لفظ "نشی" سے بھول گیا ہے۔
وہ منظر دیگر آیات قرآنی کے بھی حضرت ابو البشر پر
کسی طرح منطبق نہیں ہو سکتا اس لیے کہ دیگر آیات
قرآنی میں آشدر اور نام نہ مان لوگوں کی نسبت
وہ کلمہ بولا گیا ہے۔

آیت

ومن اظلم ممن ذكر { ترجمہ اور کون زیادہ
بایات سربہ فاعرض عنہا } ظالم ہو اوس سے کہ
ونشی ما قدمت يداہ { یاد دلائی جساوین نشانیاں
پر وردگار اوس کے کی (پیغمبر اور ائمہ ہدی) پس مٹنے پیرے
وہ اونسے اور بھول جاوے جو کچھ پیش کیا ہے دونوں
ہاتھوں اوس کے لئے (روز ازل جو عہد ہوا ہے)۔
جب سامری نے گو سالہ پرستش کے لئے تیار کیا ہے
اوسکے متعلق خدا خبر دیتا ہے۔

هذا الحكم والہ { ترجمہ پس کہا اذنوں نے
مو سے خنہ } (سامری اور اوس کے پیروؤں نے)

۱۵ پارہ پندرہ رکوع ۲۰ آیت ۱۶ رکوع ۱۲ سورۃ طہ

یہ بچہ خدا تھا رہا ہے اور خدا ہے موسیٰ کا۔ خدا فرماتا ہے کہ پس بھول گیا وہ (سامری جو کچھ کہہ اوس کے ذمہ تھا ایمان خدا کی وحدانیت اور موسیٰ اور ہارون کی نبوت پر)۔

اولم یزال انسان انما خلقناه من نطفۃ واذا هو خصیم مبین و ضرب لنا مثلا ونس خلقه لہ اور مارنا ہے ہمارے لیے مثل اور بھول کیا پیدا ایش اپنی کوا اس آیت میں خدا نے بجائے آدم کے لفظ انسان صاف بولا ہے اور اوسکی خلقت کو بتایا ہے اور وقت خلقت انسانی کے جو عہد کیا گیا ہے وہ داخل فطرت انسانی ہے جسکی نسبت خدا فرماتا ہے کہ انسان بھول گیا اوسکو۔

واذا مس الانسان ضربه عاربا منیبا الیہ ثم اذا حوٰلہ ترجمہ اور حسب وقت پہونچتا ہے انسان کو کوئی منہ پکارنا ہمارے پروردگار اپنے کو

دفعۃً منہ فیہ ما کان بدعوا الیہ من قبل وجعل اللہ انداداً لیضلل عن سبیلہ ۱۱
 کہ رجوع کر نیا الا ہے طرف او سبکیا پر حبس وقت کہ منڈ ہدیا
 ۱۲ او سکو نعت اپنی سے ہول گیا
 او س چیز کو کہ چار تھا طرف
 او س کے پہلے اس سے اور گردانے واسطے اللہ کے شریک
 تاکہ گمراہ کرے وہ راہ خدا سے ۱۳

اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہر انسان اپنی قوت سے ضرر حاصل کر لیتا ہے اور حصول نعمت کے وقت ہول جاتا ہے
 او س عمل باعث ضرر کو اور خدا کا شریک گردانکر لوگوں کو راہ خدا سے ڈگا دیتا ہے۔ اور عہد فطرت روز ازل کو یاد نہیں رکھتا۔
 ان آیات سے ظاہر ہے کہ خدا کے عہد کو اور اپنی خلقت اور فطرت اور قوت کو انسان ہول جاتا ہے ایسے بندہ خدا کے
 بیا فرمان ہوتے ہیں حضرت ابو البشر کی نسبت ایسا انسان کا اطلاق کی طرح نہیں ہو سکتا ان ذمہ سے لازم آتا ہے
 کہ ان آیات میں جنکی تفسیر ائمہ علیہ السلام نے فرمائی ہے
 لفظ آدم سے مراد انواع انسان سے لگتے حضرت ابو البشر
 ذات واحدہ

مفسدین کے حضرت آدم اور بہت سے انبیاء کی نسبت ترک
 عہد اور انکارِ محمد اور آلِ محمد کا جو نتیجہ نکالا ہے وہ کسی طرح صحیح
 قرار نہیں پاسکتا بلکہ یہ غلط اعتراض اور انہوں نے شیعوں
 پر اپنے مذہب کے اصول کی تباہی پر قائم کیا ہے کہ جسکی رو سے
 وہ قطا و انبیاء کے قائل ہیں اور جو برخلاف مذہبِ شیعہ کے
 ہے جسکی رو سے وہ انبیاء کو ایسا معصوم جانتے ہیں کہ جیسے خطا
 سرزد ہو تو آئینہ آسمانی پر مصنف جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ۲۲ صحابہؓ
 بعد رسولؐ کے نہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کیا نہ فضیلت
 اہلبیت کا شیعہ مسئلہ امامت فرض کر کے انکو مرتد کہتے ہیں ۳ اس
 فقرہ کی دونوں شقیں باہم لازم ملزوم ہیں اگر صحابہ نے بعد رسولؐ کے
 محمدؐ اور فضیلت اہلبیت کا انکار نہیں کیا تو مسئلہ امامت اہلبیت
 کا قبول کرنا خواہ مخواہ فرض اور واجب ہو جائیگا جو کوئی فضیلت
 اہلبیت سے بعد رسولؐ کے انکار کر نیوالا ہے وہ حضرت محمدؐ کا
 اس حیثیت سے ما جاوہر النبیؐ کا منکر ہے۔

اس موقع پر مصنف سے بہت تعجب ہے کہ کس طرح خلاف
 ادن کے مسلک کے ادن کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ ۲۲ صحابہ
 نے بعد رسولؐ کے فضیلت اہلبیت کا انکار نہیں کیا، لیکن

اگر وہ تفصیل سے اقرار فضیلت اہلبیت کا اس موقع پر
 نسبت صحابہ کے لکھ دیتے کہ جس کی نسبت مصلحت اور
 ادب کے ہم خیال بن سے شیعہ اس نسبت سے شاکر رہیں گے
 کہ کس چیز میں صحابہ فضیلت اہلبیت کو بالظاہر مانتے تھے
 اور مانا؟ اگر بیان انکی اقبال فضیلت کا لفظ پر یہ نسبت صحابہ کے
 ظاہر کیا جائیگا تو غیر ممکن ہو کہ انکار فضیلت اہلبیت کا لازم نہ آئے
 اور مانا حق پر ہونا صحابہ کا بمقابلہ اہلبیت کیہ؟ تسبیح نہ کیا جائے
 اس موقع پر میں یہ سوال کرتا ہوں کہ صحابہ نے بعد رسول
 کے فضیلت اہلبیت کا جو احوال نہیں کیا تو اقرار انکی فضیلت کی
 بعد نبی کے کس چیز میں تھا؟ آیا اہلبیت نبی افضل تھے اور اس
 علم میں کہ جو پیغمبر سے لوگوں کو پہونچا تھا؟ یا ہادی دین ہونے میں
 اور اصلاح امور دنیاوی امت رسول میں کہ وہ بھی عین
 دین تھا اور اوسی کا نام خلافت اور جانشینی رسول تھا
 یا وہ دیگر اوصاف شجاعت اور سخاوت اور حلم اور تحمل اور قوت
 اور بہادری اور تقویٰ غرض تمام اوصاف حمیدہ میں افضل تھے؟
 یا بسبب دستور قدیم ملک عرب کے بوجہ قرب قرابت
 حضرت محمد کے افضل استحقاق امارت قوم کا کہتے تھے؟

اور جس کسی میں ایسے افضل اوصاف موجود ہوں تو وہ افضل مستحق امارت کل ملک اور قوم کا ہے یا نہیں؟ لیکن معصیت نے جب بلا کسی قید و تحفیس کے یہ قبول کر لیا کہ صحابہ بعد رسول فضیلت اہلبیت کے منکر نہیں ہوئے تو یہ قبول کرنا ہو گا کہ صحابہ تمام امور میں فضیلت اہلبیت سے انکار نہیں کرتے تھے ہیں ایسی حالت میں دونوں فرقوں کی کشتی اور شہ پہ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ جو نزاع درمیان ان بڑے دو گروہ مسلمانوں کے مدت سے چلا آتا تھا وہ قطع ہو گیا اگر یہی اعتقاد کل اہلسنت سے قبول کر لیں اور خود معصیت ہی کی وقت اسکی تاویل نہ کریں۔

ہم جلد اول رسالہ روشنی اور اس کے ضمیموں میں بہت بڑا ایسے واقعات دکھائے ہیں جس یقین ہو جاتا ہے اہلبیت پیغمبر کی منزلت اور فضیلت کچھ بھی صحابہ کچھول میں بعد رسول نہیں تھی اور نہ تابعین اور تبع تابعین صحابہ کے۔

بعد رسول کے ان کے جسم شریف کو بغیر کفن اور دفن کے چھوڑ دینا اور انکی تجسیم و تکفین میں شریک نہ ہونا برابر اسکے ہے کہ حضرت محمد کو چھوڑ دیا اور وقت انعقاد اور انتخاب خلاف کے جو سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر کی نسبت کیا گیا اس میں

عزیز شہادت علی مرتضیٰ کا جو مردار اہلبیت پیغمبر تھے کرنا اور
 اور ان کے ساتھ کہتے کو ہلا دینا اور امر عظیم کو بغیر شریعت علی کے
 خلاف بدعت و بدعتیہ میں کہتے عرب مقبول پیغمبر کے قرار دینا اور جب
 علی مرتضیٰ نے اس پر اعتراض کیا اور اپنا حق ظاہر کر کے
 بیعت سے انکار اور اس پر عذر کیا اور سوقت اور خلافت کے لئے
 علی مرتضیٰ کو قبول فکرنا اور فکر کو خلاف دعویٰ اور مرضی
 حضرت فاطمہ زہرا کے منبط کرنا کہ جس سے وہ تازیست ناراض
 رہیں اور حضرت ابو بکر کا حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنا خلافت
 اور حق علی مرتضیٰ کے نہ اور حضرت عمر کا تعین خلیفہ کا
 اصحاب شوریٰ پر رکھنا اور علی مرتضیٰ کو مثل دیگر صحابہ کے
 مستغیب ہونیوالوں کے زمرہ میں رکھنا بلکہ اور وے قیود
 اور کیشہ بانط کے ایسی فکر کرنا کہ علی مرتضیٰ ہر خلیفہ مقرر
 بنوسکین بلکہ قتل کروئے جائیں اور مجلس شوریٰ میں علی
 مرتضیٰ کو خلیفہ قبول نہ کرنا جبکہ انہوں نے سیرت شیخین پر
 عمل کرنے سے واجب انکار کیا اور بد خلافت اسی انکار کے
 حضرت عثمان کو جنہوں نے اقبال علی سیرت شیخین پر خلافت
 دین اسلام لے کیا خلیفہ مقرر کرنا۔ اور جب بعد قتل حضرت

عثمانؓ کے کچھ لوگوں نے علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ کو قبول کیا اور اسکی مخالفت میں بی بی عائشہ اور حضرت طلحہ اور زبیر کا مخالفت پر آمادہ جنگ ہوتا۔ اور حضرت معاویہ اور عمرو عاص کا اوسی امر خلافت پر علی مرتضیٰ سے اور پھر حضرت امام حسن علیہ السلام سے جنگ کرنا اور نیز بن معاویہ کا حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید اور مدین کے خاندان کو کہ جو خاندان رسالت محتاج تباہ کرنا۔ اور بعد تمام خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس کے ائمہ اہلبیت کو ضعیف اور کمزور کر کے اور زہر دے دے کر شہید کرنا یا زندہ دیوار شہر پناہ بغداد میں چنوا دینا فضیلت اہلبیت سے اگر انکار کرنا نہیں ہے تو کیا ہے اور جو فضیلت اہلبیت کی خدا اور رسول نے قرار دی تھی اور جس کو پیغمبر لائے تھے اور جسکو پیغمبر برابر ظاہر کرتے رہے او سکونہ ماننا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اگر انکار نہیں ہے تو کیا ہے۔ ۹

اگر بعد رسول کے اہلبیت پیغمبر کو ہادی دین اور خلیفہ فی الارض قبول کر لیا جاتا کہ بغیر خلافت فی الارض کے ہدایت دین کی کامل طور پر جاری نہیں ہو سکتی تھی تو البتہ سمجھا جاسکتا تھا کہ پیغمبروں کے صحابہ نے حضرت محمدؐ سے جیسے کہ وہ تھے اور

فضیلت اہلبیت سے انکار نہیں کیا ورنہ زبان پر کچھ ہوا و ردل
میں کچھ اور عمل مطابق خواہشات نفسانی کے ہو تو ایسی حالت
میں مصنف کا اقرار عدم انکار صحابہ کا حضرت محمدؐ اور فضیلت
اہلبیت سے بیکار ہے۔ اور اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب
کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور ایسی حالت میں صحابہ کی نسبت
شیعہ جو کچھ کہتے ہیں مصنف اور اذن کے ہم خیال غور
کرین کہ وہ کھنا اذن کا صحیح ہے یا نہیں؟

پھر مصنف اس روایت تفسیری پر معترض ہوئے ہیں

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ جَعْفَرٍ
عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ
نَزَلَ جِبْرِيلُ بِهَذِهِ
الْآيَةِ عَلَى مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
تَرْجُمَةُ جَابِرِ بْنِ مُحَمَّدٍ بَاقِرٍ
عَلَيْهِ السَّلَامُ سَيَرُوهُ أَيْتَ كَرْتِ
ہمیں کہ اونہوں نے فرمایا کہ
نازل ہوئی جبریل ساتھ اس
آیت کے محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ

يَسْمَا أَشْتَرُوا بِهِ
پر برسی چیز ہے وہ جس کے

انفسہم ان یکفروا
بدلے اونہوں نے اپنی جان کو

بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِي
پیچڑالایہ کہ انکار کریں اوسکا

عَلَى بَغْيٍ ۖ
جسکو اللہ نے (علی کے باہمیں)

اور تار بطور سرکشی کے ۷

حسب فقہ الفاط آیت قرآن میں موجود ہیں اوس کے یہ معنی ہیں کہ ”ہر سی چیز ہے وہ کہ چپڑالا اور ہون۔ نے اوس کے ساتھ جانوں اپنی کو یہ کہ انکار کہیں بطور سرکشی کے ساتھ اوس چیز کے کہ نازل کیا اللہ نے“

امام علیہ السلام نے اوسکی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ ”جو کچھ اللہ نے نازل کیا علی کے بارہ میں اوس سے از روی سرکشی کے انکار کہیں“ یعنی جو کچھ کہ خدا نے نازل کیا ہے اوسکی تفسیر میں امام علیہ السلام نے علی کو بھی شامل اور لفظ ”نزل“ علی ”تفسیر بیان کیا ہے۔ ایسی حالت میں وہ لفظ تفسیر قرآن موجودہ میں جو متن ہے کس طرح مل سکتا ہے اور اس کے متعلق اعتراض مصنف کا قائم نہیں رہ سکتا ہے۔

مگر مصنف اس روایت پر تازہ اعتراض یہ کرتے ہیں کہ ”قصہ یہ غم سے پہلی ہی تمام مراتب ملے ہو گئی تھے“ نیکین فوس ہے کہ اوہون نے از روی تحقیق کہ یہ نہیں دکھایا کہ یہ آیت کب نازل ہوئی ہے حالانکہ اس امر کا ہر کوئی قائل ہے کہ قرآن موجودہ بہ ترتیب نزول جمع کیا ہوا نہیں ہے

اول: انکو یہ دیکھانا تھا کہ یہ آیت آیت قصہ خم نہ دیکھنے سے قبل کی ہے۔ تاہم ہم یہ سمجھتے ہیں کہ نزول اس آیت کا سیاق و سباق یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور کوہر وقت شامی ہو گا۔

پیغمبرؐ نے جو جب حکام الہی کے جس وقت کہ ایچدا تو دعوت اسلام کی اپنے نزدیک ترک کنندہ الون پر کی تھی اور ان کے واسطے طعام بھی طیار کر آیا تھا اور سیاق و سباق علی مرتضیٰ سے عہد و وزیر اور خلیفہ مقرر ہونے کا ہو گیا تھا اور علم الہی میر جیسی حالت رسالت پیغمبر کی تھی ویسی ہی امامت اور امارت علی مرتضیٰ کی اور جسکو پیغمبر اپنے زمانہ رسالت میں اول سے آخر تک بارہا بتاتے اور جتاتے رہے ہیں۔

آیات قرآن سے جائید ثانی مسئلہ امامت میں ہم دیکھا آئے ہیں کہ بغاوت اور سرکشی خدا اور رسول اور امیر (منصوص من اللہ) کے ساتھ ایک شان رکھتی ہے۔ ان آیات میں ہر ایک کے ساتھ سرکشی کا بیان جدا گانہ تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔

اس آیت میں سرکشی کا بیان بالا جمال اور عام ہے۔ اور جس میں بغاوت علی مرتضیٰ کے ساتھ شامل تھی۔

امام علیہ السلام نے کہ اس وقت صرف اس ایک ہی بغاوت کے بیان کی ضرورت تھی اسی ایک بغاوت کو اس آیت میں ازروی تفسیر کے ظاہر فرمایا اور اس آیت میں وقت نزول آیت سے ازروی سرکشی کے ایندہ کے انکار کر نیا لو نکا ذکر ہے نہ گذشتوں کا خواہ وہ توحید سے منکر ہو دین یا رسالت سے یا امارت اور امامت سے مصنف جو اس کے مضمون کو زمانہ گذشتہ سے متعلق کر کے اعتراض کرتے ہیں وہ کی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

اور اگر حکم اس آیت کا زمانہ ماضی سے ہی متعلق قرار دیا جائے تو یہی تفسیر امام علیہ السلام میں کچھ خلل واقع نہیں ہو سکتا گو آیت خم غدیر معاہدہ جانشینی علی مرتضیٰ کی اخیر آیت سمجھی جائے لیکن دیگر آیات سے جنکو ہم مسئلہ امامت میں نمبر ۲۵ جلد ثانی میں دکھا اے ہیں ظاہر ہے کہ اوصاف امامت خدا نے علی مرتضیٰ میں بہت پھلے ظاہر کر دیے تھے اور جس کو لوگ دلیمن انکار کرتے تھے اور اس پر بالقلب راضی اور خوشنود نہ تھے۔

علاوہ اس کے قرآن میں جو امور بطور باضنی کے مذکور ہوئے

ہیں چونکہ وہ بطور نیا اور موعظت کے ہیں اور انکے بموجب آئندہ
کو سب سے مل کر نامہر مسلمان کو لازم ہے۔ اور مصداق اوسکا
ہر زمانہ میں اور اوسکا ماننا ہر شخص کو کسی زمانہ کا ہو بعد نزول
آیت فرض ہے۔

جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے جو یہ روایت
کرتے ہیں ترجمہ

قَالَ تَزَلُ جَبْرَائِيلُ	تازل ہوئے جبرائیل
بَعْدَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	ساتھ اس آیت کے اوپر
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ	محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے
هَكَذَا أَنْ كُنْتُمْ فِي	اس طرح اگر ہو تم لوگ بیچ
سَرِيبٍ مِمَّا نَزَلْنَا عَلَى	شک کے اوس چیز سے کہ نازل
عِبْدَنَا (رَفِی عَلٰی)	کیا ہمنے اوپر بندہ اپنے کے
فَأَتَوْا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ	(علی کے باب میں) پس

کے اور ایک سورہ مثل اوس کے۔

اوسکو مصنف نے پھر اعتراض کرنے کے لئے ڈھونڈا ہے
لیکن اوسمیں لفظ ”فی علی“ تفسیری ہے جیسا کہ خود مضمون
روایت سے ظاہر ہوتا ہے اور ”هَكَذَا“ سے صاف مراد

ہو جاتی ہے کہ اس مراد کو شاں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور
مراد کو اس آیت میں شامل ہو سکتا ہے۔ اس آیت میں کائنات پر
ہرگز مسلمانان سے مختص نہیں ہو سکتا ہو سکتا کہ جسے ہرگز
نہا ہو کہ نہ کہ کچھ ہیں کہ وہ مشرکین اور اسلئے جو یہ نازل
کوان لین شب مسئلہ اس آیت اور اس کے ساتھ پیش ہو
اور گویا نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن کی فصاحت اور بلاغت کا
معجزہ شکر کہ یہ آیت کے بارے میں پیش ہونے لگا بلکہ مسلمانوں کو
اس کی فصاحت اور بلاغت سے عاجز کیا گیا تھا۔ لہذا اس
تفسیر سے کہ قرآن اعتراض دار وہم تا ہے نہ مصنف
مخاطب کے لئے کوئی حجت قائم ہوتی ہے۔

پچھلے پانچ سو نو ہجری میں کہ لینا چاہئے کہ کل قرآن دفعہ
واحد میں نازل نہیں ہوا بلکہ آہستہ آہستہ تیس سال میں
نازل ہوا ہے کہ بعد مبعوث ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ
برس مکہ میں رہے اور پھر بعد ہجرت دس برس مدینہ میں
رہے اور یہ آیت تخریجی جیسی نازل ہوئی ہے ویسی ہی متعدد
آیات تخریجی نازل ہوئی ہیں ایسی حالت میں اب کوئی
تحقیق نہیں کر سکتا کہ کون آیت تخریجی کیست نازل ہوئی

ہاں اگر یہ قرآن بہ ترتیب نزول جمع کیا جاتا یا بہ ترتیب نزول جو قرآن
 علی مرتضیٰ سے جمع کیا متاودہ عام طور پر جاری کیا جاتا تو وہ امر
 باسانی و دریافت ہو سکتا تھا اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ
 ابتداء سے نزول کے وقت چند لوگ مسلمان ہوئے اور اوس وقت
 تک بہت کم حصہ قرآن کا نازل ہوا تھا بعد ازاں لوگوں کے مسلمان ہونے کا اور بعد نزول
 اوس حصہ قرآن کے جو باقی حصہ قرآن کا نازل ہوا اوس حصہ کے مخاطب
 وہ مسلمان کہ جنہوں نے ابتداء اسلام قبول کیا ہیں اور جو سکتے ہیں۔
 اسی کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین ہونا چاہئے کہ علم الہی محیط تھا
 نزول کل قرآن کا اور اسی ترتیب کے ساتھ نازل ہونے کا اور زمانہ
 رسالت اور زمانہ کل نزول جزا جزا اور حالت مشرکین اور مسلمین
 اور ان کا آہستہ آہستہ ہر ایک چیز پر جزا جزا ایمان لانے اور اسلام کے
 قبول کرتے جانے کا جس ترتیب سے کہ قرآن نازل ہوا۔
 ایسی حالت میں کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ابتداء میں آیات جو
 نازل ہوئیں وہ صرف مشرکین کے لئے تھیں اور باقی قرآن
 صرف اذن مسلمانوں کے لئے تھا کہ جو ابتداء ایمان لائے
 مسلمین۔ کل قرآن بالا جمال مشرکین اور مؤمنین اور مسلمین
 سب کے لئے ہے۔ اول مشرکین توحید اور رسالت پر ایمان

لے انہیں تب وہی مشرکین مسلمان شدہ دیگر مسائل قرآنی پر کہ بہین
مسئلہ امامت بھی ہے ایمان لاوین اور علی ہذا القیاس مسئلہ قیامت
اور دفعہ اور بہشت پر اور احکام نماز و روزہ حج اور ہما و خمس اور زکوٰۃ
کو مان کر کامل مسلمان ہو جائیں گو وہ کسی وقت اور کسی زمانہ گذشتہ
یا آئندہ میں ہوں۔ اس آیت میں جو خدا نے فرمایا ہے "ما نزلنا علی عبدنا
اوس چیز سے کہ نازل کی ہم نے اوپر بندے اپنے کے" اوس سے
مقصود صرف نزول الفاظ اور مضمون نہیں ہے بلکہ حقیقت ہر قسم کی
موعظت اور پسند مقصود ہے اور اوس موعظت اور پسند میں جیسا کہ اوس کا
نزول مقصود ہے ویسا ہی اوس کا انشالون پر قائم رکھنا مقصود ہے اور
اوس موعظت اور پسند کو جیسا کہ بذریعہ ملک نبوت کے پیغمبر کے نظر پر کیا ویسا
ہی بعد پیغمبر کے ضرور ہی کہ بذریعہ ملک امامت کے وہ موعظت اور پسند
قائم اور برقرار ہے اور اسی اخیر چیز کو کہ شامل نزول من اللہ تبارک
امام علیہ السلام نے از روی تفسیر کے بیان فرمایا ہے کہ جس کے
بیان کی اوس زمانہ میں ضرورت تھی۔ وہ موعظت اور
پسند کہ جس کے نزول سے اس آیت میں مقصود ہے ایسی
عام تھی کہ مشرک اور کافر اور مسلمان سب کے لیے شامل تھی اور سب کے لئے اوس کا
ماوی ہونا ضرور تھا اس لئے خدا نے اس آیت کا شروع ولون فرمایا

۱۔ اے لوگو! مشرک کافر میں مسلمان اپنے پروردگار کی بندگی کرو جس نے تم کو اور جو تم سے پہلے تھے اور تم کو پیدا کیا تاکہ تم پر سب سے بڑا گواہ ہو (خدا وہ ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو ڈیرہ آسمان سے پانی برسایا پہر اوس سے تمہاری کھانے کے لئے پہلے اوگائے ہیں مت گردانوں احد کا شریک کسی کو اور یہ سب باتیں تم جانتے ہو (خدا نے اپنی توحید اور قدرت کو بتا اور بتا کر یہ فرمایا) اور اگر ہو تم بیچ شک کے اوس چیز میں نازل کی ہم تھے اوپر بندے اپنے کے (یہاں خدا نے پہر نازل کرنے والی چیز کو عام کر دیا ہے جس میں رسالت اور امامت اور مسئلہ توحید کا جاری کرنا اور قائم کرنا اور مسئلہ رسالت اور امامت اور تمام مسائل دین اور دنیا جو کتاب خدا اور سنت رسول سے ظاہر ہوں شامل ہے بعد اوس کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے) پس لاؤ تم اس کی تائید کوئی سورۃ اور خطاب و سین ہر قسم کے انسان کی طرف سے۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ۔ جو توحید کا منکر ہے وہ توحید کا اقرار اور تصدیق کرے اور جو رسالت کا منکر ہے وہ رسالت کا اقرار اور تصدیق کرے جو امامت کا منکر ہے وہ امامت کا اقرار اور تصدیق کرے اور ایسی ہی جو کوئی جس دین کا منکر ہے اوس کا اقرار تصدیق کرے۔

اور ہر چیز کے ساتھ بمقابلہ ہر قسم کے منکر و تجددی ہے۔ ایسی حالت میں خطاب اس آیت کا مسلمانوں سے مختص نہیں ہو سکتا بلکہ مسلمان اور ہر درجہ کے مسلمان اور غیر مسلمان ہر کسی کی نسبت عام خطاب ہے جو کوئے کسی امر میں شک رکھتا ہو۔ اور اس عموماً کے خداوند شریف عاقل و عاقلین میں پایا اچھا انسان کا لفظ بولا ہے۔

مسلمان اس آیت کے خطاب میں جیسے مختص نہیں ہو سکتے ہیں ویسی ہی اس آیت کے خطاب سے بری اور مستثنیٰ ہی نہیں ہو سکتے سوائے اوس وجہ کی جو ہم نے ظاہر کی کہ۔ جیسے قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوا اور ہر ایک مسلمان کو بعد اوس کے اسلام لانے کے جو کچھ قرآن نازل ہوتا گیا اوس پر ایمان لانا ضروری تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں متافق ہی تھے اور اقوام تفاق جو علماء اہل سنت نے قرار دیے ہیں جس کو ہم پہلے ایک موقع پر کسی جلد میں لکھ آئے ہیں اوس کے اعتبار سے بہت کم مسلمان صفت تفاق سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ علاوہ اس کے ایسے لوگ بھی مسلمانو نہیں تھے کہ پیغمبر پر جو کچھ نازل ہوا تھا اوس میں شک کرتے تھے۔ (یاد کرو قصہ صلح حدیبیہ جس میں حضرت عمرؓ نے بنو ت پیغمبر پر شک کیا تھا ایسا شک کہ اوس روز کا سا شک اون کو کبھی نہیں ہوا تھا) ایسی صورتوں

اور انہوں نے مین مسلمان خطاب سے اوس آیت کے کیسے بری
 رہ سکتے تھے اور قرآن کی فصاحت اور بلاغت کا معجزہ جس میں
 یہ موعظت کا معجزہ تھا جیسے مشرکین کے سامنے پیش کیا گیا
 ویسی ہی اوان مسلمانوں کے سامنے کہ جن کے دل میں نفاق
 یا کسی امر میں ریب تھا یا شک آجاتا تھا پیش کیا گیا اور جیسا کہ
 اوس معجزہ سے بمقابلہ کل موعظت کے مشرکین کو عاجز کیا گیا
 ویسی ہی اوان منافق یا ریب اور شک کرنے والوں مسلمانوں کی
 جس جس امر میں وہ شک کرتے والے تھے محمدی کی گئی۔
 امام نے جو اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے اوس سے ہرگز
 یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ یہ فصاحت کا معجزہ تمام قرآن
 میں نہیں اور انہیں آیات میں ہے جو علی کے باب میں
 نازل ہوئی تھیں۔

قرآن میں جو کچھ نازل کیا گیا ہے اوس پر محمدی کی گئی ہے
 اور جو کچھ کہ نازل کیا گیا ہے اوس کا ایک حصہ امر علی کو
 ہی شامل ہے ایسی حالت میں وہ نتیجہ کسی طرح پیدا نہیں
 ہوتا ہے جو مصنف نے نکالا ہے۔

اور ایسی ہی جو مصنف یہ کہتے ہیں۔ کہ قرآن موجود ہے

ایک آیت میں بھی یہ نص صریح علی کا ذکر نہیں اور نہ کوئی آیت ایسی ہے جس میں کسی یقینی دلیل سے معلوم ہو جائے کہ یہ آیت علی کے باب میں نازل ہوئی پس نتیجہ یہ نکلے گا کہ قرآن موجودہ میں ایک آیت ہی ایسی نہیں جس میں یقیناً انصاف اور بلاغت کا ایسا معجزہ ہو کہ اس کی مثل بنانا ممکن نہ ہو۔ صحیح نہیں ہے اور نہ صحیح ہو سکتا ہے۔

قرآن میں بہت کچھ آیات ایسی ہیں کہ جن میں نص صریح امامت کے لئے ہے اور بہت کچھ آیات ایسی ہیں جس میں یقینی دلیل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ آیات حضرت علی کے باب میں نازل ہوئی ہیں اور متعدد آیات کو ان کے باب میں نازل ہونا علماء اہلسنت نے قبول کیا ہے (دیکھو جلد ثانی مسئلہ امامت) لیکن نص صریح کو ماننا یا نہ ماننا یا کسی یقینی دلیل کو قبول کرنا یا نہ قبول کرنا ہر شخص کے ایمان اور ایمان پر موقوف ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں ریب اور بدگمانی ہو وہ قرآن کو قبول کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں اور اس کے منشاء اور مراد آیات پر یقین لاتے ہیں اور نہ لاسکتے ہیں قرآن موجودہ میں کل آیات ایسی ہی ہیں خواہ وہ کسی مقصد اور منشاء

کی ہوں اور اس میں کسی قسم کی موغلت ہو یقیناً وہ موغلت
اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ جو قرآن میں بیان
کی گئی ہے ایسا معجزہ ہے کہ مثل اس کے بنانا ناممکن
ہے۔

جن لوگوں نے کہ تو حید اور رسالت کو نہیں مانا وہ
بمقابلہ موغلت قرآنی اور پند کے جیسے ناجز سمجھے جاسکتے ہیں
ویسی ہی جو لوگ کہ مسئلہ امامت کو اور علی مرتضیٰ کی امام
منصوص من اللہ ہونے کو نہیں مانتے ہیں وہ بمقابلہ اون
آیات قرآنی کے عاجز سمجھے جاتے ہیں کہ جو مسئلہ امامت اور
فضائل علیؑ کو شامل ہیں۔

ایسی حالت میں یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ فصاحت کا معجزہ
صرف اونہیں آیات میں ہے جو علیؑ کے باب میں نازل ہوئی
تھیں بلکہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فصاحت کا معجزہ اون آیات
میں بھی ہے کہ جو علیؑ کے باب میں نازل ہوئی ہیں۔

اسی موقع پر جہان مصنف نے یہ لکھا ہے کہ ”و نہ کوئی
آیت ایسی ہے جس میں کسی یقینی دلیل سے معلوم ہو جائے
کہ آیت حضرت علیؑ کے باب میں نازل ہوئی ہے۔“

یہ حاشیہ چڑھایا ہے "البتہ ابوبکرؓ کے حق میں آیت عار
ایسی ہے جس پر فریقین کا یقین ہے کہ نیک غا۔ ابوبکرؓ
اور ان اللہ معنا سے اللہ کی معیت جیسے رسول کرے
ثابت ہے اوسط طرح ابوبکرؓ کے لئے ثابت ہے مصنف
اس حاشیہ چڑھانے سے مجبور تھے کہ وہ کوشش
بطلان امامت علی بن جس کے ارر و نص قرآنی
شیعہ فایلمین سرگرم ہیں اور جس سے غرض یہ ہے
ہے کہ امامت حضرت ابوبکرؓ کی از روے نص قرآنی
ثابت ہو جائے۔

لیکھو، افسوس ہے کہ اون کے علماء متقدمین اور متاخرین
اون کے ارادہ کی جڑ کاٹ چکے ہیں۔ اور اسی مسلک پر
خود مصنف بھی بہت تیزی سے قدم رکھتے ہیں کہ مسئلہ
امامت کا قرآن میں پتہ نہیں ہے اور نہ امام خلیفہ رسول یا
پادشاہ اسلام منصوص من اللہ اور مفترض طاعت
ہوتا ہے رسول کہ بعد نہ کوئی معصوم ہے نہ کسی کی طاعت
فرض ہے پھر کس واسطے حضرت ابوبکرؓ کے حق کی یہی آیت
سے استدلال کیا جاتا ہے۔ پھلے اس بات کو قبول کر لینا

چاہئے کہ مسئلہ امامت قرآن میں موجود ہے اور امام یا خلیفہ رسول یا سلطان اسلام منصوص من اللہ ہوتا ہے یا اوسکی اوصاف اور فضائل نصی ہوئے ہیں؟ بعد اوس کے بمقابلہ علی اور شیعوں کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ از روی نص قرآنی کے ایسا حق حضرت ابوبکرؓ کے تھا؟ اور اوس دعویٰ کی تائید میں کسی آیت قرآنی کو پیش کرنا زیبا ہے۔

جس چیز کا دعویٰ نہیں اوس کے لئے شہادت پیش کرنا اصول کے جاننے والوں سے پوچھنا چاہئے کہ کیا جواب مل سکتا ہے؟

اور جب قرآن کے بموجب اہلسنت کے نزدیک کوئی فضیلت علت امامت کے لئے نہیں بلکہ مفضل بھی امام یا خلیفہ رسول یا بادشاہ اسلام ہو سکتا ہے تو حجت کسی فضیلت کی حضرت ابوبکرؓ کے لئے قرآن سے لانا بیکار اور غیر ضروری ہو۔ اون کو یہ ہی ثابت کرنا چاہئے کہ تقرر امام یا خلیفہ رسول یا بادشاہ اسلام کا باختیار مسلمانوں کے ہو کر کوئی فضیلت کسی دوسرے کی قرآن سے پائی جاتی ہو مگر وہ فضیلت علت امامت یا خلافت رسول یا بادشاہت اسلام کے لئے نہیں ہو سکتی۔

یہ بیان مصنف کا کہ آیت غار پر فریقین کا یقین ہو کہ رفیق
نار ابو بکر تھے اور ان اللہ معہ سے اللہ کی معیت جیسے
رسول کے لئے ثابت ہو اور سید علیؓ ابو بکر کے لئے ثابت ہو
غلط ہے۔

شیعہ مشک اس واقعہ کے قائل ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ غار میں
پیغمبر کے ساتھ تھے اور اسی قدر کا ذکر قرآن میں ہے لیکن
رفاقت کہ جس سے کوئی سود پیغمبر کو پھونچے یا جس سے کوئی
اسانی پیغمبر کو ہو۔ اور یہی معنی رفاقت کے ہیں۔ اس کے
مشیعہ قائل ہیں اور نہ آیت غار میں اس کا کوئی لفظ حضرت
ابو بکر کے لئے بولا گیا ہے۔ بلکہ حضرت ابو بکر کی حالت مخالف
اور مختلف حالت پیغمبر کی تھی۔

غور جو نہیں میدان زمین صحبت و نہیں مجلس و نہیں حضرت میں سفر
میں پیغمبر کے ساتھ اور ان کے پاس ہر قسم کے لوگ
ہوتے تھے اور رہتے تھے۔ کافر۔ منافق۔ مومن۔ مسلمان
ضعیف الاسلام ناقص الایمان۔ منجر و معیت اور ہم سفر
ہونا خواہ صحبت۔ کسی امر کے لئے دلیل بنیں ہو سکتی
غور کے قابل اگر کچھ ہو سکتا ہے تو سچا ایمان کاملیت کے ساتھ

کہ جس میں کبھی لغزش نہ آئے اور وہ بلا خوف جان بازی اور
جان شکاری کے عمل سے جب جب - اوس کا وقوع اوسے
ثابت ہونا چاہئے جو حقیقی فاقہ ہو سکتی ہے مگر ایسی عمل
اور اوس کے موقع خود تبار ہے ہیں کہ خلفاء ثلاثہ نے
اوس کی قدر حصہ لیا ہے۔

قرآن محاورہ اور بول چال انسانی میں نازل ہوا ہے
جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا غار میں حضرت ابوبکر کو
کفار متلاشی کے خوف سے خزن ہوا اور وقت پیغمبر نے
حضرت ابوبکر کو اطمینان دلایا ہے کہ ”تم غمگین مت ہو
کہ خدا ہمارے ساتھ ہے“

اس کا یہ مقصود نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر کے ساتھ جو حضرت
ابوبکر تھے تو خدا جیسا کہ پیغمبر کے ساتھ تھا ویسا ہی حضرت
ابوبکر کے ساتھ جیسے حضرت محمد صلعم پیغمبر تھے اور خدا
اون کے ساتھ تھا ویسی بنی مثل پیغمبر کے حضرت ابوبکر
بھی تھے اور خدا ویسا ہے اون کے ساتھ تھا۔

بلکہ اوس موقع اور واقعہ کے متعلق پیغمبر کو جو اطمینان تھا
کہ دشمنوں سے کچھ ضرر نہیں پہونچے گا وہی اپنا اطمینان

پیغمبرؐ نے حضرت ابوبکرؓ پر ظاہر کی ہے اور جس وجہ سے ایسا
 طہینانِ پیغمبرؐ کو تھا اس وجہ کو پیغمبرؐ نے ظاہر فرمایا ہے
 کہ خدا ہمارے ساتھ ہے تاکہ حضرت ابوبکرؓ کی طمانیت ہو جائے
 اور اس کے لئے لوگوں کی نیابت حضرت ابوبکرؓ کے لئے پیدا نہیں
 ہوتی۔

خدا کے ساتھ ہونے سے مراد صرف یہ ہو سکتی ہے کہ علم
 اور قدرت خدا اس واقعہ کے متعلق ہے یعنی خدا ہمارے
 حال کو جانتا ہے اور وہ ہم کو محفوظ رکھے گا اور اصل مقصود
 حفاظت پیغمبرؐ کا ہے۔ پناہ خدا اسی آیت میں اس کے بعد
 فرماتا ہے: "وایدہ بجنودہ لم تردہ" اور مدد کی ہم نے
 اس (پیغمبرؐ) کی ساتھ شکر و نیکوئی کی کہ نہیں دیکھتے تھے تم ان کو
 اگر ہماری نصرت ابوبکرؓ کو مفید ہوتی تو خدا ابینعہ تشینہ یون فرماتا کہ۔
 مدد کی ہم نے ان دونوں کی نصرت ابوبکرؓ نے بجائے اس کے
 کہ پیغمبرؐ کو ہر اندیشہ کی طرف سے مطمئن کر کے ان کے دل کو تسکین
 پہنچائے پیغمبرؐ کو اپنے حزن سے اذیت تردد کی پہنچائی۔
 لیکن پیغمبرؐ نے اپنے دل کو اس عالم الہی سے تقویت دی کہ جسکی
 رو سے وہ جانتے تھے کہ ہمارے حفاظت خدا کرے گا اور جس

بنیاد پر پیغمبر نے فرمایا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور اس کو خدا نے اپنے پیغمبر پر تسکین نازل کرتے سے ظاہر کیا جس کا ذکر اسی آیت قرآنی میں ہے۔

آیت

فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَةً عَلَيْهِ ۝ {ترجمہ} پس نازل کی خدا نے تسکین اپنے اور پر اوس (پیغمبر) کے اگر خدا کو اس موقع پر حضرت ابوبکر پر تسکین نازل کرنا مقصود ہوتا تو ضرور خدا نازل تسکین کے لئے صیغہ تشبیہ کا بولتا چنانچہ اسی سورۃ التوبہ میں خدا نے جہان اپنی نصرت کا ذکر موطن کثیر اور یوم حنین کا فرمایا ہے وہاں سکینہ کی آیت اس طرح ہے

آیت

لَقَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَةً ۝ {ترجمہ} یہ نازل کی خدا نے علیؑ رسولہ و علی المؤمنین ۝ تسکین اپنے اور پر رسول اپنے کے اور اور پر مومنین کے ۝ ایسے نادان رفیق سے جس سے دل کو قلق پہونچے والا و دشمن بہتر ہوتا ہے۔

حضرت شیخ سعدیؒ نے بھی اس موقع سے نصیحت حاصل کر کے

پیغمبرؐ کے ساتھ رہنا اور پیغمبرؐ کا ساتھ دینا اوس کسی کی نسبت
سادق آسکتا ہے کہ جس نے روز پیدائش سے پیغمبرؐ کے
ساتھ میں اور پیغمبرؐ کے زیر سایہ عاطفت پرورش پائی اور
اور کسی مشکل اور مصیبت کے وقت اپنی جان کا خوف
اور ہاک نہ کر کے پیغمبرؐ کا کسی حال میں ساتھ نہ چھوڑا
یہاں تک کہ جب پیغمبرؐ نے وفات پائی تو اپنے ہاتھ سے
پیغمبرؐ کو غسل و کفن دے کر سپرد بجاک کر دیا اور بمقابلہ
اس آخری ساتھ دینے کے سلطنت اور خلافت پر اوس وقت
خاک ڈال دی۔

وقت ہجرت کے جبکہ پیغمبرؐ غار ثور میں پناہ ہوئے تھے
اور گویا ہر حضرت ابوبکرؓ پیغمبرؐ کے ساتھ تھے مگر جو کوئی
بستہ پیغمبرؐ پر قتل ہونے کے لئے بجائے پیغمبرؐ کے لیٹ
رہا اصلی اور حقیقی ساتھ دینے والا پیغمبرؐ کا وہ ہی تھا اور
اوس ہی سے پیغمبرؐ کا مقصود اپنے اس مقولہ میں ہے کہ خدا
ہمارے ساتھ ہے کہ ہم (میں اور وہ) محفوظ رہیں گے
اور خدا ہماری حفاظت کرے گا۔ وہ ہی بستہ پیغمبرؐ پر لیٹ
رہنے والا جانتا تھا کہ کفار پیغمبرؐ کی ہلاکت کا ارادہ مصمم رکھتے

ہیں اور اسوجہ سے پیغمبر مہجرت کرتے ہیں اور اپنی ردا محکم کو
اسی واسطے اڑھا گئے ہیں تاکہ کفار کو پیغمبر کی موجودگی کا یقین
رہے کہ وہی اپنے بستر پر ہیں ایسے شخص کو قطعی اندیشہ اپنے
قتل ہو جانے کا بچا ہے پیغمبر کے ہو سکتا تھا کہ اس نے
بہ قایمقامی پیغمبر اپنی جان بیچ ڈالی تھی کہ جسکی تصدیق
خدا نے قرآن میں فرمائی ہے۔

آیت

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ | ترجمہ اور بعض لوگوں
یشتری نفسہ ابتغاء | میں سے وہ شخص ہے کہ
مرصات اللہ | بیچتا ہے جان اپنی کو واسطے
طلب خوشنودی خدا کے

ایسا ہی شخص دراصل باطن میں حقیقی طور پر پیغمبر کا ساتھ
دینے والا تھا۔ مراد پیغمبر کے اس مقولہ کی کہ خدا ہمارے
ساتھ ہے، بیشک صرف ذات پیغمبر پر محدود نہیں ہے بلکہ
اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جو حقیقی ساتھ دین والا
پیغمبر کا تھا اور اوس میں وہ نفس داخل ہے جو نفس
رسول کے مثل تھا اور اوسی اعتبار سے پیغمبر نے فرمایا ہے

شماره	اسماء خانم (۳۵)	نام خانوادگی
۸۵	عالمیاب سیدنا حسین صاحب سب اور سحر	سحر
۸۶	عالمیاب سید نیر حسین صاحب پنچر	پنچر
۸۷	عالمیاب سید عابد حسین صاحب آفتاب	آفتاب
۸۸	عالمیاب سید میا خان صاحب آفتاب	آفتاب
۸۹	عالمیاب سید نور حسین صاحب خوشتر	خوشتر
۹۰	عالمیاب سید خرم خان صاحب	خان
۹۱	عالمیاب سید مولوی رحمت علی صاحب	رحمت علی
۹۲	عالمیاب سید خواجہ جبار علی صاحب	جبار علی
۹۳	عالمیاب حکیم انور احمد صاحب	انور احمد
۹۴	عالمیاب مولوی سید مراد حسین صاحب	مراد حسین
۹۵	عالمیاب سید لیاقت حسین صاحب	لیاقت حسین
۹۶	عالمیاب مرزا محمد ہدی خان صاحب	مرزا محمد ہدی خان
۹۷	عالمیاب سید محمد جان صاحب	محمد جان
۹۸	عالمیاب خواجہ سید شمس علی خان صاحب	خواجہ سید شمس علی خان
۹۹	عالمیاب سید علی حسین صاحب	سید علی حسین
۱۰۰	عالمیاب سید اکر حسین صاحب	سید اکر حسین
۱۰۱	عالمیاب سید ظہیر حسین صاحب	سید ظہیر حسین
۱۰۲	عالمیاب مولوی سید احمد صاحب	مولوی سید احمد صاحب
۱۰۳	عالمیاب سید امیر علی صاحب	سید امیر علی صاحب
۱۰۴	عالمیاب سید نور علی صاحب	سید نور علی صاحب
۱۰۵	عالمیاب سید نور حسین صاحب	سید نور حسین صاحب
۱۰۶	عالمیاب سید نور علی صاحب	سید نور علی صاحب
۱۰۷	عالمیاب سید نور علی صاحب	سید نور علی صاحب
۱۰۸	عالمیاب سید نور علی صاحب	سید نور علی صاحب

اس کے معاونین جنہوں نے نازہ کا دین سے بد رفتاری کی

خبر شاعر	نام معتمدین
----------	-------------

۱۔	عبدالغنی صاحب سید علی حسین صاحب نصرت
۲۔	عبدالغنی صاحب شاہ علی محمدی صاحب
۳۔	عبدالغنی صاحب ذوال
۴۔	عبدالغنی صاحب ذوال
۵۔	عبدالغنی صاحب ذوال
۶۔	عبدالغنی صاحب ذوال
۷۔	عبدالغنی صاحب ذوال
۸۔	عبدالغنی صاحب ذوال
۹۔	عبدالغنی صاحب ذوال
۱۰۔	عبدالغنی صاحب ذوال

انی تارک فیکم الثقلین

نور علی نور

جلد ثالث سالہ و شنی

بابت

سہ ماہی دوم سنہ ۱۲۹۶ء

یونین لیٹوفا نور اللہ باقواہم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

(باہتمام)



سیرا عبدالتقی قزلباشی بیٹ

اودہ لاپریسین چیک

دفتر سالہ و شنی چوک لکھنؤ سے شائع ہوا

مقوقہ تالیف محفوظین

بقیہ رسید زر بابت جلد ثانی ششم
(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو جلد ۳ بابت ماہی اول)

نمبر شمار	نام چندہ دہندہ	تعداد
۱۰۸	عالیجناب شیخ محمد حسن خان صاحب انسپکٹر پولیس پنجاب -	۷
۱۰۹	عالیجناب مولوی سید آفتاب حسین صاحب پروفیسر -	۷
۱۱۰	عالیجناب سید امیر حسن و امیر حسین صاحبان -	۷
۱۱۱	عالیجناب سید عوض علی صاحب رٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر -	۷
۱۱۲	عالیجناب سید جید علی خان صاحب رضوی انریری مجسٹریٹ -	۷
۱۱۳	عالیجناب حکیم محمد صاحب -	۷
۱۱۴	عالیجناب آغا صفدر علی بیگ صاحب قریب اسٹیشن کلکٹر سندھ -	۷
۱۱۵	عالیجناب منشی سید علی محمد صاحب کٹ انسپکٹر پولیس پنجاب -	۷
۱۱۶	عالیجناب سید حمزہ علی صاحب امین منصفی -	۷
۱۱۷	عالیجناب سید بشیر حسین صاحب انسپکٹر پولیس پنجاب -	۷
۱۱۸	عالیجناب سید محمد امیر صاحب انریری مجسٹریٹ پنجاب -	۷
۱۱۹	عالیجناب منشی ممتاز الدین صاحب الہکار پولیس پنجاب -	۷
۱۲۰	عالیجناب سید معصوم علی شاہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس پنجاب -	۷
۱۲۱	عالیجناب سید عمر علی شاہ صاحب الہکار پولیس پنجاب -	۷
۱۲۲	ادگو رینٹ مالک مغربی و شمالی واوہ -	۷

(باقی آئندہ)

عبد القادر قریب اسٹیشن ڈپٹی

کہ ۷۷ خدا ہمارے ساتھ ہو یعنی میرے کہ جس کے قتل کا مصمم ارادہ
بستر خواب پر کفار نے کر لیا ہوا اور علیؑ کہ جس کو اپنے بستر خواب
پر لٹا آیا ہوں اور جس کے قتل ہو جانے کا بجائے میرے ایشیہ
ہو۔

حضرت ابو بکرؓ اس کلمہ پیغمبر کے مخاطب ہیں وہ اس کلمہ میں
کسی طرح داخل نہیں ہو سکتے کہ ان سے اس کلمہ کا خطاب تھا
البتہ وہ لوگ اس کلمہ میں داخل ہو سکتے ہیں جن کو مخاطب کے
سوائے باطن میں پیغمبر اپنے ساتھ جانتے تھے۔

اگر اس کلمہ میں مقصود داخل ہونے حضرت ابو بکرؓ مخاطب
کا ہوتا تو پیغمبر یون فرماتے کہ ۷۷ خدا ہمارے اور تمہارے ساتھ
ہو ۷۷ اور اسی کی تائید حضرت ابو بکرؓ کے اُس بیان سے ہوتی ہے
جس کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے شاہ ولی اللہ صاحب نے
کتاب ازالۃ الخفا میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں۔
۷۷ فارتحلنا والقوم یطلبوننا ۷۷ ترجمہ ۷۷ پس کوچ کیا ہم نے اور
۷۷ فلم یدرکنا منهم الا سراقۃ ۷۷ اور قوم ڈھونڈ سکتی تھی ہم کو
۷۷ بینا و بینہ قد رج ورجی ۷۷ پس نہ پایا ہم کو ان میں سے
۷۷ او قلۃ قلۃ یا رسول اللہ ۷۷ کسی نے مگر سراقہ لے کہ دریا

هذا الطلب قد لحقنا فقال لا
تخزن ان الله معنا حتى اذا
دنى فكان بيننا وبينه فرم
لم نقلت يا رسول الله هذا
الطلب قد لحقنا وبكيت قال
لم تنكبه قال قلت اما والله
لا ابكي على نفسي ولكن ابكي
عليك الحديث ۛ

ہمارے اور اس کے فاصلہ میں کچھ گھوڑے کا۔ پس کہا میں نے
اسے رسول اللہ ﷺ سے والا تحقیق مل گیا ہم سے۔ اور
روایا میں نے فرمایا کیون رو تا ہی تو۔ کہا میں نے۔ لیکن قسم خدا کی
میں رو تا ہوں میں اپنی جان کے لیے لیکن رو تا ہوں میں
اور پر آپ کے ۛ

۱۴۶ میں تعجب سے دیکھتا ہوں کہ وہ دشمن خدا تین واحد تھا اور ہر
پیغمبر خدا اور حضرت ابو بکر و دو نفس تھے حضرت ابو بکر کے اپنے خزن کا
کہ جس کی وجہ سے وہ رو دیے کیا باوجود تھا اور پھر اس کے میں نہیں
پاتا ہوں کہ حضرت ابو بکر کے نزدیک بمقابلہ اس ایک دشمن خدا کے

اس روایت معتبر سے یہ نتیجہ بخوبی نکلتا ہے کہ صحت
حضرت ابوبکر کا وجود اور عدم مساوی درجہ رکھنے والا تھا
اور حضرت ابوبکر کو اپنی جان کا کوئی خوف نہیں تھا جو کچھ جن
انہوں نے ظاہر کیا وہ پیغمبر کی جان کی بابت ظاہر کیا مگر
پیغمبر کی جان کے ساتھ ایک اور جان قربان ہونے
کو تیار تھی اُس شخص کی کہ جو بجائے جناب پیغمبر خدا صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواہگا جناب رسالت مآب پر
لیٹ رہا تھا اور وہ جان پیغمبر خدا جان پیغمبر خدا سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۶)

یہ دونوں کمزور تھے اور حضرت ابوبکر کو یقین ہو گیا تھا کہ پیغمبر کو وہ دشمن
خدا قتل کر ڈالے گا اور حضرت ابوبکر جانتے تھے کہ میں اُس دشمن خدا
کا مقابلہ نہیں کروں گا اور وہ مجھ کو قتل نہیں کریگا۔ انسان علیٰ نفسہ
بصیوۃ اللہ اور نہ پیغمبر کو حضرت ابوبکر اس قابل نہیں جانتے تھے کہ وہ
مقابلہ اُس دشمن کے عمدہ برآ ہو سکے۔ اگر اُس موقع پر وہ نفس کہ جس
تہا پر خدا بگاہ پیغمبر میں گروہ کثیر کفار کا حملہ ہوا اور جس نے ان کا مقابلہ
کیا اور جس کو خدا نے اُن کے پیغمبر سے محفوظ رکھا موجود ہوتا تو حضرت
ابوبکر کو پیغمبر کے قتل ہو جانیکا یقین نہوتا۔ ایڈیٹر

خطرناک حالت میں تھی۔ انہیں دونوں جانوں کے خطرہ سے محفوظ رہنے کے لیے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ کلمہ فرمایا ہے کہ اللہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ یعنی ہم دونوں کا کہ جو حالت خطرہ میں ہیں مدد اور معاون ہے۔ ان اللہ معنا۔ میں نہ حضرت ابوبکر داخل ہیں اور نہ اُس سے اُن کو کوئی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے۔

آیت فار میں حضرت ابوبکر کا نام نہیں ہے صرف اُیّا سے ہر فرقہ نے یہ قبول کیا ہے کہ فار میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر تھے۔ جس سے کوئی فضیلت حضرت ابوبکر کی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شان میں جس قدر آیات نازل ہوئے ہیں جن سے اُن کی فضیلت قابلِ امانت پیدا ہے اور گو اُن آیات میں نام نامی جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا مذکور نہیں ہوا لیکن اکثر حصہ اُن آیات پر اہل سنت کا بموجب روایات اور احادیث کے یقین ہے کہ وہ شان میں جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی نازل ہوئی ہیں۔

مصنف پر اصل متن میں جو نتیجہ نکالتے ہیں کہ آیت کی تفسیر میں لفظ (فی علی) کے بڑبانے سے مقصود آیت بدل دیا اس لئے کافرون سے خطاب کیا تھا اور وہ معارضہ سلما لون سے ہو گیا، اس حقیقت پر غور کے بعد جو ہم نے اُسی جگہ دکھائی ہے ہر کوئی جان سکتا ہے کہ وہ نتیجہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

اُس آیت میں (فی علی) کا لفظ بڑبانے سے (جو تفسیر بیان کیا گیا ہے) یا اُس معنی میں اُس آیت کی تفسیر کرنے سے اصل مقصود اُس آیت کا (جس کا کہ اس جگہ مصنف اُس لفظ کو تفسیر قبول کرتے ہیں) کچھ ہی بدلتا نہیں بلکہ اُس تفسیر سے مقصود آیت میں جو اچھا تھا اُس کی تشریح ہوتی ہے۔ بے شک اس لئے قرآن کی ہر ہر آیت میں فصاحت کا معجزہ رکھا تھا اور ہر ہر آیت کا معارضہ کافرون سے طلب کیا تھا (اُس پند و نصائح کا جو ہر ہر آیت میں مذکور ہے) لیکن کافرون میں وہ سب لوگ شامل ہیں کہ جو کھل ماحا ربہ النبی سے منکر ہوں یا اُس کے کسی جز سے۔

مصنف مقصود آیت کو پیش خود فرض کیے ہوئے ہیں اسی سبب سے وہ سمجھتے ہیں کہ تفسیر اُس آیت سے مقصود تبدیل ہوتا ہے مگر جب اُس آیت کے اجمال کو تفصیل کے ساتھ دیکھا جائے تو کچھ مقصود میں تبدیلی لازم نہیں آتی ہے جیسے کسی مشخّص بیان سے کسی قول مطلق کی تشریح کی جائے۔

امام علیہ السلام کی تفسیر کی جو حالت ہم نے دکھائی ہے جو اُس سے علائقہ نظر ہے جو کہ قرآن کی فصاحت کا معجزہ اور معارضۂ انہیں آیاتوں سے ہرگز مختص نہیں ہو گیا ہو علی کے باب میں نازل ہوئی ہیں اور نہ خدا مام علیہ السلام کی تفسیر میں کوئی لفظ ایسا ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ امام علیہ السلام نے ایسا فرمایا ہے کہ قرآن کی فصاحت کا معجزہ اور معارضۂ انہیں آیات سے مختص ہے جو علی کے باب میں نازل ہوئی ہیں۔ مصنف تفسیر امام علیہ السلام کو بدناما دیکھانے کے لیے اُسکی حدیث غلط تعبیر کر کے جو نتیجہ تحریف کا پیدا کرتے ہیں وہ حقیقت تفسیر امام علیہ السلام کو تحریف کرتے ہیں جس سے اُلگو شرم کرنی چاہیے۔

پھر مصنف نے اعتراض کے لیے یہ زنا بیت پسند کی

ہی جو بموجب تفسیر امام کے نص صریح امامت علیؑ مرتضیٰ کے لیے ہے۔

وَعَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ نَزَلَ جِبْرِيلُ

عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ بِهَذِهِ الْآيَةِ هَكَذَا يَا أَيُّهَا

الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا الْكُتُبَ آمِنُوا

بِمَا نَزَلْنَا (فِي عَلَى نَوْمًا جَبِينًا)

لاؤ تم ساتھ اس چیز کے کہ نازل کیا ہم نے (حق علیؑ میں کہ روشن اور ظاہر ہو)

قرآن موجودہ میں ”بما نزلنا“ کے بعد یہ الفاظ ہیں ”مصدقاً

لما علم“ یعنی اسی اہل کتاب ایمان لاء ساتھ اس چیز کے

کہ نازل کیا ہم نے درحالیکہ تصدیق کرنے والا ہو واسطے اس

چیز کے کہ ہمراہ تھارے ہو

طرز بیان روایت سے ظاہر ہے کہ ”نزلنا“ کی تفسیر میں امام

نے امر علیؑ کو کہ جو روشن و رظا ہر تھا بیان فرمایا ہے۔ مقصود امام

ن
 کا یہ نہیں ہے کہ وہ الفاظ تفسیری ہی داخل نزول میں حیثیت اقرار
 تھے بلکہ یہ مراد ہے کہ نزول قرآن امر علی کو ہی شامل ہے اور اہل کتاب کو کل قرآن کے ماننے کو حکم دیا گیا ہے جس میں
 جیسے توحید اور رسالت کا بیان ہے ویسے مسئلہ امامت کا۔
 کتب آسمانی جو قرآن سے مقدم نازل ہوئی ہیں ان میں
 بھی جیسے توحید اور رسالت کا بیان ہے ویسا ہی امامت کا ہے
 اور اسی واسطے اس آیت میں یہ ارشاد خداوندی ہے کہ اے
 اہل کتاب ایمان لاؤ تم ساتھ اُس چیز کے کہ نازل کی ہم نے
 (توحید رسالت امامت) درحالیکہ تصدیق کرنے والی ہو اُسے
 اُس چیز کے کہ جو ساتھ تمہارے ہے اور جس میں اس بات
 کا اشعار ہے کہ مکتب سابق میں ہی مسئلہ امامت بیان ہوا
 ہے اُس کی تصدیق قرآن سے ہوتی ہے۔ اور جس کو ہم جلد ثانی
 میں ایک موقع پر دکھا آئے ہیں۔

جس زمانہ میں کہ امام تھے یہ تفسیر فرمائی ہے اُس زمانہ میں
 بعد وفات رسول ﷺ اہل انبیاء امامت کے قرآن میں ہونے
 سے انکار شروع ہو گیا تھا اُس واسطے امام تھے نہ نزول لکھ کی
 تفسیر میں صرف مسئلہ امامت کا ذکر فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن

مسئلہ امامت کو شامل ہے۔ اور اس نفعیہ کا سرگزشتہ قضاوت میں
 ہو سکتا کہ فقط ان آیات پر ایمان لائے بغیر یہ کہ علیؑ کے
 باب میں ہیں جیسا کہ مصنف نے کیا ہے۔ ہر ایک ہر ایک کے لئے
 انکا وار د ہو سکتا ہے۔

پھر مصنف نے اس روایت کو، دوسرے نسخے کے لئے منتخب
 کیا ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام	ترجمہ: امام جعفر علیہ السلام
قال نزل جبرئیل بحدیث کا الا یہ	مستند روایت: جبرئیل علیہ السلام
علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ	فرمایا کہ اثناء نزول جبرئیل علیہ السلام
هكذا فبدل الذين ظلموا	آیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
(ال محمد حقهم قولا غير الذی	پر اس طرح۔ پھر میں نے دیا اُن
لهم فانزلنا علی الذین ظلموا	لوگوں نے کہ ظلم کیا اُنہوں نے
(ال محمد حقهم جزا من السماء	(آل محمد پر اُن کے حق میں) ایسا
بما كانوا یفسقون	قول کہ غیر اُس قول کے تاجو

اُن سے کہا گیا تھا پس اوتارا ہم نے اُن پر کہ جنہوں نے ظلم کیا
 (آل محمد کے حق کا) ناپاک کیلئے عذاب آسمان سے یہاں تک

کہتے وہ فسق کرتے۔

سننت یہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جب بنی اسرائیل کو حکم ہوا تھا کہ گناہوں سے مغفرت کی دعا مانگو جو ظالم تھے انہوں نے قول مغفرت کو بدل دیا۔
صنعت آئیہ سابقہ بھی لکھتے ہیں۔

وَاذْعَلْنَا اَدْخُلُوا هٰذَا
الْعَرَاءَ فَاَكَلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ
سِرًّا اَوْ اَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا
وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ
وَسَنُؤَيِّدُ الْخَاسِرِينَ

ترجمہ: اور جس وقت کہا ہم نے کہ داخل ہو اس بستی میں پس سرگھا ادا دخوا الباب سجداً جو کچھ چاہو تم سیر ہو کر اور داخل ہو دروازہ میں (بیت المقدس) سجدہ کرتے ہوے اور کہو تم حطہ (کہلہ استغفار) بخشیں گے ہم خطائیں تماری اور نزدیک ہو کہ زیادتی کینگے ہم نیکی کرنے والوں کو۔

پھر صنعت یہ اعراض کہتے ہیں کہ اس آیت میں قصہ بنی اسرائیل کا ہے اس میں ظلو ال محمد حقیم کا کہیں پتہ نہیں اور امام معصوم نے جو یہ الفاظ فرمائے ہیں اُسکو پہلی آیت سے کوئی ربط نہیں۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی

اُس وقت تک آلِ محمد کا حق کس نے چھینا تھا۔ نصِ امامت
 غدیر خم میں نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ
 کون لوگ تھے جنہوں نے محمدؐ کے زمانہ سے پہلے آلِ محمدؐ کا
 حق چھینا تھا۔ اور کیا چارہ ہے کہ ان لوگوں سے حضرت آدمؑ
 اور انبیاءؑ غیر اولیٰ العزم مراد ہوں جنہوں نے محمدؐ اور آلِ محمدؐ کی
 بابت عہد ترک کیا انہیں پر عذاب نازل ہوا ہوگا۔ (مسند
 اللہ منہا)۔

جس آیت کی تفسیر امامؑ سے روایت ہوئی ہو اُس آیت
 سے پہلے جو آیت قرآن موجودہ سے نقل کی گئی ہو اُس کی
 نسبت مصنف نے کوئی تحقیق نہیں دکھائی کہ وہ آیت
 اس آیت تفسیری سے مقدم نازل ہوئی ہو۔ نہ کوئی اس کی
 تحقیق ظاہر کی ہو کہ آیت نصِ امامت خم غدیر سے پہلے وہ
 آیت قصہ بنی اسرائیل میں نازل ہوئی ہو۔

شاید مصنف کا یہ ارادہ ہو کہ مثل قرآن کے اُنکا قول
 مانا جائے۔ مگر علماء شیعہ اور سنی اذروے تحقیق اس
 بات کے قائل ہیں کہ قرآن موجودہ بترتیب نزول جمع
 نہیں کیا گیا ہو۔ لیکن نزول ان آیتوں کا اگر مقصود مصنف

بدل ڈالا اور توبہ و استغفار کی پروا نہیں کی بلکہ فتح کے سبب سے مغرور و مرتکبر ہو گئے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی سے لکھا ہے کہ جب اُن کو تواضع اور استغفار کرنے کا حکم دیا گیا تھا تو انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی اور اس پر استغفار نہ کیا اور صاحب بیضاوی لکھتے ہیں کہ انہوں نے بدل دیا حکم توبہ اور استغفار کا جو انکو دیا گیا تھا دنیاوی چیزوں کے چاہنے سے جس کے وہ خواہشمند تھے۔

واضح ہو کہ آیت قصہ بنی اسرائیل سے ظاہر ہے کہ وہ دعائے مغفرت کلمہ (حطہ) تھا۔ اور بعض مفسرین نے لکھا ہو کہ اُس قوم بنی اسرائیل نے بجائے لفظ حطہ معنی مغفرت کے لفظ ہم صورت اُس کا بمعنی گندم سرخ کے استعمال کیا۔

چونکہ اس آیت میں یہ قصہ بنی اسرائیل نظیر بیان ہوا ہے اس واسطے امت پیغمبر آخر الزماں کے لیے دیکنا چاہیے کہ کون قول خدا کا بنزلہ حطہ کے ہے کہ جو باعث مغفرت امت کا ہو۔ اور جس کو کچھ لوگوں نے امت رسول میں بدل دیا ہو۔

شرح جامع صغیر معتمد کتاب اہل سنت میں یہ حدیث
پنجمی کی منقول ہے۔

عَلٰی بِأَبِ حَطَّةٍ مَنْ دَخَلَ تَرْجَمَهُ فِيَّ عَلَى أَبِ حَطَّةٍ هِيَ جَوْكُوئِي
فِيهَا كَانُ مَوْمِنًا وَمِنْ خَرَجَ دَاخِلٌ هُوَ كَا أُسْ مِیْنِ هُوَ كَا وَه
مِنْهَا كَانُ كَا فَرَا
اُس سے ہوگا کافر

شاریح کا یہ قول ہے کہ میں مراد اُس سے پیروی اور اطاعت
علیٰ کی ہے جس نے پیروی کی اُس کی وہ مومن ہوا اور جس نے
پیروی اُس کی نہ کی وہ کافر ہوا

اس بنا پر تفسیر ان آیات کی یہ ہوتی ہے جیسے عند حضرت
موسیٰ میں قوم بنی اسرائیل کے لیے قول "حَطَّةٌ" دعا مغفرت
تھی وہی ہے ہی قول "حَطَّةٌ" امت پنجمی آخر الزمان کے لیے
قبول امامت جناب علی مرتضیٰ کا تھا جس کی تبدیل کرنے سے
لوگوں نے حق آل محمد میں ظلم کیا۔ اور جیسے قول حطہ کو دعا
مغفرت بنی اسرائیل کے لیے تھی کچھ لوگوں نے بدل دیا ویسے
ہی امت رسول آخر الزمان میں کچھ لوگوں نے قول امامت
علیؑ کو بدل دیا اور وہ ظلم کرنے والے آل محمد پر حق آل محمد میں تھے

بموجب اُس حدیث پیغمبر کے جو کتاب معتد اہل سنت میں منقول ہے جو تفسیر ان آیات کی ہو سکتی ہے وہی تفسیر امام نے فرمائی ہے اور جس کا وہی نتیجہ ہوتا ہے کہ جو شایع جامع تفسیر نے بیان کیا ہے کہ پیروی اور اطاعت علی مرتضیٰ کی لازم ہے جس کسی نے اُس کو حسب تفسیر صاحب بیضاوی دنیاوی چیزوں کی غرض سے جس کے وہ خواہشمند تھے تبدیل کیا یعنی خود علی مرتضیٰ سے اتباع اپنی خلافت اور حکومت کا کرایا یا بجائے پیروی اور اطاعت علی مرتضیٰ کے دوسروں کی پیروی اور اطاعت کی وہ کافر ہوا اور جن لوگوں نے کہ علی مرتضیٰ کی امامت کو قبول کیا جو مثل قول حطہ کے باعث مغفرت ہے وہ مومن ہوا۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد کوئی اعتراض مصنف مخاطب کا تفسیر امام علیہ السلام پر وارد نہیں ہو سکتا ہے اُن آیات کی تفسیر میں پیغمبر اور امام علیہ السلام نے علی اور آل محمد کے حق کو بطور تیش کے ظاہر کر کے حالت حق علی اور آل محمد کو بیان فرمایا ہے جس سبب نہ ربط آیات میں کچھ فرق آتا ہے نہ تقدیم اور تاخیر نزول کسی آیت سے کوئی شبہ پیدا ہو سکتا ہے

۱۔ رقل حط کو جو باعث مغفرت تھا بنی اسرائیل میں جن جن کو
 ان کو نئے تبدیل کیا اور امت پیغمبر آخر الزماں میں جن جن
 کو نئے امت علی کو قبول نہ کر کے اور قوز امت
 کہ تبدیل کر کے حق آل محمد کا چین لیا وہ سب منوم ہو جائے
 ہوں۔

آیت کا مضمون بیشک یہ ہے کہ وہ امور قوم بنی اسرائیل
 میں واقع ہو چکے تھے لیکن علم الہی میں جس نے وہ آیت
 نظیر کے طور پر بھیجی تھی پیغمبر آخر الزماں کی امت میں ویسا ہی
 واقعہ ہونے والا تھا۔

اور پیغمبر نے جو مثال بتائی ہے اُس سے واضح ہوتا ہے کہ
 ہی امور بدلنے رقل حط کے اُنکی امت میں واقع ہونے والے
 ہیں اور زمانہ امام میں جنہوں نے وہ تفسیر فرمائی ہے امت
 پیغمبر آخر الزماں میں وہ امور واقع ہو چکے تھے۔

اُن امور کے واقع کرنے والوں سے خواہ امت موی
 میں خواہ امت پیغمبر آخر الزماں میں حضرت آدم علیہ السلام
 اور نبیائے غیر ادنیٰ العزم سے ہرگز مراد نہیں ہو سکتی جیسا کہ
 مصنف مخاطب نے ارادہ کیا ہے۔

کتاب شیعہ میں اس قسم کی روایتیں ہرگز نہیں ہیں جسے ثابت ہوتا ہو کہ اسمائے ائمہ تصریح قرآن کی آیتوں میں نازل ہوئے تھے جیسا کہ مصنف مخاطب لکھتے ہیں۔ لیکن خود آیات قرآن موجودہ میں مسئلہ امامت تصریح موجود ہی جیسا کہ جلد ثانی میں ثابت ہو چکا ہے۔

البتہ کتاب شیعہ میں ایسی روایتیں موجود ہیں کہ جس میں آیات کی تفسیر میں یہ بیان ہوا ہے کہ امامت حق ائمہ اہل بیت ہے اور اسمائے ائمہ ہی مذکور ہوئے ہیں۔ اور وہ قرآن کہ جس میں تفسیر مسئلہ امامت اور امامت حق اہل بیت کی بتائی ہوئی پیغمبر کی اور لکھی ہوئی بدستخط خاص علی مرتضیٰ کے تھی اور جس کی رو سے دیگر ائمہ اہل بیت تفسیر کرتے چلے آئے ہیں بیشک ائمہ کے پاس سینہ اور صندوق میں بند رہا جبکہ لوگوں نے اُس کو نہ لیا اور نہ اُس سے کچھ لینا چاہا۔

مگر یہ بیان مصنف مخاطب کا بالکل غلط ہے کہ یہ انھوں نے اپنے مخلصین شیعہ کو ہی ندیاں بنیں جو کوئی ائمہ اہل بیت کے پاس نخلوص نیت عقیدت مندی حاضر ہوتا تھا اُس کو

اُسی قرآن تفسیری سے دیتے تھے۔

اُن کی حالت مثل کعبہ کے تھی کہ جس کے پاس عقیدہ مند جاتے ہیں کعبہ کسی کے پاس نہیں جاتا جیسا کہ منشا ایک نشانِ پیغمبر کا ہے اور اوصیائے پیغمبر کا صرف یہ منصب ہوتا ہے کہ جو کوئی بہ طلبِ ہدایت اُن کے پاس حاضر ہو اُس کو تعلیم کریں اور دعوتِ اسلام منصبِ پیغمبر ہی جیسا کہ علی مرتضیٰ نے ایک موقع پر فرمایا ہے۔

البتہ اپنے دشمنوں سے ائمہ اہل بیت اپنے راز کو چھپاتے تھے۔ اور جسکی اُنکو ضرورت تھی۔

مصنف مخاطب نے اس جگہ اپنے بعض مضامین سنائی کا جلد اول سے اعادہ کیا ہے جس کی حقیقت ہم اُسی موقع پر ذکر کرتے ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے زرارہ کی حالت سمجھنے میں کچھ بھی غلطی نہیں ہوئی اُنہوں نے اُس کو پہلے ہی قابلِ ہدایت سمجھ لیا تھا اور آخر کار وہ ہدایت پا گیا۔ اور جس وقت کہ اُس نے اُس کتابِ علی سے انکار کیا تھا اُس وقت وہ اہلِ درجہ ہدایت یافتہ ہوئے پر نہیں پہنچا تھا اُس وقت اُس کی

حالت ایسی ہی تھی جیسی ہمارے مصنف مخاطب کی۔
 وہ درجہ کامل ہدایت پر نہ پہنچنے کی وجہ سے امام علیہ
 السلام سے جگڑا کرتا تھا اور امام علیہ السلام کے مباحثہ کو بغیر
 اطمینان کے قبول نہیں کرتا تھا۔ جیسے کہ اس زمانہ میں ہمارے
 مصنف مخاطب جو مخالفین ائمہ اہل بیت کے متبع ہیں۔ تبعات
 امام علیہ السلام سے جگڑا کرتے ہیں۔ دیکھیے کہ وہ مثل زرارہ
 کے اپنی ابتدائی حالت سے تبدیل ہو کر انتہائے حالت
 زرارہ میں داخل ہوتے ہیں یا اطمینان سے فائدہ نہ اٹھا کر
 مثل انہیں لوگوں کے رہتے ہیں کہ جن کی حالت مثل زرارہ
 کے نہیں ہوئی۔

جو لوگ کہ نیت ہدایت پانے کی رکھتے ہیں وہ مثل زرارہ
 کے اپنی حالت کو ضرور تبدیل کر سکتے ہیں لیکن جو لوگ کہ ائمہ
 اہل بیت سے نیت محض مخالفت کی رکھتے ہیں ان لوگوں
 سے سوا جگڑا کرنے کے اور کوئی توقع نہیں ہو سکتی۔

وہ قرآن ہر نفس کو اس حیثیت سے دیا جاسکتا تھا کہ
 جو کوئی کچھ ائمہ اہل بیت سے دریافت اور تحقیق کرنا چاہے
 اُس کو اُسی قرآن سے بتا دیں۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ہر کسی

مُنفس کو وہ قرآن حوالہ کیا جاتا البتہ حوالہ خلیفہ وقت کے ہو سکتا تھا تاکہ اُس کے ذریعہ سے وہ قرآن رائج اور شائع ہو چنانچہ علی مرتضیٰ نے عہد خلافت اول میں اُس قرآن کو پیش کیا تھا جو نہ لیا گیا اور جس کی بابت صاحب استیعاب وغیرہ علماء اہل سنت نے یہ رائے دی ہے کہ ”وہ ہم کو نہایت مفید ہوتا“

اور دیگر ائمہ اہل بیت کے ہم عہد جو خلفا رہے اُن کی حالتیں بقابلہ ائمہ اہل بیت کے جو کچھ رہی ہیں اُن کو ہر کوئی تاریخ دان جان سکتا ہے کہ ائمہ اہل بیت سے وہ قرآن رائج اور شائع کرنے کے لیے وہ خلفائے سکتے تھے اور نہ ائمہ اہل بیت اُس قرآن کو ضائع کرنے کے لیے اپنے ہم عہد خلفا کو دے سکتے تھے۔

گو کچھ عوام شیعوں کی کسی زمانہ میں ایسی حالت پائی جا (جیسا کہ ہر قوم اور ملک اور ہر مذہب کے لوگوں میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں بیان تک عہد پیغمبر میں ہر طرح کے مسلمان موجود تھے) کہ وہ اپنے بعض افعال میں صدق اور امانت اور وفائے دکھاتے ہوں۔ مگر مسئلہ امامت اور ولایت

ائمہ اہل بیت میں صدق اور امانت اور وفا ہر زمانہ میں تمام شیعوں سے ظاہر ہوتا رہا ہے۔ اور ائمہ اہل بیت اُس قرآن سے اُن کو ہر امر کے لیے ہدایت دیتے رہے ہیں۔ اور اگر مصنف مخاطب کے نزدیک شیعہ اُس قرآن کے لینے کے قابل نہیں تھے اور سنیوں میں وہ صفتیں مصنف مخاطب کے نزدیک مختص تھیں کہ جن کی وجہ سے وہ قرآن لیا جاسکتا تھا تو مصنف مخاطب اور اُن کے ہم خیال بتائیں کہ اُنہوں نے وہ قرآن علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہل بیت سے کیوں نہیں لیا؟۔

باوصف اس کے کہ فریقین کی روایتوں سے یہ ثابت ہو کہ ایک قرآن علی مرتضیٰ اور ائمہ اہل بیت کے پاس موجود تھا اور جس کو خود علی مرتضیٰ نے شروع زمانہ خلافت اول میں پیش کیا تھا۔

اسی ضمن بحث ابامست میں مصنف یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ صحابہ ائمہ کی یہ عادت تھی کہ اکثر مرتد ہو جایا کرتے تھے اور مجالس المؤمنین سے سند کے لیے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

۱۔ از حضرت امام زین العابدینؑ روایت کردہ اند کہ سیر
کہ تمام مردم بعد از قتل حسین مرتد شد نہالا پانچ کس ابو خالد کا
و یحییٰ بن ام الطویل و جبر بن مطیع و جابر بن عبد اللہ انصاری
و شبکہ کہ حرم محرم حضرت امام حسینؑ بود۔

مصنف اس روایت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ
۲۔ شہادت حسینؑ کے بعد جتنے شیعہ تھے سب مرتد ہو گئے
مگر پانچ آدمی جن میں شبکہ ایک بی بی بی تین اور یہ ثابت
ہو گیا کہ امام حسینؑ کی دوسری بیویوں کا بھی ایمان ثابت نہ
اور امام زین العابدینؑ کی ماں شہزبانو بی ان پانچ میں شامل
نہ رہیں۔ اور حضرت زینبؑ اور امام حسینؑ کی بیٹیاں اور
حضرت عباسؑ علمدار کی بیٹیاں اور اولاد اور حضرت امام
حسنؑ کی اولاد خصوصاً حضرت امام حسن مثنیٰ اور ان کی بہن جو
امام زین العابدینؑ کی بی بی تین کس فریق میں رہیں؟
کتاب مجالس المؤمنین ایک کتاب رجال ہے کہ حسینؑ
بعض روایات خاص غرض سے نقل کی گئی ہیں تاہم اس موقع
پر بقدر ضرورت اس قدر امو بیان کیے گئے ہیں کہ جس سے
کیفیت اور حقیقت اس روایت کی واضح ہو جاتی ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ مصنف نے۔ میں اس کا تو قائل نہیں
 ہو سکتا کہ انہوں نے منشا اور مراد اس حدیث کو نہیں سمجھا
 مگر یہ کہ سکتا ہوں کہ عہدِ اوہ مضامین ترک کر دیے ہیں کہ جن کے
 نگاہ پر نہ کرنے سے ان کو موقع بدنامی روایت کے دکھانے
 کا ان کے مذاق کے موافق مل سکے۔ پھر انہوں نے صرف
 اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جس قدر مضمون کہ نقل کیا ہو اُس
 کے بھی خلاف استدلال اور امرِ غیر تحقیقی کو نکتہ چینی میں
 شامل کرتے ہیں۔

محاسن المؤمنین کے مصنف یحییٰ بن ام الطویل کے ترجمہ
 میں اول یہ لکھتے ہیں کہ ”و کتاب خلاصہ از کشتی نقل نو“
 کہ او از حواری علی بن الحسین ست و فضل بن شاذان گفتہ
 کہ در اول زمان علی بن الحسین از مخلصان شیعہ بود الا پنج
 نفر کہ یکی از آنها یحییٰ بن الطویل بود۔ بعد اس کے وہ ”و کتاب“
 ہے کہ جس کو مصنف معترض نے نقل کیا ہے اور اُس کے
 بعد یہ مضمون ہے ”بعد از آن مردم از اطراف ملحق شدند“
 مصنف معترض نے جو روایت کہ نقل کی ہے اُس میں
 یہ تحریر ہے کہ ”تمام مردم بعد قتل حسین کے مرتد ہو گئے تھے“

اور اُس سے مصنف یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ۱۰ شہادت امام حسینؑ کے بعد جتنے شیعہ تھے وہ سب مرتد ہو گئے تھے ۱۱ جو صریح غلط ہے۔

روایت میں ہرگز یہ بیان نہیں ہے کہ ۱۰ شیعہ جتنے تھے مٹ ہو گئے تھے ۱۱ بلکہ یہ بیان ہے کہ ۱۰ بعد شہادت حسینؑ کے لوگ مرتد ہو گئے ۱۲ اور وہ حالت باعتبار عرت عام اور محاورہ بول چال کے جو واقعہ زمانہ پر منطبق ہوتی ہے بالکل صحیح ہے۔ اور اس اعتبار سے بدشک یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۱۰ بعد شہادت امام حسینؑ کے جس قدر کہ مسلمان تھے وہ مرتد ہو گئے تھے ۱۱ اور یہ بیان بنظر اُس حالت زمانہ کے ہے کہ جس میں حقیقت تمام مخلوق حامی یزید کی ہو کر اُس کی شیع ہو گئی تھی اور وہ لوگ وہی تھے کہ جو خلافت خلفائے ثلاثہ اور حضرت معاؓ اور حضرت یزید کو یا اُن میں سے بعض کو کہ بعض نتیجہ بعض کا تھا صحیح قبول کرتے تھے اور انہیں میں سے امامؑ نے اُن پانچ شخصوں کو کہ جن کا ذکر اس روایت میں ہے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

بنی فاطمہؑ کے جو لوگ شیع تھے اور بعد پیغمبرؐ کے جناب

علی مرتضیٰ اور حضرات حسنین علیہم السلام کو امام برحق اور مستحق خلافت جانتے تھے عموماً اور خصوصاً جو لوگ اولاد کو روایات علی اور فاطمہ علیہم السلام تھے اور جو ازواج اُن کی اولاد کو رکھتی تھیں اور وہ اُسی مذہب حق پر تھیں اور اُس خاندان سے ملازمت رکھتی تھیں اس روایت میں اُنکی طرف درحقیقت روئے سخن ہی نہیں ہے اور اسی وجہ سے اُن مخلصان شیعہ اور امام حسینؑ کی دوسری بیبیوں کے اور حضرت زینبؑ اور حضرت امام حسینؑ کے بیٹوں اور حضرت عباسؑ علمدار کی بی بی کے جو دختر حضرت عقیل حقیقی برادر علی مرتضیٰؑ کی تھیں اور اُنکی اولاد اور حضرت امام حسنؑ کی اولاد اور حسن ثنیٰ اور اُنکی بہن کے جو زوجہ امام زین العابدینؑ کی تھیں ذکر کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

اور شہر بانودالدہ حضرت امام زین العابدینؑ کی شہادت امام حسینؑ سے بہت پہلے حضرت امام زین العابدینؑ کو بچہ چھوڑ کر وفات پا چکی تھیں اس وجہ سے اُنکے ذکر کا موقع ہی نہیں تھا اور یہ لوگ فریق غیر ضروری الذکر میں رہے۔

اس روایت میں جو ابتداء کے ارتداد لوگوں کا بیان ہے وہ حالت شروع زمانہ امام زین العابدینؑ کی ہی جیسا کہ روایت فضل

جن شاذان میں مذکور ہے اور بعد اسی روایت کے کہ جو مصنف نجاشی نے نقل کی ہوں صاف لکھا گیا ہے کہ پھر مردم اطراف سے ملتی ہو گئی اور انکی شرکت ہو گئی۔

ایسی حالت میں جبکہ لوگ غیر ضروری الذکر ہی موجود تھے اور اول زمان امام زین العابدینؑ میں خلافت مرتد سے پانچ شخص سستی ہی تھے اور بعد اُس کے لوگ اطراف سے بکثرت ان کے ساتھ ہو گئے تو یہ اعتراض جو مصنف بعد تمہید کے کرتے ہیں کہ عقائد مذہب شیعہ اور نص امامت کا تو اثر کیونکر ثابت ہو برقرار نہیں رہ سکتا۔

مصنف یہ شبہ بھی کرتے ہیں کہ اُس زمانہ میں فقط امام زین العابدینؑ اور چار مرد اُن کے ہاں میں ہاں ملانے والے تھے اور یہ سب کے سب نقاب تقیہ میں روپوش فقط ایک امام زین العابدینؑ علیہ السلام اپنے منہ سے اپنا اور اپنے اصول و فروع کا امام معصوم مفترض الطاعت ہونا بیان کرتے ہوئے اور یہ چاروں مرد آئنا و صدقنا کہنے والے ہوئے پھر رسولؐ تک اس مذہب کی نقل و اتار ہو چنے کا کیا سلسلہ ہے اگر حقیقت اس روایت کے دکھانے میں جو حالت زمانہ

کی ظاہر ہوتی ہے اور خود اُس روایت کے متعلق جو اُسی زمانہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اُس سے وہ شبہ مصنف مخاطب کا رفع ہوتا ہے لیکن ایک نظیر خود پیغمبر کی اور اُنکے ابتداء زمانہ کی ہم اور پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ حالت علی ابن الحسین کی قدم بقدم حالت اُنکے جد رسول کی تھی اور جبر سے امید ہے کہ مصنف مخاطب اور اُن کے ہم خیالوں کی تشفی ہو جائے۔

بعد شہادت حضرت امام حسینؑ کے کہ جو امام زمانہ تھے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نسل پیغمبرؐ میں امام زمانہ کی اولاد ذکر میں اکیلے رہ گئے تھے کہ جب کو عقلاً اور نقلاً نصب امامت ہدایت مخلوق کے لیے پہنچاتا تھا۔ وہ اپنے عہد میں ویسے ہی تنہا تھے جیسے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ شروع اجراءے کار منصب رسالت میں اور گو وقت اجراءے کار منصب پیغمبری کے حضرت ابوطالب ملت ابراہیم پر تھے اور علی مرتضیٰؑ نے تعلیم اور تربیت اُسی ملت پر پائی اور جیسے کہ پیغمبر اس دین کو شروع کرتے گئے علی مرتضیٰؑ اُس کو قبول کرتے گئے لیکن زمانہ جہالت سے زمانہ علم میں بحیثیت

اسلام کے سب سے پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰ نے قدم رکھا اور
 اور بعد اُنکے چند سال کے چند لوگ مسلمان ہوئے۔ اور چند
 سال تک پیغمبر دین اسلام کی مخفیہ طور پر تلقین کرتے رہے اور
 بعد ایک مدت کے اُنہوں نے باعلان دعوت اسلام کی۔
 یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے کہ جو اعلیٰ درجہ کے حسن تدبیر پر مبنی ہے
 کہ دفعہ پہلے پر اُس امر کا اثر نہیں پڑتا ہے جس امر کو پہلے
 پرائیویٹ طور پر بطور خفیہ بیان کر کے کچھ خاص لوگوں کو اپنا
 طرفدار نہ کر لیا جائے۔

تو آیا اُس زمانہ ابتدا سے تبلیغ و رسالت پیغمبر میں فقط پیغمبر
 اور تین چار مرد انکی ہاں میں ہاں ملانے والے تھے یا کچھ اور
 اور یہ سب کے سب نقابِ تقیہ میں روپوش تھے یا کچھ اور
 اور فقط رسول اپنے مُنہ سے اپنا رسول ہونا اور اپنا معصوم
 مفترض الطاعت ہونا اور اپنے دین کے اصول اور فروع
 کا بیان کرتے ہوئے اور وہ تین چار مرد آمنا و صدقاً کہنے
 والے ہونگے یا کچھ اور اور پھر رسول تک یا خدا تک اس مذہب
 کی نقل متواتر پہنچنے کی کیا صورت ہے۔ ۹۔
 اور اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبر آخر الزمان سے پہلے اور رسول

نبی آئے تھے یا پیغمبر آخر الزماں نے ابتدا سے زمانہ مضیقین کے بعد دین اسلام کو باعلان جاری کیا تو یہی حالت بعینہ حضرت امام زین العابدینؑ کی ہے کہ ان سے پہلے بعد بنی علی بالاتصال کے بعد دیگرے امام ہوتے چلے آئے بلکہ پیغمبر آخر الزماں سے قبل ایسے زمانہ گزر گئے ہیں کہ درمیان دو بیبیوں کے مدت مدید گزر گئی ہے جس کو زمانہ فترت کہتے ہیں اور حضرت امام زین العابدینؑ کو بعد اپنے زمانہ ابتدائی کے علانیہ دین اپنے آبا سے طاہرین کے اجراء کا اُس وقت موقع ملا ہے کہ جب ان کے دو استدراطلب خون حسین علیہ السلام میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور جن جن کر ان کے دشمنوں کو تہ تیغ کیا ہے اور بعد امام زین العابدینؑ علیہ السلام کے ان کی نسل سے آئے ایسے گزرے ہیں کہ جنگو موقع شیوع اور رواج دین اپنے آبا سے طاہرین کا اچھی طرح سے ملا ہے گو امر خلافت کے متعلق مخالفت نے اپنی کروٹ نہ بدلی ہو (یاد کرو عہد حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ اور حضرت امام علی رضا علیہم السلام کا)۔

پیغمبر کے عہد میں نہ قابله کفر اور شرک کے جیسے فریب

اسلام رائج ہو گیا ویسے ہی عہدائے اہلبیت میں اُن کے ذریعہ سے بحیثیت تواتر کہ جو رسولؐ تک پہنچتا ہو دین اسلام بہ نوعیت مذہب شیعہ کے بمقابلہ دیگر مذاہب مسلمانوں کے رواج پا گیا کہ جن شیعوں سے روئے زمین کا کوئی حصہ یا خطہ خالی نہیں ہوا اور جس کی کسی قدر تفصیل رسالہ روشنی جلد اول میں ایک موقع پر لکھ آئے ہیں۔

اور حال میں ہلکویہ تحقیق ہو گیا ہے کہ ملک چین میں پونے دو کروڑ مسلمان مذہب شیعہ آباد ہیں جن میں سے کچھ بعض حصہ ملک چین کے بطور والی ملک اور رئیس خود مختار تحت حکومت فغور چین کے ہیں۔

البتہ اُن پونے دو کروڑ میں سے سترہ لاکھ وہ لوگ ہیں کہ جو افتقاد علیؑ کا رکھتے ہیں اور جن کا یہ اعتقاد ہے کہ ذات اسد نے جسم میں علیؑ کے حلول کر کے پیغمبرؐ کی نصرت کی اور سوا اس کے خدا کی توحید اور رسولؐ کی رسالت اور علیؑ مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی امامت کے ایسے ہی نہیں ہیں جیسے شیعہ۔

مگر مسلمانوں کے کسی اور فرقہ کا وہاں نام و نشان

نہیں ہے۔

مصنف نے حضرت امام زین العابدین ؑ کی نسبت ایسے
کلمات استعمال کیے ہیں کہ جس میں خضنگیر یا یہ سوسے ادب کا ہی
ادب ہم نے ہی انہیں کلمات کو اپنے بیان میں لوٹایا ہے۔ اگر
مصنف سے کوئی گناہ ہوا ہے تو چار گناہ ہی انہیں پروردہ ہو گا
کہ ہم نے وہ کلمات اُن کے اُن پروردے ہیں (استغفر اللہ
ربی واتوب الیہ)۔

حضرت امام زین العابدین ؑ اور اُن کے اصحاب کی نسبت
زبان طعن مصنف کھول چکنے کے بعد ہشام اور صاحب لفظ
اور دیگر اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف متوجہ
ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد اس امر پر اتفاق
کیا تھا کہ مذہب شیعہ کو ترک کر دو اور یہ مشورہ کرتے تھے
کہ کونسا مذہب اختیار کریں اور سب سے آخر میں خارجی ہونے
کا خیال کیا تھا اور اس کی سند کے لیے کتاب کافی کی ترقی
کا حوالہ دیا ہے۔

یہ وہی بات ہے کہ جس کا ذکر مصنف بحث نمبر ۲۵ - جلد
اول نصیحتہ الشیعہ میں کنوچکے ہیں صرف اس جگہ تازہ بناوٹ

یہ ہے کہ ہشام اور صاحب الطاق کے ساتھ دیگر اصحاب امام کو بھی شامل کیا ہے حالانکہ وہ روایت صرف ہشام اور صاحب الطاق سے متعلق ہے اور جیسے اُن پر تمت اور غلط بیان اُن ترک کرنے مذہب شیعہ اور خارجی ہو جانے کا اعادہ کرتے ہیں ویسے ہی دیگر اصحاب کو بھی اپنی تمت اور غلط بیانی میں شامل کر لیا ہے۔

ہم اُسی موقع پر کیفیت اس روایت کی دکھا آئیے مگر کہ ہشام اور صاحب الطاق بعد وفات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے تلاش امام برحق میں متحیر تھے اور اُنہوں نے اُس عالم حیرت میں جو درحقیقت خدا سے استعانت تھے امام میں چاہی ہے اُس وقت اُنہوں نے اپنی التجا پر زور دیا ہے کہ کیا ہم اُن مذاہب پر ہو جائیں جن کو کہ وہ باطل جانتے تھے۔ اور یقین کرتے تھے کہ خدا ایسا نہیں چاہ سکتا اور موصل الی المطلوب کرے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ تمام امور طرز مضمون روایت سے ظاہر ہوتے ہیں۔

پھر مصنف یہ کہتے ہیں کہ ۱۲۱ھ اپنے اصحاب کو ہمیشہ جو

وعدون میں بہلا بہلا کر روکا کرتے تھے ورنہ وہ تو ہر وقت مرتد ہو جانے کو تیار تھے۔“

اور اپنے اس دعویٰ کی سند کے لیے ایک روایت کیا۔
کافی سے نقل کرتے ہیں جس میں یقظین اور اُسکے بیٹے علی سے گفتگو ہوئی ہے اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ یقظین خلفاء عباسیہ کا طرفدار تھا اور اپنے کو اسی فرقہ میں شامل کرتا تھا اور اس کا بیٹا علی بن یقظین مخلصین شیعہ اور اصحاب ائمہ سے تھا علی بن یقظین نے کہا کہ ائمہ شیعہ کے خوش کرنے کو اُن سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ تمہاری کامیابی کا وقت قریب ہے اگر ایسا نہ کریں تو سب مرتد ہو جائیں گے۔ وہ روایت علی بن یقظین سے مع ترجمہ مصنف یہ ہے۔

۲۲ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مجھے فرمایا تھا کہ شیعہ شاکم ہونگے اپنی آرزوؤں میں سنہ دوسرے یقظین نے اپنے بیٹے علی بن یقظین سے کہا کہ یہ کیا وجہ ہے کہ جو ہمارے بیٹے

قال لی ابو الحسن علیہ السلام
الشیعة قریب بالامانی منذ
ما ثقی سنة قال یقظین
لابنہ علی بن یقظین طاب لنا
قبل لنا فکان وقیل لکم فلم یکن
فقال له علی ان الذی کلن

من مخرج واحد غلوان امرکم
 حضروا عطیتم حصنة فکان
 کما قیل وان امرنا لم یحضر
 فعللنا بالامانی فلو قیل لنا
 ان هذا الامر لا یكون الا الی
 مائتی سنة او ثلثمائة سنة
 لقست القلوب ولوجج عامة
 الناس هن الاسلام ولكن قالوا
 ما اسرع وما اقرب تالفا
 لقلوب الناس وتقریبالفرح
 ہو اور بیشک ہمارے کام کا وقت نہیں ہی تو ہو گا بلکہ آرزو یوں
 میں اگر ہرے کہا جاتا کہ یہ امر (یعنی خروج مہدی) اور کامیابی شیعہ
 نہ ہو گا مگر دو سو برس تک یا تین سو برس تک تو اللہ سخت
 ہو جاتے دل اور پھر جاتے اسلام سے سب لوگ۔ اور لیکن
 ائمہ نے کہہ دیا کہ بہت جلد ہی وہ وقت اور بہت قریب ہی وہ وقت
 لوگوں کی تالیف قلوب کے لیے اور خوشی قریب بتا دینے
 کے لیے ۛ

انیرمین مصنف یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ۲۲ ائمہ مصلحہ جھوٹی خوشخبر بیان سنا سنا کر اپنے اصحاب کو بلایا کرتے تھے اگر ائمہ ایسا نہ کرتے تو لوگ دین اسلام سے بھی بچھڑ جاتے۔
افسوس ہو کہ مصنف نے منشاء روایت کو تغیر کیا ہو اور اسی خیال سے کچھ الفاظ روایت کا ترجمہ برعایت اپنے مذاق کے جمایا ہو جس کی کیفیت اُس وقت ظاہر ہو جائیگی کہ جب بنظر منشاء روایت کے ہم حقیقت اُس کی ظاہر کریں گے۔

اس روایت ارشاد امام علیہ السلام صرف اس قدر ہے ۲۲ الشیعة ترویج بالامانی منذ مائت سنة جس کا ترجمہ مصنف نے یہ کیا ہے کہ ۲۲ شیعہ شاد کام ہونگے اپنی آرزوؤں میں سند و دستور سے۔

ارشاد امام مین جو لفظ ۲۲ ترویج سے منقول ہوا ہے اُس کی شان کتابت تین احتمال رکھتی کہ حرف تیسرا اُس کلمہ کا حرف یا ہر یا فار یا نون یعنی تربی یا ترفی یا ترفی۔ بحالت ترویج ہونے کے معنی یہ ہونگے۔ شیعہ نشو و نما اور پرورش پاتے ہیں تمنا آرزوؤں کے دو سو برس سے اور بحالت ترفی ہونے کے

یہ معنی ہونگے کہ شیعہ خوشحال اور ساز و دار رہتے ہیں دو سو برس سے اپنی آرزوؤں میں۔ اور بحالت ترقی ہونے کے یہ معنی ہونگے کہ شیعہ پیوستہ نگران رہتے ہیں ساتھ اپنی آرزوؤں کے دو سو برس سے۔

ملاقزوینی نے اپنی شرح میں اس کلمہ کو ۷۷ بالنون ۷۷ لیا کیا ہے اور میں بھی جہاں تک خیال کرتا ہوں وہ کلمہ بالنون صیغہ مضارع کا ہے اور اس حالت میں امام کے ارشاد کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ۷۷ شیعہ ساتھ اپنی آرزوؤں کے نگران دو سو برس سے چلے آتے ہیں۔

ارشاد امام علیہ السلام میں جو لفظ ۷۷ صنف ۷۷ آیا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام نے زمانہ گذشتہ اور حال کی خبر دی ہے اس لیے کہ یہ لفظ متعلق زمانہ ماضی اور حال کے زبان عرب میں آتا ہے لہذا ارشاد امام علیہ السلام کا متعلق زمانہ مستقبل سے نہیں ہو سکتا جیسا کہ مصنف معترض نے نکتہ چینی کے لیے قرار دیا ہے اور جب ارشاد امام کا خبر آئندہ سے متعلق نہیں ہو سکتا تو یہ اعتراض مصنف کا کہ ۷۷ اسے اپنے اصحاب کو جو بڑے وعدہ نہیں بہلا بہلا کر روکا کرتے تھے ورنہ وہ تو

ہر وقت مرتد ہو جائیگا تیار تھے بالکل غلط ہے۔

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وقت و فوات پیغمبر سے
شیعوں کی برابر آرزو رہی کہ بوجہ امامت کے خلافت علی مرتضیٰ
اور دیگر ائمہ اہلبیت کے ہاتھ میں ہو اور اسی آرزو کے
پورا ہونے کا اُن کو انتظار تھا جس کو آخر زمانہ امام موسیٰ کاظم
علیہ السلام میں دوسو برس کے قریب گزر چکے تھے ایسی
حالت میں جو امام علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں شیعہ اپنی آرزوؤں
کے ساتھ دوسو برس سے نگران چلے آتے ہیں تو کون امر
اس میں جھوٹ ہے اور کون اعتراض مصنف کا اُس پر وارد
ہو سکتا ہے۔

اب میں یہ بھی کتا ہوں کہ جو کلمہ محمل متعدد لغت کا بسبب
کتابت کے کلام امام میں سمجھا جاتا ہے وہ کلمہ کسی لغت اور کسی
معنی میں سمجھا جائے گا ہو اُس کو یون سمجھو کہ میں شیعہ نگران چلے
آتے ہیں میں خواہ یون سمجھو کہ میں شیعہ نشوونما اور پرورش پاتے
ہیں میں خواہ یون سمجھو کہ میں خوشحال اور سازوار چلے آتے ہیں
ساتھ اپنی آرزوؤں کے دوسو برس سے کسی معنی میں ارشاد
امام علیہ السلام کی نسبت کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

باقی رہا بیان علی بن یقین کا جو انہوں نے اپنے باپ کے جواب میں کہا ہے اس بیان میں بھی کوئی امر ایسا نہیں ہے کہ جو قابل اعتراض کے ہو وہ بیان نہایت سچائی سے صاف صاف ہے۔

مگر مصنف نے ایک جگہ ترجمہ میں خط ہلائی کر کے جو ظاہر کیا ہے کہ ۱۱ (خروج مہدی اور کامیابی شیعہ) ۱۲ تو لفظ خروج مہدی کی تشریح بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس روایت میں مہدی امام مہدی کے ذکر کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور مصنف نے جیسے کہ یہ شرح غلط کی ہے ویسے ہی ترجمہ میں یہ الفاظ صحیح نہیں ہیں ۱۳ (ہکو بہلایا گیا آرزو دن میں ۱۴) یہ ترجمہ کیا ہے ۱۵ فعلنا بالامانی ۱۶ کا۔ ایمین فعلنا کا ترجمہ بہلایا گیا ۱۷ کیا ہے بجائے اس کے یہ ترجمہ ہونا چاہیے تھا کہ ۱۸ (ہکو امیدوار رکھا گیا آرزو دن میں ۱۹ یا ہکو تسلی اور تشفی اور اطمینان دلایا گیا آرزو دن میں ۲۰ اس لیے کہ تعلیل کے معنی مشغول کرنا کسی طعام میں اور مانند اس کے اور علل کے معنی پلانا شربت بعد شربت کے ہے۔

اور ۲۱ تقریباً للفرج ۲۲ کا جو یہ ترجمہ کیا گیا ہے ۲۳ اور خوشی

قریب بتا دینے کے لیے "وہ صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ
 ۲۲ از روے تقریب خوشی کے " حاصل کلام علی ابن یقظین
 کا یہ ہے کہ ہمارے اور تمہارے لیے جو کچھ کہا گیا ہے اس کا
 مخرج ایک ہی ہے چونکہ تمہارا امر موجود ہے تمہارے لیے جو کچھ کہا جاتا
 ہے وہ اُسی وقت ظاہر ہو جاتا ہے اور ہمارا امر حاضر نہیں ہے
 ہم اپنی آرزوؤں کے ساتھ نگران یا خوشحال یا پرورش پائے
 بستے ہیں اگر ہمارے لیے یہ کہا جاتا کہ یہ امر دو سو یا تین سو
 برس میں ہو گا تو ہر آنہ سخت ہو جاتے دل ہمارے اور
 پھر جاتے عام لوگ اسلام سے۔ لیکن کہا گیا از روکنا لیت
 قلوب لوگوں کے اور بہ تقریب خوشی کے کہ بہت جلد آتا ہے
 وہ وقت اور نزدیک ہے۔

جب اس صحیح ترجمہ کے ساتھ مراد بیان علی ابن یقظین
 کی سمجھی جائیگی تو اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی اور منشاء
 بیان علی ابن یقظین کا جو تغیر کر کے مصنف نے دکھایا ہے وہ
 تغیر برقرار نہیں رہ سکتا۔

علی بن یقظین کے کلام سے جو یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ
 جو امر دو سو تین سو برس کے بعد ہونے والا تھا اس کو قریب

آنے والا بیان کیا گیا ایسا امر مبنی مصلحت پر ہوتا ہے اور جس کو جھوٹ نہیں کہا جاسکتا قرآن میں خدا نے قیامت کو جا بجا فرمایا ہے کہ ”جلد آنے والی ہے“ لیکن اب تک کہ تیرہ سو برس ہو گئے نہیں آئی تو کیا یہ ججا جاسکتا ہے کہ خدا نے دیر میں آتیوالی چیز کو جو جلد آنے والا بیان کیا وہ جھوٹ ہے؟

نہیں علم الہی میں یا جن لوگوں کا علم ماخوذ ہے علم الہی سے اُنکے نزدیک وہ زمانہ کہ جس کو لوگ بعید سمجھتے ہیں نزدیک ہوتا ہے۔ اور بعض موقع پر مصلحت یہ بھی ہوتی ہے کہ جو زمانہ عام لوگوں کے نزدیک بعید ہو اُسکو خدا یا خاص بندگان خدا قریب ظاہر کریں ائمہ کا اسی علم الہی سے تھا جو قرآن میں ہے۔ خدا نے لوگوں کو خوف دلانے کے لیے کہ ایمان لے آئیں یا ایمان پر قائم رہیں قیامت کا آنا قریب بیان فرمایا حالانکہ مخلوق کے نزدیک اُسکا زمانہ بہت دور ہے۔

ائمہ نے بتقلید اُسی مصلحت کے کہ لوگ رحمت خدا سے ناامید نہ ہو جائیں شیعوں کی آرزو پوری ہونے کے زمانہ کو قریب فرمایا ہے کہ جو دو سو تین سو برس کے بعد ہونے والا تھا اور وہ بھی عوام الناس کے لیے نہ کہ خاص لوگوں کے لیے

اور انہیں عوام الناس کے لیے علی بن یقطین نے یہ ظاہر کیا ہے
 کہ یہ ان کے دل سخت ہو جاتے اور وہ اسلام سے پھر جلتے۔
 مصنف جو اس بیان کا انطباق کل شیعوں پر کرتے ہیں یہ
 خلاف منشاء اس بیان کے ہے۔ ائمہ جو تالیف قلوب عوام الناس
 کی کرتے رہے اور انکو اسیدین دلاتے رہے یہ وہی طریقہ تاجر
 پر ان کے جد رسول چلتے رہے ہیں اور ابنین کے قدم بقدم
 ائمہ چلے ہیں اور پیغمبر نے جو طریقہ تالیف قلوب اور امید دلانے
 کا اختیار فرمایا تھا وہ ایسا طریقہ ہی کہ جس کا ذکر قرآن شریف
 میں موجود ہے۔

آیت

وَعَدَ كَرَّ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرًا ۖ
 تَأْخُذُ وَهُمْ ۖ

ترجمہ ۷ وعدہ کیا ہے تمکو خدا نے
 (اے امت محمدیہ) غنیمتوں بہت

کا لو گے تم انکو

آیت

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا ۖ
 انْطَلَقْنَا إِلَى مَغَازِمِنَا تَأْخُذُهَا ۖ

ترجمہ ۸ قریب ہی کہ کہیں چھپے رہ جائے
 (اے جس وقت چلو تم غزوات غنیمتوں

۱۷ سورہ فتح رکوع ۱۱ اس پارہ ۲۶۔ ۱۸ سورہ فتح رکوع ۱۷

ذرونا فانتبعکم ۱ کے تاکہ لو تم اُنکو۔ چھوڑ دو تم

ہمکو کہ پیروی کریں ہم تمہاری ۲

آیت

۲۲ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَاةِ قُلُوبِهِمْ وَفِي الْقَوَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

ترجمہ ۲۲ سوائے اس کے نہیں ہو کہ صدقات واسطے فقرا کے ہیں اور مساکین کے اور عاملین کے حکام تحصیل کا کرنے والے کے اور واسطے مولفۃ القلوب کے وہ لوگ کہ اُلفت دیے گئے

دل اُنکے خواہ وہ ضعیف الاسلام ہوں خواہ ضعیف الایمان تھا وہ مطیع الاسلام ہوں اور ہنوز اسلام اُنہوں نے قبول نہ کیا ہوتا کہ ہر قسم کے لوگ دین اسلام سے اُلفت پکڑیں اور مسلمان کی مدد کریں اور واسطے چھوڑانے گردنوں کے (دواسطے آزاد سی غلاموں کے) اور واسطے قرضداروں کے اور واسطے صرف کرنے راہ خدا کے اور واسطے صرف سافروں کے فرض ہے خدا کی طرف سے اور اللہ جانتے والا اور حکمت والا ہے ۳

۱۱ پارہ دس رکوع ۱۳۔ سورۃ التوبہ۔

خدا نے جو اپنے آپ کو اسجگہ جاننے والا اور حکمت فرمایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولفۃ القلوب اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ جو ایک ہی برتاؤ فرض کیا گیا وہ امر خالی و نامانی اور حکمت سے نہیں ہے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا ہے کہ خدا اور اس کا رسول لوگوں سے وعدہ فتح اور غنیمت کرتا رہا اور امیدیں اُسکی دلاتا رہا اور پیغمبر نے یہاں تک کیا ہے کہ آئندہ کے لیے بھی خبر فتح و روم اور شام اور ایران کی دیکر لوگوں کو امیدیں دلائی تھیں اور خدا نے سنسرت اور جنت کے بھی وعدے کیے ہیں اور امیدیں دلائی ہیں۔ خدا اور رسول لوگوں سے جیسے وعدے ہمیشہ کرتے رہے اور امیدیں دلاتے رہے کہ جو خالی مصلحت سے نہ تھا ویسے ائمہ لوگوں کو مصلحتاً امیدیں دلاتے رہے اور جو مصلحتیں خدا اور رسول کے امید دلانے میں تھیں وہی مصلحتیں ائمہ کے امید دلانے میں تھیں خدا اور اس کا رسول خوشخبر بیان جو لوگوں کو سنایا کرتے تھے جیسے آپسز نکتہ چینی نہیں ہو سکتی ویسے ہی ائمہ کی خوشخبر بیان قابل نکتہ چینی کے نہیں ہو سکتیں۔

انسان کی فطرت یا عادت میں یہ امر داخل ہے کہ بغیر کسی امید

کے کوئی کام نہیں کرتا چنانچہ بعد وفات پیغمبر کے امر خلافت کے
 متعلق جو واقعات پیش آئے وہ اچھی طرح سے دکھاتے ہیں کہ خلفاء
 غیر اہلبیت رسالت اپنے مسلمان ہونے کے وقت امید خلافت
 رکھتے تھے اور سرانگے طمع خلافت سے خالی نہ تھے۔ اور انہیں
 وجہ سے ضرب المثل ہو گیا ہے کہ ”دنیا باسید قائم“

مصنف اس طریقہ ائمہ کی نسبت جو مطابق طریقہ خدا اور رسول
 کے تھا یہ کہتے ہیں کہ ”ائمہ کی یہ حکمت عملی جناب امیر کے وقت
 سے جاری تھی کہ شیعوں کو ارتداد سے روکنے کے لیے کہہ دیا کرتے
 تھے کہ مدعی بہت جلد آنے والے ہیں بلکہ اسکا وقت بھی مقرر
 کر دیا کرتے تھے چنانچہ سنہ ستر جناب امیر نے مقرر کیے تھے“
 اور اپنے دعویٰ کی سند کے لیے علامہ طوسی کی کتاب غیب سے
 ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

”عن ابی حمزہ الثمالی قال قلت لابی جعفر علیہ السلام
 ان علیا کان یقول الی سبعین
 بلایا وکان یقول بعد البلاء
 رخاء وقد مضت السبعون
 ترجمہ ”جو مصنف نے کیا ہے“
 ”ابی حمزہ ثمالی سے روایت ہے
 وہ کہتا ہے میں نے ابو جعفر علیہ السلام
 سے پوچھا کہ علی علیہ السلام فرماتے
 تھے کہ بلا کے بعد آسانی ہے اور

ولخرجہ“
 آسانی نہ دیکھی“

مصنف نے جہاں ترجمہ آہانی کا کیا ہے وہاں ششی کا ہونا
 چاہیے اور واضح ہو کہ ملا فزونی نے صافی شرح کافی میں ہی یہ
 روایت نقل کی ہے۔ (دیکھو باب کریمہ التوقیت)

ارشاد علی مرتضیٰ مین افلا ہر کوئی لفظ ایسا نہیں پایا جاتا کہ
 جس سے تعلق امر خلافت یا ظہور مہدی سے ہو۔ اُنکے ارشاد
 کے معنی یہی ہیں کہ ۲۲ ستوبرس تک امتحان اور آزمائش ہی
 اور بعد اُسکے سُستی“

میں جہاں تک خیال کرتا ہوں علی مرتضیٰ نے اپنے ارشاد میں
 انسانی حالت کو ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کی عمر ستوبرس تک مختار
 اور آزمائش میں گزر جاتی ہے اور اُس کو بعد زمانہ سُستی کا
 شروع ہوتا ہے۔

اور اگر اُس کے معنی یہی لیے جائیں کہ وہ متعلق خلافت اور
 سلطنت کے ہے (واضح ہو کہ امر ظہور مہدی سے کسی طرح اُسکا
 تعلق نہیں ہو سکتا) تو یہی حقیقت اُس کی اس قدر ہے کہ اپنے زمانہ

خلافت میں علی مرتضیٰ نے بنظرِ حالت زمانہ کے سمجھ لیا تھا کہ سنہ تتریک
 امرِ خلافت کے لیے میرے فرزند نبی فاطمہ ایسی کوشش کریں گے کہ جو
 زمانہ بلا اور آزمائش کا سمجھا جائیگا اور بعد اُس کے دیگر ائمہ اہلبیت
 کو زمانہ ایسا مست اور کمزور کر دیا کہ وہ ایسی کوشش نہ کرنے
 پر مجبور ہوں گے اور ان کا زمانہ مستی کا سمجھا جائیگا۔

علی مرتضیٰ کا یہ ارشاد بطور پیشین گوئی کے ہی اور جس میں بعد
 زمانہ بطور اندازہ کے سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ پیشین گوئی علی مرتضیٰ کی اگر متعلق امرِ خلافت کے ہے تو جیسا
 کہ انہوں نے حالت موجودہ اپنے زمانہ پر نظر کر کے پیشین گوئی
 فرمائی تھی اُس کے واقعات آئندہ زمانہ نے ویسے ہی اُسکی قسط
 کی اُنکو خود بہت کم اسید تھی کہ خلافت ائمہ اہلبیت کے ہاتھ میں آئے
 چنانچہ ایک موقع پر خود انہوں نے فرمایا ہے کہ جو چیز ہاتھ سے جاتی تھی
 ہی بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ پھر ہاتھ میں آئے۔

پھر صنف یہ کہتے ہیں کہ ۷۰ سنہ ستر کے گزر جانے کے بعد
 سے یوں بات بنادی گئی کہ حسین کے قتل کی وجہ سے اسرارِ راض
 ہو گیا اسی لیے اس نے اپنی رائے بدل دی۔

۷۰ دیکھو جلد اول رخشانی بابت فروری ۱۳۴۴ء۔

جس مضمون کا مصنف نے اس موقع پر اعادہ کیا ہے اس پر حدیث
حدیث نمبر سات جلد اول میں ہو چکی ہے۔

جس زمانہ میں حضرت امام حسینؑ نے کوشش خلافت کے مقصد
میں آنے کی تھی وہ بیشک ایسا وقت تھا کہ ہر مسلمان یقین کر سکتا
تھا کہ بمقابلہ حسین ابن علیؑ پیارے نواسے رسول خداؐ کے بزرگ
اطاعت کوئی نہیں کرے گا اور تمام مسلمان حسین ابن علیؑ کو خلیفہ وقت
قبول کر لینگے لیکن اتفاق زمانہ نے صورت دگرگون دکھائی اور خود
مسلمانوں نے خلافت توقع اٹکو قتل کر ڈالا۔

جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا وہ قبول کرے گا
کہ ۷۷ حسینؑ کے قتل کی وجہ سے احمد مسلمانوں سے ناراض ہو گیا
اور اسید خلافت کو خاندان رسالت میں آنے کے لیے دزدک کر دیا
پھر مصنف لکھتے ہیں کہ ۷۷ سنہ ستر کا وقت ملتوی کر کے سنہ
اکیسویں چالیس مقرر کر دیے جب سنہ اکیسویں چالیس آگئے تو وہ امام
جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ تھا پر شیعوں میں ارتداد کے مادہ
نے جوش کیا آخر امام کو کھنا پڑا کہ ۷۷ احمد نے بھی کو مدعی مقرر کیا
تھا مگر اب یہ وقت بھی ٹال دیا ۷۷

اور اپنے سخن کی تائید کے لیے علامہ طوسی کی کتاب غیبت

ایک روایت نقل کرتے ہیں جو صافی شرح کافی میں بھی لکھی گئی جو صحیح ترجمہ مصنف ذیل میں نقل کیا جاتی ہے۔

۲۲ عن عثمان بن النواء قال سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول كان هذا الامر في فخر الله ويفعل الله بهد في ذريتي ما يشاء ۲۲ ترجمہ ۲۲ عثمان بن النواء سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ یہ امر (یعنی مہدی ہونا) میری ذات میں تھا مگر اللہ

نے اسکو ٹال دیا اب اسد سیری اولاد میں جو چاہے گا وہ کرے گا ۲۲ مصنف اس پر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ۲۲ یہ مشکلات ائمہ کو اسوجہ سے پیش آتی تھیں کہ اگر اس طرح جہوٹی خوشخبری ان نہ سناتے تو انکے اصحاب فوراً مرتد ہو جاتے ۲۲

اس ترجمہ میں جو مصنف نے خط ہلالی کے اندر (یعنی مہدی ہونا) لکھا ہے وہ مصنف کی طرف سے ہے اور ۲۲ ہذا الامر کی وہ شرح کہ سیطرح سے نہیں ہو سکتی بلکہ ۲۲ ہذا الامر سے مراد ۲۲ امر خلافت ہے ۲۲ اور اسے ہی جو ترجمہ میں مصنف نے لکھا ہے کہ ۲۲ اسد نے اسکو ٹال دیا ۲۲ اسکی جگہ صحیح ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ ۲۲ اللہ نے اس میں تاخیر اور درنگ کی ۲۲

سنہ ستر میں امر خلافت اہلبیت رسالت میں درنگ ہوئی
بعد جو سنہ ایک سو چالیس کا ذکر کیا گیا ہے وہ مضمون اسی روایت کا
ہے جس پر بحث حدیث نمبر ۷ جلد اول روشنی میں کی گئی ہے اور جس میں
امام محمد باقر سے یہ منقول ہے کہ ۲۲ تھا وقت اس امر کا سنہ ستر میں
اور بوجہ قتل حسینؑ کے درنگ ہوئی اُس میں ایک سو چالیس برس
تک ۷

اُس روایت کا منشاء یہ ہے کہ اہل بیت رسالت میں خلافت کے
آنے کا وقت سنہ ستر تھا کہ پہلے اُس زمانہ سے کوشش امام حسینؑ
کی تھی پھر کسب چالیس تک تاخیر ہوئی کہ جو خاتم خلافت بنی امیہ کا تھا اور ائمہ اہلبیت
علیہم السلام کو اُس وقت امید تھی کہ خلافت اُنکے ہاتھ میں آئے۔
امام محمد باقر علیہ السلام نے جو یہ مضمون ارشاد فرمایا ہے بابت
واقعات گزشتہ کے یہ کہ پیشین گوئی آئندہ چنانچہ یہ کل زمانہ تقریباً
ارشاد امام سے پہلے گزر چکا تھا اور اسی روایت میں ارشاد امام
صاف موجود ہے کہ بعد اُس کے خدا نے کوئی وقت ہمارے پاس
نہیں گروانا۔ یعنی حالت زمانہ نے کوئی ایسا تفریق نہیں کیا جس سے
کوئی اندازہ اپنے ہاتھ میں آنے کا کر سکیں۔

ایسے ہی اس ارشاد امام علیہ السلام سے یہ نتیجہ نکل سکتا کہ

۷۷ شیعوں میں کسی مادہ ارتداد نے جوش کیا تھا یا اسکے رفع کے واسطے ائمہ کو ایسی خوشخبریوں کی ضرورت پیش آتی تھی؟
مصنف خود قبول کرتے ہیں کہ جب سنہ ایک سو چالیس آگئے تو زمانہ امام جعفر صادقؑ کا تھا۔

تمام اہل خبر اور تاریخ دان یقین کر سکتے ہیں کہ امر خلافت اہلبیت رسالت میں آنیکی اسید قطعی کا ایک تو وہی وقت تھا کہ جب امام حسینؑ نے اپنے لیے کوشش فرمائی تھی دوسرا وقت تقریباً سنہ ایک سو چالیس کا تھا۔

اہل خبر اور تاریخ دان اس وقت پر بھی یقین کر سکتے ہیں کہ وہ وقت بھی ایسا ہی تھا کہ امر خلافت اہلبیت رسالت میں قرار پا جائے جسکی شان یہ تھی کہ خلافت خاندان بنی امیہ کی تباہ کی گئی تھی اور اسکی تباہی کے لیے یہ فکر ہوئی تھی کہ بنی امیہ کے ظلم و ستم اور تحریب اہلبیت رسالت کا الزام ظاہر کر کے ملک کو بنی امیہ سے برگشتہ کیا جائے امام اہلبیت کو اسید قطعی تھی کہ اول خلیفہ بنی عباس جو خلافت بنی امیہ کے مقابلہ میں کھڑا ہوا تھا بجائے اسکے کہ خلافت کو اپنے ہاتھ میں لے امام اہلبیت کے حوالہ کر گیا۔

بنی عباس سے کہ جو بنی فاطمہ کے بنی اعمام تھے ایسی اسید

بہت نزدیک تھی لیکن حرص خلافت اور طمع سلطنت ایک ایسی چیز تھی کہ جس نے پہلے خلفاء کو بھی راہ مستقیم سے ڈگادیا تھا انکو بھی گمراہ کر دیا اور اسی واقعہ گذشتہ نے امام جعفر صادق ؑ سے اس روایت میں جسکو مصنف اس جگہ نقل کرتے ہیں یہ کہلوا یا یہ کہ ۲۲ تھا یہ امر (امر خلافت) میرے حق میں مگر ناخیر کی اُس میں اس نے اور مگر گناہ بھری ذریت میں جو چاہے گا ۲۳

یہ ایک محاورہ سخن ان لوگوں کا ہے جو خدا کے فاعل حقیقی ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اقتباس کیا گیا ہے قرآن سے ۲۴ مینعل ما یشاء ۲۵ کرتا ہی خدا جو چاہتا ہے۔

اور جب ہا امام نے امر خلافت کو بغیر کسی زمانہ آئندہ کے محدود کیے یہ فرمایا کہ ۲۶ وہ امر خلافت میری ذریت میں ہوگا تو اُس کلام سے یہ نتیجہ کسب طر سے پیدا نہیں ہو سکتا کہ ۲۷ شیعوں کا ارتداد جو دشمن میں آتا تھا ۲۸ اور اُسوجہ سے ائمہ کو ایسی شکل پیش آتی تھی کہ جوئی خوشخبر یاں بخوف ارتداد اصحاب کے سناتے ہوں بلکہ جب امام نے بنظر واقعات گذشتہ کے امر خلافت کو اہلبیت رسالت میں میں نہ آنا ظاہر فرمایا ہے تو خلافت اُس نتیجہ کے جو مصنف نکالتے ہیں یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ ۲۹ نہ شیعوں کا ارتداد جو دشمن میں آتا تھا اور نہ

انکو جو طوطی خوشخبر بیان سنائی جاتی تھیں، وہ جو کچھ فرماتے تھے حالت زمانہ انکی زبان سے نکلاؤاتی تھی۔

جو نتیجہ مصنف نکالنے چاہتے ہیں اُسکے لیے کوئی لفظ ہی اس روایت میں دلالت کرنے والا نہیں ہے نہ منشاء روایت اُس کی تائید کرتا ہے۔

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ مصنف غلط بین قابلیت سمجھے کلام اسمہ عصومین کی نہیں ہے مگر یہ ضرور کہیں گے کہ اُنکے دل میں کوئی ایسی چیز ہے کہ جو انکو منشاء کلام اسمہ اہلبیت کے تفسیر کرنے پر برنگزینہ کرتی ہے جیسا کہ پہلے لوگوں نے امر خلافت کو اُسکے مرکز سے تفسیر کر دیا۔

بعد تباہ ہونے خلافت بنی اسیم کے جب امر خلافت اہلبیت رسالت کے ہاتھ میں نہ آیا اور بنی عباس کی خلافت کو عہد امام جعفر صادق علیہ السلام میں تقویت ہو گئی تو امام کو بیشک ایسی کا وقت تھا کہ اُنکے ہاتھ میں خلافت آئے اور اسی مایوسی میں انہوں نے فرمایا ہے کہ میرے ہاتھ میں تو نہ آئی خدا چاہے گا تو سیری ذریت میں آئیگی اور خلافت فاطمیین نے جو مصر میں ہوئی اور خلافت عثمان صفویہ نے جو سادات موسوی تھے

اور جنہوں نے کئی سو برس تک ایران میں پادشاہت کی۔ امام علیہ السلام کے ارشاد کی صداقت دکھا دی۔

اس روایت میں شیعوں کے واسطے کوئی کلمہ آنکی خوشحالی کے لیے نہیں ہے اگرچہ یہ وہ ذریت رسول کے لیے ہے۔ ایسی حالت میں مصنف مخاطب کا یہ نتیجہ قطعی غلط ہے کہ یہ شیعوں کے ارتداد کو جوش ہوتا تھا اور ائمہ باندیشہ ارتداد اپنے اصحاب کے یہ جوش خوشخبریٰ سناتے تھے۔

اور اگر شیعوں کے واسطے ہی کوئی امید ذریت رسول کے ساتھ میں سمجھی جائے تو وہ امید دلانا اسی قسم کا ہے کہ جیسے رسول اپنے اصحاب کو امیدیں فتح اور غنیمت کی دلاتے تھے بموجب خدا کے۔ اور خدا ان لوگوں کو امید مغفرت اور رحمت کی بھی دلاتا تھا اگر وہ امید دلانی ارتداد کے خوف سے تین توائفہ کا امید دلانا بھی باندیشہ ارتداد اصحاب کے تھا۔ اور نہیں تو نہیں۔

مصنف اسی سلسلہ میں اپنے وطن میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بھی شامل کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے قادی حاکمیت علی کے مطابق سنہ دوسو مقرر کر دیے تھے اور چاہتا تھا کہ اسی تہذیب سے اپنے گروہ کے فساد کو روکیں مگر شیعوں کو ان کے قول کا یقین نہوا

اور چو مادہ انکی طینت میں تماوہ اسطرح جوش کرتا رہا آخر تنگ
نوبت پہنچی کہ سنہ ایک سو تر اسی میں شیعوں پر اسد کا غضب نازل
ہو خوا لاتما امام موسی کاظم نے اپنی جان فدیہ میں دیکر دنیا و غنی
سے انکو بچایا۔

امام موسی کاظم علیہ السلام نے ہرگز سنہ دو سو کسی کا یہابی
کے لیے یا کسی اسید دلائل کے لیے مقرر نہیں کیے بلکہ باعتبار زمانہ
گذشتہ مقرر کیا فرمایا ہے کہ دو سو برس سے شیعا اپنی آرزو و سوس
انگران چلے آتے ہیں جسکی حقیقت ابی میں دکھا آیا ہوں۔ اور
امام نے یہ چاہا ہے کہ اسی تدبیر سے اپنے گروہ کے فساد کو روکین
یا شیعوں کو انکے قول کا یقین نہوایا کوئی مادہ انکی طینت میں تھا
کہ جو جوش کرتا رہا اور سنہ ایک سو تر اسی میں انپر غضب نازل ہوئے
والاتما۔

اس موقع پر مصنف نے کوئی تازہ سند اپنے بیان کی
تائید کے لیے ظاہر نہیں کی بلکہ مصنف نے جو نشان دیا ہے وہ
وہی مضمون ہے جسپر نمبر ۶ جلد اول میں بحث ہوئی ہے اور
اُس روایت میں صرف اسقدر وارد ہوا ہے کہ ۲۰۰ اسد غضبنا
ہوا شیعوں پر اور محکوم فرمایا کہ اپنی جان بچاؤں یا انکو پس بچایا

میں نے اُنکو قسم خدا کی بد لے نفس اپنے کے ۛ
 اس روایت کی حقیقت ہم اُسی موقع پر دیکھا ہے کہ
 اُس وقت زمانہ کی حالت یہ تھی کہ امام اہلبیت کو چوڑا کر لوگ
 خلافت نا جائز کی طرف ڈھلے جاتے تھے اور یہی غضب خدا کا
 اُن پر نازل ہو رہا تھا۔

امام علیہ السلام اُس وقت ہدایت کے لیے مسعد ہوئے اور
 وہ ہدایت درحقیقت مخالفت خلافت کی تھی اور اُس وقت خلیفہ
 وقت نے امام علیہ السلام کی جان لی لی۔ پس یہ معنی ہیں
 ارشاد امام علیہ السلام کے کہ ۛ شیعوں پر غضب خدا کا نازل ہو
 والا تھا ۛ کہ وہ خلافت ناحق کی طرف پہنچوا لے تھے۔

اور امام علیہ السلام کو یہ اختیار تھا کہ اپنی جان کو جو کونین
 نہ ڈالیں اور لوگوں کو برگشتہ ہو نہ دیں یا اپنی جان دیدیں کہ امر
 حق کی ہدایت کا نتیجہ جان کا جانا تھا اور ہدایت امر حق کر کے
 برگشتہ ہو نہ والے لوگوں کو بچائیں لیکن امام علیہ السلام نے اُنکو
 گمراہی سے بچایا جس میں امام کی جان جاتی رہی۔

اس روایت میں نہ یقین کسی زمانہ کا خلافت کے لیے
 اہلبیت رسالت میں نہ ہونے اُنکے لیے امر خلافت کی کوئی شہادت

ہی رہا ہے جو لوگ خلافت نافع کو حق قرار دینا چاہتے تھے اس
امر سے ہٹا کر امام علیہ السلام نے اپنی جان دیکر روکا ہے۔

اور امام سے دوسری روایت میں جو ذکر مدت دوسو برس
سے شیعوں کے آرزو مند ہونیکا منقول ہے وہ صحیح متعلق زمانہ
ماضیہ کے ہے اور اس سے پہلے امام محمد باقر علیہ السلام سے جو ذکر سنہ نشر
اور اکیسویں چالیس کا منقول ہے حقیقت میں وہ بھی بنظر قطعی
واقعات گذشتہ اور حالت موجودہ زمانہ کے امر خلافت اہلبیت
رسالت میں نہ آنیکا بیان ہے ورنہ اسی روایت میں امام علیہ
السلام سے ہرگز یہ منقول نہ ہوتا کہ میں گردانا امدے کے واسطے
آئیں گے بعد اُس کے کوئی وقت ہمارے پاس ہے جس سے یہ مقصود ہے
کہ امر خلافت اہلبیت رسالت کے ہاتھ میں کب آئیگا کوئی
وقت ہمارے پاس نہیں ہے اور اسوقت یہ آیت تلاوت
فرمائی ہے۔

آیت

<p>ترجمہ ”مخو کرتا ہے اسد جو کچھ چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے اور اُس کے</p>	<p>وَيَحْوَ لَهِ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِنْدَ اَمَامِ الْكِتَابِ پاس ام الكتاب ہے۔</p>
---	--

جس سے صاف منشا امام کا یہ ہے کہ ”آئندہ کے لیے کوئی مدت
اور وقت بتانیکو ہمارے پاس نہیں ہے خدا جو چاہتا ہے سو کرنا ہے اور
اُسکی پاس علم ہے“

اگر امام علیہ السلام نے پہلے مدت مقرر کر لی اور اکیسویں
جائیس برس آئندہ کے لیے مقرر کی ہوتی تو سوقت بھی آئندہ
کے لیے کوئی مدت یا وقت مقرر فرمادیتے اور کچھ اسی روایت
پر موت نہیں ہے امام خلافت اہلبیت رسالت میں آنیکے
وقت بتانے سے امام زمانہ صاف انکار کرتے رہے ہیں کہ
ہم اہلبیت کوئی وقت نہیں بتا سکتے اور فرمایا ہے کہ ”اس
امر کے لیے غایت ہے کہ انتہا اُسکی ہوگی اور جب پہونچینگے لوگ
اُسکو نہ تقدیم کریں گے وہ ایک ساعت کی اور نہ تاخیر“

چنانچہ اُسی قسم کی حدیثوں سے اندر شہ ناک ہو کر بعض احادیث
پر مصنف مخاطب اس پہلو سے بحث کرتے ہیں کہ ”اے جانتے
تھے کہ یہ جہول خبریں جو شیعوں کی تالیف کے لیے بیان کی جاتی ہیں
ہرگز سچی نہیں ہو سکتیں اور آخر میں ندامت کا نتیجہ ہی اسلئے وہ
کہی کہی ایسی باتیں ہی کہہ دیا کرتے تھے کہ کچھ تاویل کی گنجائش
ہی باقی رہے وہ باتیں ہی عجیب لطیف ہوتی تھیں“ اور اصولاً

مخلف سے سند لائے ہیں۔

عن الفضل بن یسار عن
ابی جعفر علیہ السلام قال
قلت لهذا الامر وقت
فقال کذب الوقا تون
کذب الوقا تون کذب
الوقا تون

ترجمہ۔ (جو مصنف نے کیا ہی)
فضل بن یسار امام محمد باقر علیہ
السلام سے روایت کرتا ہے کہ
میں نے پوچھا کہ کیا اس امر کے
لیے کوئی وقت ہے؟ امام نے
نے فرمایا کہ جوٹ بولا تھا وقت

مقرر کرنا لوٹنے جوٹ بولا تھا وقت مقرر کرنا لوٹنے جوٹ
بولا تھا وقت مقرر کرنا لوٹنے۔

مصنف نے اس ترجمہ میں لفظ "تھا" غلط ترجمہ کیا

ہے۔

اس روایت کی سند لانیکے بعد مصنف یہ فائدہ تحریر کرتے
ہیں کہ "وقت مقرر کرنا لوٹے جناب امیر سے لیکر جناب امام باقر
تک سب ہی ائمہ تھے اول سنہ ستر ہجری کی سوچا لیس نہیں سب
نے مقرر کیے تھے با اینمہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ وقت
مقرر کرنا لوٹنے جوٹ بولا تھا پس امام محمد باقر علیہ السلام نے
ان سب ائمہ معصومین کو صاف صاف جوٹا کہہ دیا۔"

جس اپنے بیان کے لیے مصنف روایت کو سن لے
 بہن نہ اُس روایت سے اُنکے بیان کی تصدیق ہوتی ہو نہ اُس
 وہ فائدہ مترتب ہوتا ہے کہ جو مصنف نے ظاہر کیا ہے نہ اُس وقت
 کا سید طرح ایسا منشا ہو سکتا ہے کہ جو بیان یا فائدہ شریعہ مصنف
 کی تائید کرے۔

البتہ مصنف نے اپنا دلی منشا بے ادبی ائمہ معصومین کے لیے
 دکھایا ہے نہ صرف میں جو کچھ ہو غیر ممکن ہے کہ وہ چھپکے نہیں۔ اور
 ہی غیر ممکن ہے کہ وہ اپنے اُس منشا سور اوپ کا اگر ناروا ہی مزہ نہ
 چکے جس کے لیے وقت کوئی نہیں تھا سکتا آہ وہ بکا اندازہ ہو کر
 کر سکتا ہے خواہ میں ہوں خواہ خود مصنف۔

اگرچہ اُن روایات کی نسبت کہ جنہیں ذکر مدت منقول ہوا ہے
 الفاظ اور منشا اُن روایات سے ظاہر ہے کہ وہ ذکر مدت نہایت
 کا ہے لیکن اگر ہم قبول ہی کر لیں کہ وہ بیان مدت زمانہ آئندہ کے
 لیے تھا تو ہی وہ روایات اُن روایات سے کہ جنہیں اظہار وقت
 سے انکار کیا گیا ہے مخالف اور مختلف نہیں ہو سکتیں باعتبار واقعات
 گذشتہ اور حالت موجودہ زمانہ کے وہ ذرا جھکواؤں قدر رستے
 ایسے امور کے لیے وضع کیا ہے کسی امر کے لیے اندازہ کسی مدت کا

کسیکے ہیں لیکن اس امر کا قطعی ثبوت پڑھا ہرگز کہ کون واقعہ ٹھیک
کس وقت پیش آیا محال ہے کہ جب کا علم سوا صانع حقیقی کے اور
کسی کو نہیں ہو سکتا۔

کسی امر آئندہ کی امید لائیکے لیے کسی مدت کا اندازہ کرنا اور
ضریر اور کسی واقعہ آئندہ کے وقت کی حکمی خبر دینا کہ وہ امر سو
واقع ہوگا اور ضریر جس روایت میں کہ مدت سنین ظاہر کی گئی
ہو وہ بنظر حالت موجودہ زمانہ کے امید کے برائیکے لیے ایک اندازہ
سمجھا جاسکتا ہے کہ جسمین کوئی وقت اس امر کا بتایا نہیں گیا ہے
پس جس روایت میں امام علیہ السلام نے یہ ظاہر فرمایا ہے
کہ وقت بتانا صحیح نہیں ہو سکتا وہ روایت نہ مخالفت اس وقت
کے ہو سکتی ہے نہ اس کے متعلق کہ جسمین اندازہ مدت برآئے امید
کسی امر کا کیا گیا ہو۔

اسکی مثال بعینہ ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص کی نسبت
اسکی عمر گزشتہ پر نظر کر کے اور عمر طبعی انسانی کو جو تجربہ انسانی
سے ظاہر ہوئی ہے پیش نظر رکھ کر یہ اندازہ کیا جاوے کہ وہ شخص
اس قدر مدت تک یا اس قدر برسوں تک اور زندہ رہیگا لیکن کوئی
اُس کے مزید کا وقت نہیں بتا سکتا۔

وہ روایت کہ جس میں ذکر سنہ سترا و ایک سو چالیس کا ہے
 امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے اور یہ روایت بھی کہ میں
 یہ ارشاد ہے کہ جو جوٹ بولا وقت مقرر کرنے والوں نے
 امام محمد باقر سے منقول ہے اگر بیان مدت منقولہ کا تعلق زمانہ
 ماضی سے نہ تو یا زمانہ آئندہ کے لیے بطور اندازہ کے نہ سمجھا
 جاسکے تو کیسے کسی کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ وقت بتانے والوں کو
 جوٹا کہا گیا ہے لیکن ان نون قسم کی روایات میں امتیاز کے لیے
 چشم مینا اور دل دانا چاہیے کہ جو تعصب سے خالی ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے نہ کسی امام معصوم کو نہ اپنے
 آپ کو جوٹا کہا ہے البتہ مصنف بحیثیت اپنے مذاق کے اپنی طرف
 سے آنکو جوٹا کہتے ہیں۔ اور پھر خود ہی یہ ترقی کرتے ہیں کہ
 ائمہ نے اپنی طرف سے جوٹ نہیں بولا بلکہ جو کہا تھا وہ خدا کی
 طرف سے تھا اور حاشیہ پر یہ اضافہ کیا ہے کہ امام جعفر صادق
 کا یہ قول بھی ہے کہ ہم اہلبیت وقت مقرر نہیں کرتے اسکا مطلب
 ہے کہ اپنی طرف سے وقت مقرر نہیں کرتے جو کہہ کہتے ہیں اللہ
 کی طرف سے کہتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے جو روایت منقول ہوئی

اس روایت کا پورا ترجمہ یہ ہے کہ جبکی طرف مصنف مخاطب
نے اشارہ کیا ہے۔

۱۰ راوی کہتا ہے کہ پوچھا میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام
سے ”قائم کو“ (قائم اس مرد اہلبیت سے مراد ہے کہ جس کے
حق میں خلافت قائم ہو) پس کہا کہ دروغ کما تعین کرنے والا
وقت نے ہم اہلبیت تعین وقت نہیں کرتے ہیں یہ سکا
مطلب یہ ہے کہ جنہوں نے وقت مقرر کیا ہے وہ جھوٹے ہو گئے ہیں
ہم اہلبیت وقت مقرر نہیں کر سکتے ہیں اور جبکہ یہ مطلب ہرگز
نہیں ہو سکتا کہ اپنی طرف سے وقت مقرر نہیں کرتے جو کچھ کہتے
ہیں اس کی طرف سے کہتے ہیں ”جیسا کہ مصنف اپنی طرف سے
منشاء روایت کو متغیر کرتے ہیں چنانچہ دوسری روایت میں
یہ وارد ہوا ہے کہ ۱۱ امام نے فرمایا کہ اسد منہج کرتا ہے (وقت مقرر
کرنے سے) اور جو لوگ وقت مقرر کرتے ہیں اس کے خلاف
کرتا ہے“

ایسی حالت میں ارشاد امام علیہ السلام کا وہ مطلب گز
نہیں ہو سکتا جو مصنف مخاطب نے ظاہر کیا ہے۔

امام محمد باقر سے جو روایت منقول ہوئی ہے کہ ۱۲ جھوٹا ہے

وقت مقرر کرنے والوں کا ہے جس پر مصنف بحث کر رہے ہیں۔
 میں امام علیہ السلام اپنے ارشاد کی سند میں یہ فرماتے ہیں جسکو
 خود مصنف مخاطب نے نقل کیا ہے اور جس کا یوں ترجمہ کرتے
 ہیں۔

ترجمہ ۷۰ بیشک موسیٰ جب نکلے	۷۰ ان موسیٰ علیہ السلام
قصد کرنے والے اپنے رب	لما خرج واذا الی ربہ
کی طرف تو قوم سے تیس دن	واعدهم ثلاثین یوماً فانا
کا وعدہ کیا تا تو جب بڑھادی	اللہ علی الثلاثین عشراً قال
موسیٰ کے لیے اس نے تیس	قومہ قد اخلصنا موسیٰ فضعوا
پندرہ دن تو موسیٰ کی قوم	ما صنعوا

نے کہا کہ ہم سے وعدہ خلافتی کی موسیٰ نے تو کیا امنوں نے
 جو کیا ہے

اسکی نسبت مصنف یہ لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ سے اللہ
 نے یہ وعدہ کیا تھا کہ تم کو وہ طور پر آؤ تیس دن کے بعد شکوہ نعمتیں
 ملیں گی مقامات قرب الہی میں ترقی ہوگی۔ اللہ سے کلام ہوگا تو بیت
 ملیں گی۔ حضرت موسیٰ گئے تیس دن کے بعد سے وعدہ کا ظہور شروع
 ہو گیا یہ نعمتیں پندرہ دن تک ملتی رہیں اور چالیس دن میں

سب پوری ہو گئیں۔

لیکن یہ بیان مصنف کا صحیح نہیں ہے کہ یہ حضرت موسیٰ سے یہ وعدہ ہوا تھا کہ تیس دن کے بعد تم کو نعمتیں ملینگی اور تیس دن کے بعد سے وعدہ شروع ہوا اور دس دن تک نعمتیں ملتی رہیں گی چنانچہ مصنف مخاطب جس آیت کو اپنے بیان کی صداقت کے لیے سند لائے ہیں اسی آیت سے اُنکے بیان کا غیر صحیح ہونا واضح ہے۔ وہ آیت یہ ہے جس کا ترجمہ مصنف نے یہ کیا ہے۔

۱۱۔ و وعدنا موسیٰ ثلاثین لیلۃً و اتممنا بعشر فتم	ترجمہ ۲۲ اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس دن کا اور تمام کیا اس
میعات ربہ اربعین لیلۃً	کو دس دن میں تو پوری ہو گئی

میعاد اُسکے رب کی چالیس دن ہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خدا نے جو کچھ وعدہ حضرت موسیٰ سے کیا تھا اُس میں میقات تیس دن کی تھی (میقات اُسکو کہتے ہیں کہ جو وقت واسطے عمل کرنے کے مقرر کیا جائے مثلاً ہم کسی سے وعدہ کریں کہ یہ کام ہم چھ مہینہ میں کر دیں گے تو وہ مدت شش ماہ میقات ہوگی) لیکن وہ کام جس کا وعدہ تیس دن کا کیا گیا تھا اندر تیس دن کے تمام نہیں ہوا بلکہ چالیس دن میں تمام

ہوا اور اکابر مفسرین اہلسنت نے قبول کیا ہے کہ وعدہ خدا کا تیس دن کا تھا مگر وہ کام چالیس دن میں ختم ہوا اور بجائے تیس روز کے دس روز کے افراد ہونیکے اور چالیس روز میں تمام ہونیکے وجہ بیان کی ہے (ثعلبی - ابوالعالیہ - بغوی -)

آیت کے مضمون سے ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتا جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ ”یہ وعدہ تھا کہ تیس دن کے بعد تم کو نعمتیں ملینگی یا تیس دن کے بعد سے اس کی نعمتیں ملنا شروع ہوں گی“ آیت میں لفظ ”بعد“ کا ہرگز نہیں ہے اگر آیت میں کسی جگہ بعد کا لفظ ہوتا تو بیان مصنف مخاطب کا صحیح ہوتا چنانچہ ترجمہ آیت جو مصنف نے کیا ہے اور جس کو ہم نے بعینہ نقل کر دیا ہے اُس میں ہی مصنف لفظ ”بعد“ نہیں بڑھاسکے خلاف اُسکے جو مصنف نے اپنے بیان میں لفظ ”بعد“ بڑھاتے ہیں یہ تفسیر باخراست خلاف آیت کے ہے جس سے مصنف کو پرہیز کرنا لازم تھا۔ نیز اور نہ اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ کہ ”پہلے سے اس کے تکمیل کی مدت چالیس دن ہو گئی تھی“ بلکہ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ وعدہ خدا نے چالیس رات کا کیا تھا اور چالیس رات میں اُس کو تمام کیا۔ اس آیت کا ہرگز

یہ نوم نین ہو سکتا کہ بجائے تیس دن کے چالیس دن پہلے
سے خدائے اپنے وعدہ میں مقرر کیے تھے اگر ایسا ہی تھا تو
تیس دن کے بیان کرنیکی ضرورت کیا تھی۔

مصنف مخاطب جو سورۃ البقرہ کی یہ آیت پیش کرتے
ہیں اور جبکہ یہ ترجمہ لکھتے ہیں۔

آیت

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَلْعِينٰ | ترجمہ: اور جبکہ وعدہ کیا ہم نے
لَیْلَةٍ ۖ ۱؎ موسیٰ سے چالیس دن کا

اس آیت سے نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا ہے کہ خدائے پہلے
سے وعدہ چالیس دن کا کیا تھا۔ بلکہ اس آیت میں اُس مجموع
ذکر کا ذکر ہے کہ جسمین خدائے تیس دن کا وعدہ کیا تھا اور چالیس
نہیں اُسکو پورا کیا اور جو مدت کہ وعدہ کے پورا کرنے میں زیادہ ہوئی
بے شک وہی شامل وعدہ خدائے قرار دیکر چالیس دن فرمایا ہے۔

مخالف خود مصنف ہی قبول کرتے ہیں کہ سورۃ البقرہ میں
فقط تیس کی مدت مذکور ہے اور سورۃ اعراف میں وعدہ کی
تفصیل ہے لیکن مصنف جو تفصیل میں یہ قرار دیتے ہیں کہ
تیس دن کے بعد سے انعام شروع ہوگا اور چالیس دن نہیں پورا

ہو جائیگا غلط اور خلاف مقصود آیات کے ہیں۔

مقصود آیات کا صاف یہ ہے کہ جس کام کے عمل کا تین دن کا وعدہ تھا وہ چالیس دن میں پورا ہوا اور تکمیل عمل کام کے لیے دس دن زیادہ ہوئے اگر تیس دن کے بعد سے عمل کام کا سمجھا جائے تو عمل کے لیے صرف دس دن سمجھے جاسکتے ہیں حالانکہ تکمیل اور تمام عمل کا اُس وقت سمجھا جاسکتا ہے کہ جب تیس دن اور دس دن سب چالیس دن میں عمل کیا گیا ہو اور دس تیس دن کا پورا کیا گیا ہو دس دن کے بڑھانے سے یعنی تیس دن وعدہ میں دس دن ادا ملا کر چالیس دن پورے کیے ہوں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ مدت چالیس دن کی جو بیان ہوئی ہے وہ مدت انقضا اور تمام کی ہے لیکن اس امر کو ہم قبول کرتے ہیں کہ علم الہی ضرور اول سے یہ تھا کہ وعدہ تیس دن کا کیا تھا اور چالیس دن میں اُس کو پورا کیا جائیگا اگر دوسرا سبب عارض نہوگا۔

واقعات جو اپنے اوقات پر پیش آتے ہیں اُن کے لیے اسباب ضرور ہوتے ہیں اگر ایک سبب سے ایک وقت پر کوئی واقعہ ہونا والا ہوتا ہے اور کوئی دوسرا سبب اُس کو عارض نہیں ہوتا

منفردہ واقعہ تمام ہو جاتا ہے اور اگر کوئی دوسرا سبب عارض ہو جاتا ہے تو اسوقت وہ واقعہ ٹل جاتا ہے لیکن علم الہی ہر واقعہ اور سبب کو حاوی ہوتا ہے اور چونکہ وہ فاعل حقیقی مانا گیا ہے اس لیے ہر واقعہ اور سبب کو اُن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

اسی آیت میں جب خدا نے خود فرمایا ہے کہ ”وعدہ کیا تم نے موسیٰ سے تیس دن کا اور پورا کیا ہم نے اُسکو ساتھ دس دن کے اور پوری ہوئی میقات پروردگار موسیٰ کی چالیس دنیں“ تو امام علیہ السلام نے جو یہ تفسیر فرمائی ہے کہ ”وگئے موسیٰ پیغمبر کے لیے اپنے پروردگار کی طرف اور مقرر کیا وعدہ اُن کے لیے (اپنی قوم کے لیے) تیس دن کا“ وہ تفسیر بالکل صحیح ہے اُسکی صحت پر باعتبار مضمون اُس آیت کے یقین ہوتا ہے کہ جو وعدہ خدا نے موسیٰ سے تیس دن کا کیا تھا وہی وعدہ تیس دن کا حضرت موسیٰ اپنی قوم سے کر کے چلے گئے تھے اور حضرت موسیٰ کو اسی کا علم تھا کہ تیس دن مجھ کو وہاں رہنا ہو گا جیسا کہ خدا نے وعدہ میں ذکر فرمایا تھا لیکن جب حضرت موسیٰ مقام موعود پر گئے اور جس کام کے لیے گئے تھے اُس کام کو بجائے تیس دن کے چالیس دن لگ گئے تب حضرت موسیٰ کو معلوم ہوا کہ دس دن زیادہ ہو کر

چالیس دن ہو گئے اور جسکی نسبت امام علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ
جب بڑھا دیے موسیٰ کے لیے اللہ نے تیس دن پر وہیں دن
تو موسیٰ کی قوم نے کہا کہ ہم سے وعدہ خلافتی کی موسیٰ نے
تو کیا انہوں نے جو کچھ کہ کیا

یہ تفسیر امام علیہ السلام کی نہایت صحیح صحیح ہے مصنف جو یہ کہتے
ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ کو معلوم تھا کہ فراغت چالیس دن میں
ہوگی پھر محلاً اپنی قوم سے تیس دن کا وعدہ کیوں کرتے بالکل
غلط اور خلاف قرآن ہے جب خدا نے تیس دن کا صاف وعدہ
حضرت موسیٰ سے کیا تھا جیسا کہ الفاظ آیت سے ظاہر ہے کہ
وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور مفسرین اسنت
نے قبول کیا ہے کہ پہلے وعدہ خدا نے تیس دن کا موسیٰ سے
کیا تھا پس اس وقت موسیٰ وہی مدت اپنی قوم سے ظاہر کر سکتے
تھے اور مقام سو عود پر پہونچ کر جو بجائے تیس دن کے چالیس
دن انکو لگ گئے اسکا علم انکو مقام سو عود پر ہوا۔ اپنے مقام
پر انکو علم زمانہ ناسد کی بابت قبل جانے مقام سو عود دیکھ اور نماز
ہونے کام کے کیسے سمجھا جاسکتا ہے تاکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ انکو
معلوم تھا کہ فراغت چالیس دن میں ہوگی اور اپنی قوم سے

خود تیس دن کا وعدہ کیسے کرتے۔ جیسا کہ مصنف کہتے ہیں۔
 خدا نے جو وعدہ تیس دن کا ظاہر فرمایا تھا اور بجائے تیس دن کے دس
 دن بڑھا کر چالیس دن میں اس وعدہ کو پورا کیا ایسے امور
 جن کا تعلق اسباب سے ہوتا ہے۔ یہ محو اثبات علم ازلی علیم
 و حکیم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

آیت

”يَحْوَ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُشِيتُ“
 ترجمہ ”محو کرتا ہے اسے جو کچھ
 وعنده امر الكتاب“
 کہ چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے

اور نزدیک اُس کے ام الكتاب ہے“

امام علیہ السلام نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ”تیس دن کے
 وعدہ پر جب خدا نے دس دن بڑھا دیے تو موسیٰ کی قوم
 نے کہا کہ وعدہ خلافی کی ہم سے موسیٰ نے“

اس ارشاد امام علیہ السلام کی تصدیق اور تائید دیگر آیات
 قرآنی سے بھی ہوتی ہے۔

سورہ طہ پارہ ۱۶۵- رکوع ۱۳

آیت

”قَالَ يَا قَوْمِ اِعْمِدْكُمْ رَبِّكُمْ“
 ترجمہ ”(موسیٰ) نے کہا کہ

وعدا حسنًا افظال علیکم العہد امراد تم ان یحل علیکم غضب من ربکم فاخلفتم موعدی ۱۱	میری قوم کیا تم سے خدا نے وعدہ نہیں کیا تھا اچھا وعدہ اور کیا ایک دراز زمانہ تم پر گزر گیا تھا بلکہ تم نے چاہا کہ تم پر تمہارا پروردگار کا غضب اُترے اسلئے تم نے میرے وعدے کے برخلاف کیا ۱۱
--	--

جب کا صاف منشا یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جو اپنی قوم
سے توریت لانے کے لیے تیس دن کا وعدہ کر گئے تھے اور
چالیس دن میں آئے تو وہ اپنی قوم کو سمجھاتے ہیں کہ خدا نے
جو وعدہ کیا تھا اُس پر کوئی نسا زمانہ نہیں گزر گیا اور غضب لائی
کا اُترنا تم نے اپنے اوپر چاہا اور میرے وعدہ کی برخلافی سمجھ
لی حالانکہ ایسا نہیں ہے تم کو چاہیے تھا کہ میرے وعدے توریت
لانے کا انتظار کرتے اور برخلاف میرے وعدے کو نہ کرتے اگر
میں تیس دن میں واپس آتا تو کیا اور چالیس دن میں واپس
آیا تو کیا جبکی نتیجہ یہ ہے کہ وعدہ کسی چیز کا قابلِ نظر کے ہو سکتا
ہی نہ وقت وعدہ ۔

اور اسی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ سے خلاف

وعدہ کی وقوع میں نہیں آئی اُس وعدہ کی کہ جو اپنی قوم سے کر گئے تھے اور بعد تیس دن کے جو دس دن اور افراد ہوئے وہ سلسلہ میں اُس می وعدہ تیس دن کے تھے جس سے میعاد وعدہ کو وسعت ہو گئی اور جسکو خدا نے تمام کے لفظ سے فرمایا ہر اور جس وعدہ کی میعاد کو وسعت ہو جائیگی اور تمام اُس وعدہ کا اندر میعاد وسعت کے ہوگا تو اسکی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وعدہ خلا فی ظہور میں آئی لیکن قوم موسیٰ نے اپنی غلط فہمی سے موسیٰ کی وعدہ خلا فی سمجھی جیسا کہ ارشاد امام علیہ السلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

میرا اس موقع پر سوال یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ قبل انقضائے مدت تیس دن کے اپنی قوم کو یہ اطلاع دیتے کہ بجائے تیس دن کے چالیس دن میں اُس کام کو کر کے آؤں گا تو اس وسعت میعاد سے کیا وعدہ خلا فی اول میقات وعدہ کی وجہ سے تصور کی جاسکتی تھی؟ نہیں۔ میقات وعدہ میں وسعت ہو جاتی۔

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ قبل واپس آنے حضرت موسیٰ کے اُنکی قوم نے گوسالہ پرستی شروع کر دی تھی جیسا کہ اسکی خبر قرآن میں موجود ہے اور اُسکی طرف امام علیہ السلام نے اشارہ کیا ہے کہ ”کیا انہوں نے جو کچھ کہ کیا“ بعد اسکے کہ وعدہ خلا فی موسیٰ

کی سمجھ لی۔

بات یہ ہے کہ قرآن بالکل بجا و رہ انسانی پر نازل ہوا ہے اور حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے جو وعدہ کیا تھا کہ میں تیس دن میں تورات - قلم - دے سکے گا وہیں آجاؤ گا وہ بیعتات منعہ کی ہوتی حضرت موسیٰ کی از رو سے ظاہر ہے کہ میں جو لحاظ وزن کام کے حضرت موسیٰ کے نزدیک اندازہ کیجا سکتی تھی اور جبکہ علم قطعی وقوع کا سواے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتا ہو گا وہ میعاد جو حضرت موسیٰ نے از رو سے اپنے ظن اور اندازہ کے مقرر کی تھی یہ واقعہ بھی علم الہی میں موجود تھا جسکو کہ پیغمبر نے ظاہر کیا تھا اور اسکو خدا نے اپنا وعدہ تیس دن کا ظاہر کر کے کھاتیا فرمایا ہے لیکن وہ کام بچائے تیس دن کے چالیس دن میں تمام ہوا جسکا علم قطعی خدا کو تمام ہونے بیعتات وعدہ کا تھا۔

امام علیہ السلام کا صرف مقصود یہ ہے کہ کسی امر کا جو وعدہ کیا جائے اور اس کے لیے جو کوئی مدت بیان کی جائے وہ گویا از رو اندازہ اور ظن کے ہوتی ہے ضرور نہیں ہے کہ وہ کام اپنی بیعتات پر پورا ہو جائے اور ٹھیک اسوقت کا کہ جب وہ امر پورا ہو جائے سوا خدا کے کسی کو علم نہیں ہوتا ہے اس لیے ہم ائمہ اہلبیت کوئی وقت

کسی امر کے لیے ظاہر نہیں کر سکتے اور اگر کریں تو اسکی حالت مثل وعدہ قصہ حضرت موسیٰ کے ہوگی۔

محبو امید ہی کہ مصنف مخاطب کا اطمینان ہو جائیگا کہ ائمہ کے ارشادات کی حالت حضرت موسیٰ کے قصہ سے کیونکر مطابقت ہو سکتی ہو امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے سامنے اپنی بنائیں بنائی جیسا کہ مصنف مخاطب اعتراض کرتے ہیں بلکہ امام نے اپنے ارشاد میں بالکل قرآن سے اقتباس کیا جسکی حقیقت ظاہر کی گئی۔

یہ بیان مصنف کا کہ ۷۷ اصحاب ائمہ قرآن سے بالکل جاہل تھے انکو کیا خبر تھی کہ سورۃ البقرہ میں چالیس دن کا وعدہ مذکور ہے اگر خبر ہوتی تو امام پر اعتراض کرتے ۷۷ اور حاشیہ پر یہ فقرہ لکھا ہے کہ ۷۷ اگر ان میں کوئی حافظ ہوتا تب ہی یہ مغالطہ نہ چلتا ۷۷ مصنف مخاطب نے جو حاشیہ چڑھایا ہے اس میں اشعار اسی پرانے اعتراض کا ہے کہ شیعوں میں کوئی حافظ قرآن نہیں ہوتا۔ تو ایسا اعتراض شیعوں کی نسبت ایک اعتراض ہے کہ جسکو کوئی حکم اور فلاسفہ کوئی ذی علم محض مذہبی شخص قبول کر سکتا ہے بلکہ اسکو مضحکہ کی نظر سے دیکھ لیا۔

عمر رسول میں جب قرآن نازل ہوا تھا تو متفرق جگہوں پر لکھ لیا جاتا تھا اور لوگ جو سنتے تھے اُسکو ہر زبان یاد بھی کرتے تھے مگر جیسا کہ عام قاعدہ فطرت انسانی کا ہے وہ ہر زبان یاد کرنے والوں کو پیش آتا تھا جبکہ حافظہ قوی ہوتا تھا اُسکو نہایت صحت اور ضبط کے ساتھ یاد رہتا تھا جبکہ حافظہ قوی نہ تھا اُسکو ایسے ضبط سے یاد نہ رہتا تھا کہ کوئی کلمہ یا آیت بھول جاتا تھا یا کوئی غیر کلمہ اُسکی زبان پر چڑھ جاتا تھا۔ ایسی نثر نشین جو واقع ہوتی تھیں اُنکی درستی یا تو وہ لوگ کرتے تھے جن کو نہایت صحت اور ضبط سے یاد تھا یا وہ متفرق لکھے ہوئے پرچے۔

جو لوگ زمانہ نزول قرآنی میں آیات قرآنی ہر زبان یاد کر لیتے تھے اُنکی یہ حالت تھی کہ کسیکو کوئی سورۃ یاد تھی اور کسیکو کوئی سورۃ یاد تھی کسی دے دیا دتین کسی کو دتیل یاد تین کسی کو دتہ یاد تھی اور کسی کو پاؤ۔

یہ تمام امور اُس تحقیق سے لگے گئے ہیں جسکو ”سید“ نے اپنی تفسیر کے شروع میں لکھا ہے اور جنکو زمانہ لقب محقق اور مجتہد کا دیتا چلا جاتا ہے۔ یہ تحقیق اُنکی بنظر فطرت انسانی اور نتیجہ ان ریا کے ہے جو کتب الحسنات میں درج ہیں اور اُسے وہی نتیجہ نکل سکتا

لہجہ سید نکال رہی۔

اور جیسے یہ نتیجہ نکال گیا ہو ویسے ہی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرات ثلاثہ صحابہ رسولؐ نہ کل قرآن کے عالم تھے نہ کل قرآن انکو حفظ تھا یہاں تک کہ خاص خاص روایتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کر کے دوسروں سے احکام اور مسائل قرآن کو دریافت کیا ہے اور بعض بعض موقع پر دریائے بے غمی اپنے مین غوطے کھائے ہیں جسکی کسب قدر تفصیل چارویں پہلی ترجمہ سیرت میں وقتاً فوقتاً ہوئی ہے۔ البتہ علی مرتضیٰ کی نسبت سب کا اتفاق ہے کہ اُسے بہتر کوئی عالم قرآن نہیں تھا اور نہ اُسے زیادہ کسی کو حفظ تھا۔

جب حضرات ثلاثہ کی حالت حفظ اور علم قرآن کی نسبت ایسی ہو اور کل قرآن کا حفظ اور علم انکو نہ تو کسی صحابی کسی ائمہ اہلبیتؑ کی نسبت کامل قرآن کے حفظ اور علم نہ ہونے سے اگر منزلت میں کچھ کمی ہو سکتی ہے تو حضرات ثلاثہ کی نسبت بھی وہی کم وقتی لازم آئیگی اور اگر وہ صحابیؑ اہلبیتؑ جاہل اور غیر حافظ قرار پائے جیسا کہ مصنف مخاطب نے کہا ہے تو اسی صلت کے مصداق حضرات ثلاثہ صحابہ رسولؐ ہی ہونگے۔

صحابی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلسنت کے اور علماء شیعہ جو حافظ قرآن گذرے ہیں کتب رجال سے انتخاب ہو سکتا ہے۔ جسکا جی چاہے انہیں دیکھ لیں جسے جیسے ہی ملیں گے کہ جنہوں نے بارہ برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا ہو اور ہمارے اس زمانہ میں شیعہ حفاظ کی فہرست تنزیہ القرآن میں موجود ہے جس میں تعداد کثیر اہل اہل حق ضلع مراد آباد کی ہے کہ جو خاص اسی اعتراض کے رفع کیواسطے تیار کیے گئے تھے اور جس میں سے چند اب بھی زندہ موجود ہیں جس کسی کا جی چاہے اُنکے حفظ کی آزمائش کر لے اگرچہ چند جہانگیر مقامات پر جبکا ذکر تنزیہ القرآن میں موجود ہے قرار پر اہل حفاظ شیعہ نے اہلسنت کو حفظ قرآن سنا کر قائل کر دیا ہے گو اُس کلمہ کے سننے سے اہلسنت نے انکار کیا ہے کہ جس سے اُن حفاظ کا شیعہ بن ثابت ہو سکر ہیں جہاں تک خیال کرنا ہوں اب تک جو طریقہ آزمائش کا اہلسنت نے شیعہ حفاظ سے سماعت کا اختیار کیا ہے وہ خالی سقم سے نہیں ہے۔

یہ امر آسانی ممکن ہے کہ کسی سنی حافظ کو شیعہ کچھ لے دیکر پیش کر دیں کہ اہلسنت میں حفظ قرآن کا پیشہ بغرض حصول روزی کے مخصوص ہوتی کے صدقات کیواسطے قرار پا گیا ہے کہ جو

انکے لیے حفظ قرآن باعث رونق ہوا ہے۔

اہلسنت کو میں یہ صلاح دیتا ہوں کہ وہ ایسی آزمائش کیوقت
اول وہ کلمہ سن لیا کریں جس سے تصدیق اُسکے شیعہ ہونیکلی ہو
پہر اُس سے قرآن سنا کریں تاکہ اُنکو دہو کا نمو۔

یقین کرنا چاہیے کہ ہندوستان میں اہلسنت کے حافظ سوا
چند علماء کے بالکل ایسے ہی ہیں کہ بسبب نہ جاننے زبان عرب
کے علم قرآن سے اُنکے سینے خالی ہیں۔ جسکایہ نتیجہ ہے کہ مجرد حفظ قرآن
علم قرآن کے لیے حجت نہیں ہے۔

ہمارے مصنف مخاطب نبی حافظ نہیں ہیں۔ کیا وہ اپنے
لیے جاہل قرآن ہونیکا خطاب پسند کر سکتے ہیں جسیاکہ وہ صحابی
امام اہلبیت کو لقب جاہل قرآن سے پکارتے ہیں مگر مسئلہ
۱۰ انچہ بر خود نہ پسندی بردیگرے ہم پسند یہ یقین دلاتا ہے کہ مصنف
مخاطب اُسی لقب پر جو وہ صحابی امام اہلبیت کو دیتے ہیں اپنے
لیے ضرور خوشی سے پسند فرمائیں گے۔

مصنف مخاطب اصحاب ائمہ اہلبیت کو جو جاہل ظاہر کرتے
ہیں اس اعتبار سے صحیح ہو سکتا ہے۔ طرح کہ اصحاب رسول غیر
۱۱ کہ انکے علم میں ہی علم باطن قرآن کا نہیں ہے اور اگر وہ تو وہ اُسکو ظاہر نہیں کرتے

اہلبیت رسول بمقابلہ پیغمبر کے جاہل تھے۔

اصحاب ائمہ گو کسی درجہ پر انکو علم قرآن ہو لیکن بمقابلہ علم ائمہ کے بیشک وہ جاہل تھے اور وہ جو علم ائمہ سے حاصل کرتے تھے بتدریج حاصل ہوتا تھا اور جب تک جس قدر انکو علم حاصل ہوتا تھا اُس قدر کی بابت بیشک وہ جاہل ہوتے تھے اور یہ امر ہی تھا کہ کسی امر کا علم کوئی صحابی حاصل کرتا تھا اور کسی امر کا کوئی صحابی اور بمقابلہ ایک دوسرے کے کسی نہ کسی امر کی بابت کوئی جاہل ہوتا تھا اور اسی اعتبار سے انکی حالت مثل حالت صحابہ رسول کے تھی وہ صحابہ کہ جوشاہ

اہلبیت نہیں ہیں۔

کیا خود حضرات شیخین اور دیگر صحابہ نے اکثر موقعوں پر اپنی لاعلمی کا اقرار نہیں کیا ہے اور علی مرتضیٰ سے بارہا مسائل از رو قرآن کے حل نہیں کرائے ہیں اور کیا حضرت عمر کی یہ حالت نہ تھی کیا رہ بریں میں انکو خود ایک سورۃ البقرہ ہی یاد نہ ہو سکی؟

فضل بن یسار جو راوی اس روایت زیر بحث کا ہے اگر انکو سورۃ البقرہ میں چالیس ذکا وعدہ یاد نہ ہو تو کچھ جابے تعجب نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر انکو یاد ہی ہوتا (اور یقین ہی کہ یاد تھا) تو ہی وہ امام علیہ السلام پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا اس لیے کہ امام نے جو

ارشاد فرمایا وہ بموجب اُس آیت سورہ اعراف کے تھا کہ جس میں وعدہ کی تفصیل ہوئی ہے جیسا کہ مصنف مخاطب بھی تبول کرتے ہیں تو وہ آیت اجمالی سورہ البقرہ سے کیونکہ اعتراض کر سکتا تھا اور اگر اعتراض کرتا تو اُس کے اعتراض کی حالت اس سے زیادہ نہوتی جیسی مصنف مخاطب کے اعتراض کی ہے۔

مگر وہ سورہ اعراف کو جانتا تھا کہ جہاں خدا نے تیس دن کے وعدہ کا ذکر فرمایا ہے اُسی جگہ خدا نے ذکر فرزدی دس دن کا کر کے میقات وعدہ چالیس روز بیان فرمائی ہے جو کوئی اس سے جاہل ہو وہ ایسا اعتراض کر سکتا ہے۔

واقعہ صلح حدیبیہ میں جو حضرت عمر کو شک ہوا تھا اُسکی وجہ یہی تو یہی تھی کہ جس وقت پیغمبر نے ارادہ طواف بیت اسد کا کیا تھا تو ولی اور فعل رسول سے حضرت عمر کو یقین ہو گیا تھا کہ اسی سال پیغمبر اور اُنکے ہمراہی مسلمان طواف کریں گے اور مکہ فتح ہو جائیگا لیکن جب ایسا نہوا تو حضرت عمر نے اپنے وقت یقینی پر ویسا نہو نیکی وجہ پیغمبر اور اعتراض کیا کہ اُس وجہ سے نبوت آنحضرت میں شک واقع ہو گیا تھا اور اُنکی حالت قریب قریب حالت قوم موسیٰ کے ہو گئی تھی۔ اور وہ اُس اعتراض اور شک پر اپنے مصرعے کا ایک

سے زیادہ اُنکے ہمسرو کو گونے سمجھایا تو یہی اپنے اعتراض اور شک سے
بٹھے نہیں بیان تک کہ خود پیغمبر کو آخر کا یہ کہنا پڑا کہ میں نے تم سے
یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا۔

کیا پیغمبر کے ایسے ارشاد کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ بمقابلہ اپنے
اُس قول اور فعل کے جس سے حضرت عمر کو یقین ہو گیا تھا حضرت
عمر کے سامنے پیغمبر نے بات بنائی۔ ۹۔ نہیں اسی ہدایت اور
تقلید پیغمبر کے بموجب امام نے کسی امر کے وقت کے بتانے سے
انکار فرمایا ہے اور حضرت عمر کے غلط اور ناجائز طریقہ اعتراض سے
فضل بن یسار نے نصیحت حاصل کر کے اعتراض نہیں کیا ہے
اور وہ کسی ارشاد امام کی وجہ سے امامت امام علیہ السلام کی
نسبت نہ شک کر سکتا تھا اور نہ کسی ارشاد امام علیہ السلام پر
اعتراض کر سکتا تھا جیسا کہ حضرت عمر نے پیغمبر کے قول و فعل
سے ظہور ایک امر کو ایک وقت پر یقین کر کے پیغمبر کی نبوت میں
شک اور اعتراض کیا تھا۔ اور گو اول پیغمبر کے کسی قول اور فعل
سے تعین وقت لازم نہیں آتا تھا لیکن حضرت عمر نے جو اس سے
تعین وقت سمجھ لیا ایسی غلط فہمی کی بنا پر اعتراض کرنا بدتر اُس سے
ہے کہ اگر پیغمبر صریح وقت مقرر کر دیتے اور وقت مقررہ پہنچو اُس امر کا

تھو تا اور حضرت عمرؓ پیغمبر پر اعتراض نہ کیا کی نبوت پر شک کرتے۔
 حضرت عمرؓ کو زیبا تھا کہ اول قول اور فعل رسولؐ سے جو کچھ
 انہوں نے سمجھا تھا اُسکے بوجہ ظہور میں نہ آئے سے خود سمجھ لیتے
 کہ پیغمبر کے اُس قول اور فعل کی حیثیت دوسری تھی۔ اُس وقت کا قول
 اور فعل پیغمبر کا بھی صحیح ہی اور اس دوسرے وقت کا بھی۔ لیکن
 اس درجہ کا ایمان اُنکے قلب میں نہیں تھا اور اُسکی تقلید سے
 مصنف مخاطب روایت زیر بحث کے اخیر فقرہ ارشاد امام علیہ
 السلام پر اس بیان سے اعتراض کرتے ہیں کہ ”اس حدیث کا
 آخری جملہ عجیب چلتا فقرہ ہے یعنی امام نے اُنسے یہ کہہ دیا کہ ہماری
 پیشین گوئی ان غلط ہو جایا کریں تو یہی تم بد اعتقاد نہوا کرو اس میں
 تمکو دونا اجر ملیگا“

<p>۲۷ واذا حد ثناکم الحمد یث فحما علی ما حد ثناکم فقولوا صدق اللہ واذا حد ثناکم الحمد یث فحما علی خلاف ما حد ثناکم فقولوا صدق اللہ توجروا مرا تین“</p>	<p>ترجمہ ۲۷ اور جب بیان کریں ہم تمسے کوئی حدیث اور ہو جائے مطابق اُسکے جو ہم نے کہا تو تم کہو اللہ نے سچ کہا اور جب ہم تمسے کوئی بات بیان کریں اور ہماری خبر کے خلاف واقع ہو تو تم یوں</p>
---	---

کہو کہ اس نے سچ کہا تو تم کو دونا اجر ملیگا

اس فقرہ حدیث کا مصنف اپنی طرف سے یہ مطلب گڑبڑتے ہیں کہ ہم (ائمہ) نے جو خبر بیان کی تھی وہ اس کی طرف سے بیان کی تھی اب جو وہ خبر جوٹی ہو گئی تو درحقیقت اس کا قول جھوٹا ہو گیا مگر اس کو جھوٹا کہنا خلاف ادب ہے اس لیے جب اس کی خبر جوٹی ہو جائے تو تم زبانی سے یہی کہو کہ اس نے سچ کہا تھا اس میں تم کو دونا اجر ملیگا اس میں یہ اشارہ ہو گیا کہ ہم جوٹی خبریں اس لیے بیان کیا کرتے ہیں کہ تم کو دونا اجر ملے

جو بیان اور اظہار مطلب نسبت حدیث کے مصنف مخاطب نے کیا ہے اس کو اور مقصود مضمون حدیث کو دیکھ کر ہر کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ بیان اور مطلب مصنف کا بالکل خود غرضی اور خود مطلبی کی راہ سے ہے غرض اور مطلب مصنف کا یہ ہے کہ جو سٹے الزام اپنی طرف سے پیدا کر کے ائمہ اہلبیت پر لگائے جائیں (ورنہ وہ بیان مصنف کا نہ حدیث کی نسبت صادق آتا ہے نہ وہ مطلب اُس سے متبادر ہوتا ہے۔

شرع مضمون حدیث سے مقصود اس کا صاف ظاہر ہے کہ جب امام سے واسطے امر خلافت کے کہ اہلبیت رسالت میں کیے

انہی کی پوچھا گیا تو امامؑ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے وقت بتایا وہ ٹھیک نہیں نکلا اور اُسکی سند کے لیے امامؑ نے قصہ موسیٰ کا ظاہر کیا کہ جب موسیٰ پیغمبری اور توریت کے لیے خدا کی طرف گئے اور اپنی قوم سے تیس دن کا وعدہ کر گئے اور خدا نے تیس دن پر دس دن زیادہ کر دیے تو موسیٰ کی قوم نے کہا کہ موسیٰ سنہ سے وعدہ خلافی کی اور گوسالہ پرستی کر کے قوم گمراہ ہو گئی۔

اُسی کے ساتھ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب ہم تم سے کوئی بات بیان کریں یعنی اگر کسی امر کا وقت بتائیں اور اُسی کے مطابق ہو جائے تو تم اس بات کے قائل ہو کہ خدا نے سچ کہا اور اگر کوئی بات کہیں ہم یعنی کسی امر کے لیے کوئی وقت مقرر کریں اور اُس وقت پر وہ امر نہ تو ہو ہی تم اس بات کے قائل ہو کہ خدا نے سچ کہا اس لیے کہ ہم اول تو کسی امر کے لیے کوئی وقت نہیں بتا سکتے کہ وقت کا علم ہر امر کے لیے خدا کو ہی اور خدا ہی ہر امر کو اُس کے وقت پر پورا کرتا ہے جبکہ علم سوا اُس کے اور کسی کو نہیں ہوتا۔ اور اگر ہم حیا نا کوئی وقت بتائیں گے تو وہ اذروے ظن اور اندازہ کہ ہوگا اُس وقت اُس امر کے تمام نمونے سے تم خدا اور اُس کے رسولؐ اور ائمہ اہلبیتؑ سے بے اعتقاد اور گمراہ نہ ہو جاؤ جیسے کہ وقت

بتائے ہوئے موسیٰ سے زیادہ دن ہو جانے پر موسیٰ کی خلافت
وعدگی سمجھ کر قوم موسیٰ کی خدا اور پیغمبری موسیٰ سے بے اعتقاد ہو
گمراہ ہو گئی یہ منشا را امام علیہ السلام کا زیادہ مضبوط کرنے والا
اعتقاد مسلما نونکا اور قدرت علم و اختیار فاعل حقیقی کا جتانے
والا ہے کہ لوگ کسی کے بنائے ہوئے وقت پر بھروسہ نہ کریں
اور مطابق اُس وقت کے کسی امر کے پورا نہ ہونے سے شک و
شبہ علم اور قدرت فاعل حقیقی میں نہ کرنے پائین اور ایسی حالت
میں کہ جو موقع شبہ کا ہو اور شبہ نہ کریں اور پہلے ہی سے اُس پر ایمان
رکھتے ہوں بیشک سختی و دُکھ نہ اجر کے ہونگے یہ ارشاد امام کا
اس آیت سے متنبس ہے ۲۲ آیت ۷

۲۲ وَاذْكُرْ لِي وَلِأُولَٰئِكَ اَلَّذِينَ
بَدَّلْنَا مَوَٰجِزَ الْبَحْرِ
مِنۡ قَبْلِكَ ۚ لَمَّا جَاءَ مُوسٰٓى
اٰتَاۡنَاكَ الْكَوۡثَرَ ۚ
اَجْرَهُمْ يَوْمَئِذٍ ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ۚ

ترجمہ ۲۲ اور جس وقت کہ پڑھا جاتا
ہو اُن پر کہتے ہیں کہ ایمان لائے
ساتھ اُسکے تحقیق کہ وہ حق ہی ہمارے
پروردگار کی طرف سے تحقیق کہتے

ہم پہلے اس سے فرمانبرداری کرنے والے یہ ہیں وہ لوگ کہ دیے
جائینگے اجرا پنا دو مرتبہ بسبب اس کے کہ صبر کیا ہے انہوں نے ۲۲
یہ ارشاد امام ایک سچی اور حقیقی ہدایت ہے گمراہی سے بچانے

نکے لیے۔

مگر افسوس ہے کہ منشاء روایت کو اپنی خواہش کے موافق بنیاد
 طور پر تغیر کر کے سد راہ ہدایت اور تعلیم مسلمانوں کے ہو کر زبان
 طعن اسٹیمپر کموتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ امت پیغمبر آخر الزما^ن
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویسی ہی گمراہ ہو جائے جیسے امت موسیٰ
 قیس دن کی سیعاد کو دعوہ خلائی سمجھ کر گوسالہ پرستی کر کے گمراہ ہو گئی
 تھی اور ویسی ہی لوگوں کے دلوں میں شک آجائے جیسا کہ
 پیغمبر کے اول قول اور فعل پر یقین کر کے کہ جو غلط فہمی کے سبب سے
 تھا خدا کی خدائی اور پیغمبر کی پیغمبری پر شک کرنے لگیں خواہ جو لوگ
 کہ بعد فائب ہو جانے نبی آخر الزما^ن کے لوگوں کی نگاہ سے (وفا)
 باوصف اس کے کہ ہارون دقت موجود تھا مثل قوم موسیٰ کے
 اسکو ضعیف کر کے گوسالہ پرستی کرنے لگے اور کرتے چلے آتے
 ہیں اسی طریقہ پر چلے جائیں اور ترک نہ کریں۔ حیف ہے کہ مصنف
 معترض کی جلد ثانی کے دیباچہ سے یہ امید تھی کہ وہ مذہب شیعہ
 پر بحیثیت تحقیق کے اعتراض کریں گے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اپنے
 چہرہ سخن کے جلوہ کی بناوٹ یوں کر شپے۔

مصنف ایک غارہ بناوٹ کو کام میں لا کر دوسرے روپ بنا

کے بدلنے پر تیار ہو کر کہتے ہیں کہ یہ حکمت عملی ائمہ کی پیشین گوئیوں سے مختص نہ تھی بلکہ قرآنی تفسیر میں ہی ہر شخص کے سامنے اُس کے مناسب بیان کر دیا کرتے تھے اور اصل کافی سے یہ روایت صحیح ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

ترجمہ ۲۲ موسیٰ بن اشیم سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس تھا تو اُس نے سوال کیا ایک شخص نے قرآن کی ایک آیت کا امام نے اُس کے معنی اُسے بتائے پھر ایک اور شخص آیا اس نے بھی یہی آیت پوچھی تو اس سے ایسے معنی بیان کیے جو مخالف (غیر) تھے اُس کے جو پہلے شخص سے بیان کیے تھے تو پیدا ہوا اس سے محکوم شک جو چاہا اس نے یہاں تک کہ میرا دل پھریں سے کٹا جاتا تھا تو میں

عن موسیٰ بن اشیم قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام فسالہ رجل عن آیت من کتاب اللہ عزوجل فاخبرہ بما تم دخل علیہ داخل فسالہ عن ثلاث آیات فاخبرہ بخلاف ما اخبر الاول فدخلنی من ذلک ما شاء اللہ حتی کان قلبی فیشرح بالسکاکین فقلت فی نفسی ترکت اباقتاداً بالشام لا یخطی فی النواو و شبہ وجبت الی ہذا یخطی ہذا الخطاء کلہ فبیننا اننا کذلک اذ دخل اخر فسالہ عن ثلاث آیات فاخبر

تجلاؤں ما اخبرنی واخبر صاحبی
فسكنت نفسي فعلت ان ذلك
منه تقیہ ۷۷

نیل میں غلطی نہیں کرتا تھا اور میں اس شخص کے پاس آگیا جو یہی
پوری خطائیں کرتا ہے۔ ہم اسی حال میں تھے کہ ایک اور شخص آگیا
اور اس نے یہی ہی آیت پوچھی تو اس سے ایسے معنی بیان کیے
جو مخالف تھے ان تفسیروں کے جو مجھے اور میرے دونوں ساتھیوں
سے بیان کی تھیں تو میرا دل ٹھہر گیا اور میں نے جان لیا کہ یہ انکا
تقیہ ہی ۷۷

اس کے بعد بقیہ روایت یہی جس کو مصنف نے نقل
نہیں کیا ہے۔

۷۷ قال ثم التفت الى فقال لي
يا بن اشيم ان الله عز وجل
فوض الى سليمان بن داود
عليه السلام فقال هذا عطاؤنا
فامتن او امسك بغير حساب
وفوض الى نبيه عليه السلام

ترجمہ ۷۷ راوی کہتا ہے کہ پھر ملتفت
ہوئے (امام علیہ السلام) میری
طرف اور فرمایا مجھے اے اشیم
اشیم تحقیق کہ اسد عز وجل نے سپرد
سلیمان بن داود علیہ السلام کے
پس کہا ہے (حذرانے) یہ بخشش

فَقَالَ مَا أَشْكَمُ الرَّسُولَ فَعَنْدًا
وَمَا أَهْلَكُمْ عِنْدَهُ فَأَنْتُمْ أَفْوَاقًا فَوَضَعَ
الْحَسَنُ يَدَيْهِ عَلَى رَأْسِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ
وَالهِ فَقَدْ فَوَضَهُ إِلَيْنَا

ہماری ہر پس بخش تو یا بند کر گئے
تو بغیر حساب کے اور تفویض کیا
(اس نے) طرف اپنے نبی علیہ
السلام کے اور فرمایا اور جو کچھ

وہ تم کو رسول پس لو تم اُس کو اور جو کچھ کہ منع کرے تم کو اُس سے
پس باز رہو تم پس جو کچھ کہ سونپا (خدا نے) طرف رسول کے
پس تحقیق کہ سونپا اُس نے اُس کو طرف ہمارے

واضح ہو کہ مصنف نے جس قدر یہ روایت نقل کی ہے اُس
کے اخیر میں یہ الفاظ ہیں ”فَعَلِمْتَ أَنَّ ذَلِكَ مِنْهُ تَقِيَّةٌ“
اور جبکہ ترجمہ مصنف نے یہ کیا ہے ”اور میں نے جان لیا کہ یہ لُحْظِہ
تَقِيَّةٌ ہے“
واضح ہو کہ اس حدیث میں یہ لفظ ”تَقِيَّةٌ“ بتائے فوقانی
میں ہے بلکہ ”بقیہ“ ساتھ بائے یک نقطہ تحتانی کے ہے جس کا
ترجمہ یہ ہوگا ”پس جانا میں نے کہ وہ (بیان) اُن کا باقی ماندہ ہے“
مصنف نے بعد نقل اول حصہ روایت کے یہ ظاہر کیا ہے
کہ ”اس کے بعد اس روایت میں یہ مضمون ہے کہ امام نے مجھے کہا کہ
اس نے ہکو اختیار دیدیا ہے کہ ہم جو چاہیں وہ کہہ دیں“ اخیر مضمون

روایت کاہنے نقل کر کے اُسکا ترجمہ لکھ دیا اُسکے دیکھنے سے ہر کوئی جان سکتا ہے کہ صنعت مخاطب نے جو مضمون یا نشتا اُسکا ظاہر کیا ہے وہ کس قدر غلط ہے۔

امام علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ میں نے ہکوختیا دیدیا ہے کہ ہم جو چاہیں وہ کہیں بلکہ امام علیہ السلام نے اُن آیات سے جو حضرت سلیمان اور پیغمبر آخر الزمان کے باب میں نازل ہوئی ہیں اُن سے اقتباس کر کے یہ فرمایا ہے کہ میں نے خدا سے انبیاء کے تفویض کیا ہے کہ جس قدر وہ چاہیں دیدیں اور جس قدر چاہیں روک رکھیں اور جو کچھ کہ رسول دے اُسکو لینا چاہیے اور جو کچھ کہ نہ دے اُسپر سکوت کرنا چاہیے اور جو کچھ کہ خدا نے رسول کی طرف تفویض کیا ہے وہ رسول نے ہکو سپرد کر دیا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہم جس قدر جسکو چاہیں اُس قدر اُسکو دین اور جس قدر جسکو چاہیں ندین اور اُس سے روک رکھیں۔

اس صحیح اصول سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر شخص کی تعلیم اُسکی قابلیت کے مطابق ہونا چاہیے جس میں مصلحت وقت اور صلاح روزگار مناسب حال ہوتی ہے۔ (دیکھو جلد اول رسالہ روشنی اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۶ و ۱۷ بحث نمبر ۱۰)

اور ضمیمہ حصہ دوم جلد اول بحث نمبر (۲۳)
مصنف اس روایت پر یہ نکتہ پیدائی کرتے ہیں کہ یہ اصحاب
ائمہ کی خوش عقاد سی بخوبی معلوم ہوئی مگر وہ کیا کرین ائمہ کی باتیں
ہی ایسی تھیں کہ ایک بات پر انکو قرار نہ تھا حق کہنے والا ہمیشہ
ایک بات کہتا ہی اور جو شخص لوگوں کو اذی کر نیکی لیے ہر شخص سے
اُسکی مرضی کے موافق باتیں کرتا ہی بے لایسے متعین کو بد اعتقاد
کیون نہ پیدا ہو۔ افسوس کہ ائمہ قرآن کی تفسیر میں ہی ایک قول
حق پر قائم نہ تھے۔

مصنف نے جو کچھ اس روایت پر اعتراض کیا ہے وہ خلاف
واقع اور مخالف حقیقت منشاء روایت کے ہے۔ اس روایت سے
ظاہر ہے کہ یہ روایت اُسوقت کی ہے کہ جب حالت زمانہ یہ تھی کہ
حکومت اور خلافت مخالف ائمہ اہلبیت کے ائمہ ہدایت دین
کے لیے سوا ائمہ اہلبیت کے تیار کر لی تھی اور تیار کر چکی تھی۔
تاکہ ائمہ اہلبیت ضعیف ہو جائیں اور رجحان لوگوں کا اُنکی طرف
کو نہ کہ بنیاد خلافت نہ اوکڑ جائے۔

چنانچہ ابو قتادہ عدوی جب کانام تہیم بن نظر تھا علمائے سنت
سے کہ جوتا بعین صحابہ میں سے شمار کیا جاتا تھا امام ہدایت شمار

میں قرار کیا تھا جسکا ذکر اس روایت میں ہے اور علی العموم لوگ جو
اتباع اُن حکومتوں اور خلافتوں کا کرتے تھے وہ سوائے ائمہ اہلبیت کے
اُن ائمہ کی طرف جنکو حکومتوں اور خلافتوں نے پیدا کیا تھا رجوع
رکتے تھے اور ایسے لوگ بہت کم تھے کہ جو خالصتہ اور مخلصتہ بعد
پیغمبر ائمہ اہلبیت کو اپنا مادی دین جانتے ہوں اور غیر کی طرف
رجوع نہ کرتے ہوں لیکن باوصف اُن کوشمشون کے جو ائمہ
اہلبیت کی مخالفتوں میں حکومتیں اور خلافتیں زمانہ کی کرتی
تھیں حقیقت امامت ائمہ اہلبیت کی وجہ سے کچھ لوگ اُدھر
سے اُدھر رجوع کرتے رہتے تھے۔

موسیٰ بن اشیم جو مادی اس حدیث کا ہر وہ بی اُسی قسم کا
تاکہ جو پہلے اپنی گردن میں قلابہ اطاعت ابو قتادہ کا رکھتا تھا
ایسے لوگوں کے لیے کالمیت ایمان کا درجہ ائمہ کے ساتھ خوش
کا بتدیج ہو سکتا تھا نہ دفعۃً اور علم ائمہ اہلبیت کے بمقابلہ دوسروں
کے آہستہ آہستہ قائل ہو سکتے تھے نہ ایک دم سے۔

بلکہ ائمہ اہلبیت زینہ برزینہ مراتب کالمیت ایمان پر اُنکو
بذریعہ اپنی تعلیم اور ہدایت کے ایسی حیثیت سے پہنچاتے
تھے کہ اُنکے دماغ اور قلب میں قابلیت ہر امر کی پیدا ہوتی جائے

اور وہ بتدیج ہرام کی حقیقت کو قبول کرتے جائیں جیسے کہ قانون قدرت آہستہ آہستہ ایک بچہ کو تعلیم حقیقت اشیاء کی دیتا ہے۔ موسیٰ بن اشیم کے جس زمانہ کی یہ روایت ہو اُسکی حالت اُس زمانہ کی اس قابل نہیں ہے کہ اُس سے تمام خالص اور مخلص کامل الاعتقاد اصحاب ائمہ کی خوش اعتقاد سی کا اندازہ کیا جائے۔ البتہ اُسکی حالت حقیقت امامت کا موازنہ کر سکتی ہے۔ بآد اسکے کہ مخالف ائمہ اہلبیت کے حکومت اور سلطنت جو ائمہ پیدا کرتے تھے اُس سے بے اعتقاد ہو کر لوگ امام برحق کی طرف رجوع کرتے تھے اور گواہیے لوگوں کو ابتداً کہی کہی کسی قسم کا شبہ امام برحق کی نسبت ہو جاتا تھا لیکن بالآخر وہ مومن کامل ہو جاتے تھے۔

نتیجہ نکالا ہوا مصنف کا صحیح نہیں ہو سکتا کہ ائمہ کی باتیں ایسی تھیں کہ ایک بات پر انکو قرار نہ تھا حق کہنے والا ہمیشہ ایک بات کہتا ہے اور جو شخص لوگوں کو راضی کر نیکیے ہے ہر شخص کی مرضی کے موافق باتیں کرتا ہے اُسکے معتقدین کو بد اعتقاد ہی کہیں نہو۔

اسی قسم کی روایت پر بحث جلد اول رسالہ روشنی نمبر ۱۸ حصہ

اکتوبر ۱۹۲۳ء میں ہو چکی تھی۔ اس روایت میں بھی وہ آیت اور وہ تفسیر جو ہر ایک شخص سے امام نے فرمائی تھیں اور انہیں یہی جس سے صحیح معلوم ہو جاتا کہ چونکہ محمدی مصنف کرتے ہیں وہ بنی بنیاد ہی تاہم روایت اور ارشاد امام علیہ السلام میں ایسی تصحیح موجود ہو کہ جس سے اعراض مصنف مخاطب کا برقرار نہیں رہ سکتا ہے۔ علمائے اہلبیت مثل دربیگہ موزن تھا بنظر امام علیہ السلام ہر شخص کے ہر ایک سے اپنے علم کا کچھ کچھ حصہ ظاہر فرمادیتے تھے اور جب قدر ایک سے کچھ فرماتے تھے دوسرے سے اپنے علم کا دوسرا حصہ روک رکھتے تھے۔

یہی ظاہر ہے کہ قرآن میں آیات مخلفات اور متشابہات ہیں اور قرآن کا ظاہر اور باطن بھی ہے۔ اور امام سے بہتر کوئی قرآن کا جاننے والا نہیں ہو سکتا وہ بنظر مصحفیت زمانہ کے ہر قسم کی تاویل عمدہ شخص کے سامنے جداگانہ بیان فرماتے تھے۔

جن لوگوں کو تبحر علمی ہوتا ہے وہ ہمیشہ ایک امر کو متعدد طور پر بیان کیا کرتے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ انکو ایک بات پر قرار نہ دیا جو کوئی صرف ایک بات کہنے والا ہو وہ حق کا کہنے والا سمجھا جائے۔

کم و ہمت علم رکھنے والے مخصوصا جو لوگ کہ طواہر کے دیکھنے والے ہیں انہیں قدامت کا طبعیت علم کی ایسی ہوتی ہی نہیں کہ وہ ایک اور کہ متغیر و طور پر بیان کر سکیں اور اُن کیساتھ یہ امر بھی ضرور قرار نہیں پاسکتا کہ وہ حق کہنے والے ہوں۔

جن لوگوں میں کہ مادہ علمیت کم ہوتا ہے یا جو ظاہر پر نظر کر کے ایک ہی بات لئے چلے جاتے ہیں جب اُس امر کو باطن کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات اُنکی ناحق ہے۔

اس امر پر ہی یقین کرنا چاہیے کہ اہل علم جب کسی مسئلہ کو بیان کرتے تو ہمیشہ اُنکے الفاظ اور انکاحاظ پر بیان دوسرا اور دوسرا وضع کا ہوگا۔ مگر نتیجہ مفہوم میں کہی غلطی اور اختلاف نہیں ہو سکتا اور جو لوگ کہ ایک مضمون بنائے ہوئے اپنے کو یاد کر رکھتے ہیں اُن سے ہمیشہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ اُنہیں الفاظ کو زبان سے نکالا کریں تاکہ کسی واد یا تشوش میں خطا نہ ہو جائے۔

جیسے کسی دانا اقبال کی حکایت مشہور ہے کہ کسی کتاب کے نقل کرتے کیسے وقت جو ایک مکی صفحہ پر چٹھی ہوئی پائی تو اس نے یہی ایک نامی مار کر اُسی وقت پر چپکا دی۔

ایسے لوگوں کی قابلیت کی نسبت بیشک عقلا کو بد اعتقاد

ہو جاتی ہے لیکن علمائے متبحر جو ایک ہی امر کو متعدد طور پر بیان کرتے ہیں جہن نظر مادہ قابلیت انسانوں اور مصلحت و نفع پر مبنی ہوتی ہے لائق اور دسی فہم لوگوں کا اعتقاد انکی نسبت بچتہ ہو جاتا ہے اگر ائمہ اہلبیت کی تفسیریں اسی شان کی ہوتی ہتین مصنف نے اس مقام پر اجمال اور کسی قدر تفصیل سے اپنی پچھلی تحریر و نگاہ اعادہ کیا ہے جسکی حقیقت ہم انہیں موقع نہ دے سکتے ہیں اور جسکے اعادہ کی ہر کم ضرورت نہیں ہے۔

مگر ہاں مصنف نے جو یہ اعادہ کیا ہے کہ ”امام ابوحنیفہ کے سامنے قسم کھا کر انکی تعریف کر دی جب وہ اوٹھ گئے تو محمد بن مسلم کی خاطر سے انکی ہجو کر دی“ اسکی حقیقت بھی ہم بحث نمبر ”نوبیر السنۃ“ جلد اول رسالہ ”روشنی میں بخوبی دیکھا چکے ہیں کہ اخلاق محمدی کیا تھا اور کفار اور منافقوں کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرتے تھے اسیکی تائید میں ایک روایت معتد کتب اہلسنت سے ہم اور پیش کرنا چاہتے ہیں اور جسکو صاحب مشکوٰۃ نے مستحق علیہ کہا ہے اور جس سے مراد یہ ہے کہ وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔

”روایت ہے بی بی عائشہ سے کہ تحقیق ایک شخص نے ان

ماں کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا پس فرمایا کہ اذن دو
 آسکو آنے کا پس براہی اپنی قوم میں اور جب بیٹھا وہ کشادہ پیشانی
 کی حضرت صلعم نے بیچ ملاقات اسکی کے پھر کیا واسطے اس کے
 یا بیٹھی باتیں کیں اس سے پس جبکہ چلا گیا وہ شخص عرض کیا بی بی
 عائشہ نے یا رسول اللہ کہا تھا آپ نے اُسکے حق میں ایسا اور
 ایسا پھر کشادہ رونی کی اپنے بیچ ملاقات اس کی کے اور بیٹھی
 باتیں کیں اس سے پس فرمایا آنحضرت نے کب پایا تو نے نکل خوش
 بولنے والا تحقیق بدترین آدمیوں کا نزدیک اس کے مرتبہ میں دن
 قیامت کے وہ شخص ہر کہ چوڑی میں آسکو لوگ واسطے بچے بُرائی
 اسکی کے اور ایک روایت میں واسطے بچے نفلش اس کے کے

صاحب مظاہر الحق شاح شکوۃ لکھتے ہیں کہ یہ وہ شخص مینہ
 بن حصین تھا مولفۃ القلوب اور سنگد لان عرب سے اور اپنی قوم
 میں رئیس اور بدخلق تھا اور آثار نقصان دین و ایمان حضرت کے
 حیات میں اور بعد وفات کے ظہور میں آئے بعد رحلت آنحضرت
 کے مرتد ہو گیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر تجدید اسلام کر کے
 مسلمان ملا اور اسوقت میں کہ آنحضرت صلعم کے پاس آیا اور اظہار
 اسلام کیا تھا اسلام کامل نہ تھا اور کلام آنحضرت کا اس کے حق

فین علامات نبوت اور معجزات سے تھا کہ خبر غیب اور حقیقت حال اس کے سے دی آخر کو آنکھ بدی ار تہداد وغیرہ کے اس سے ظہور میں آئے اور یہ مذمت اس واسطے کی تاکہ لوگ اسکو پچا نہیں اور فریب نکلیں اور فتنہ میں نہ پڑیں۔

اور نویں نے کہا کہ ۱۷ حضرت نے اس سے نرم کلام واسطے تالیف قلب اسکے کے کیے اور اس سے معلوم ہوا کہ جانتی ہمارا اسکی کہ ڈر ہوا اسکی فحش کوئی اور ضرر کا اور جانتی غیب فاسق کی اور فرق درمیان مہامات اور ماہنت کے یہ ہے کہ مہارات خیر کہنا دنیا کا ہے واسطے اصلاح دنیا کے یا دین کو یاد و نون کے مٹا اور یہ مباح ہے اور بعض اوقات میں اچھی ہوتی ہے اور ماہنت خیر کرنا دین کا ہے واسطے کسی اصلاح کے اور حضرت نے جو فرمایا کہ کب پایا تو نے مجھ کو فحش بولنے والا یہ انکار ہے بی بی عائشہ کی اس بات پر کہ آپ نے مخالفت کی حاضر و غائب میں پس کیوں بُرا کہا آپ نے اسکو حاضر میں جیسے کہ بُرا کہا آپ نے غائب میں اور واسطے بچنے فحش اسکے کے اس حدیث کے دو معنی لکھے ہیں ایک تو یہ کہ میں نے اسے اس کے مُتہ پر فحش اور سخت نہ کہا بسبب اسکے کہ فحش گوینوں میں اور اس باعث سے نہوں کہ لوگ ساتھ ترک کرنے انکے

کے کہیں بسبب فحش اُنکے کے دوسرے یہ کہ وہ شخص شریر تھا۔ بسبب اسکے چوڑ دیا میں نے اور اُسکے پُتنہ پر اُسکو بُرا نہ کہا اور پھر شخص ہی وہ کہ چوڑ دین اُس کو لوگ بسبب بہرہینز کرنے کے بُرائی اُس کی سے۔

اس روایت اور اقوال مثلاً زمین سے یہ ظاہر ہے کہ جس کسی شریر شخص سے کسی قسم کا خوف ہو تو اُسکی شرارت سے بچنے کے لیے اُسکی غیبت میں اُسکو برا کہنا اور اُسکے سامنے اُسکی مذمت نہ کرنا اور اغساب سے اُسکے ساتھ پیش آنا دقت ملاقات کے ضرور ہے جس میں یہ ہدایت اور نصیحت بھی ہوتی ہے کہ اُسکی مذمت سے اُسکو لوگ پیچھا نہیں اور فریب نہ کہائیں اور فتنہ میں نہ پڑیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ کی حالت اور مصلحت روزگار کی کیشیت ہم پہلے دکھا آئے ہیں جو نتیجہ تاریخی حالات کا ہے اُس حالت کو ذہن نشین کرنے کے بعد جب اُسکو اُس اصول سے مقابلہ کیا جائیگا جو پیغمبر خدا صلعم نے قرار دیا تھا اور فعل امام علیہ السلام کا اندازہ کیا جائیگا تو معلوم ہو جائیگا کہ امام علیہ السلام اُسی اصول پر قدم مقدم پیغمبر خدا صلعم کے چلے ہیں اور علما ماہلسنت نے جو نتیجہ اُس اصول پیغمبر سے نکالا ہے وہی فعل امام علیہ السلام سے نکلتا ہے نہ کچھ اور۔

مصنف اُسی اعادہ کے ساتھ کہ صحابہ کی کبھی تعریف کر دیتے
اور کبھی بڑائی کر دیتے یہ مضمون منضم کرتے ہیں کہ ۱۱ امام موسیٰ کاظم
جب لڑکے تھے تو عیسیٰ شلقان نے اُسے امام جعفر صادق علیہ السلام
کی شکایت کی اور یہ کہا -

۱۱ یا غلامِ مارتوی ما یصنع
ابول یا مرنابا لشی تم پنجانا
عنه امرنا ان نقوی اباخطاب
ثم امرنا ان نتبوا منه ۱۲

ترجمہ ۱۱ اے لڑکے تو نہیں دیکھتا
کہ تیرے باپ کی کیا حرکتیں ہیں ہم
کو ایک چیز کا حکم کرتا ہی پھر اُس سے
منع کر دیتا ہی ہم کو ابواخطاب

سے محبت کر رہتے کا حکم کیا تھا پھر ان سے بیزاری کا حکم دیا ۱۲
مصنف نے ایک گلدہ اور روایت کا نقل کیا ہے اور اس میں بھی
۱۱ نمبر ۱۱ سے ماقبل کا نقطہ چھوڑ دیا ہے جب کا ظاہر کرنا ہم بھی غیر ضروری
سمجھتے ہیں کہ وہ کلمہ نتیجہ بیزاری کا یا ظاہر کرنے والا بیزاری کا ہے۔
لیکن مصنف نے جو حصہ روایت ترک کیا ہے اُنکو لازم تھا کہ اس
روایت کو پورا نقل کر کر اُس پر بحث کرتے تاکہ منشاء روایت سے
ظاہر ہو جائے کہ مصنف مخاطب کے اعتراض کی کیا وقعت ہے اسلئے
ہم پورا اُس روایت کو نقل کرتے ہیں گلدہ ۱۱ نمبر ۱۱ سے قبل جو لفظ
اُسکو ہم بھی چھوڑ دین گئے گا لاکھنا بنظر تو ہم مصنف مخاطب کے خلاف

اخلاق پر۔

عن عیسیٰ شلقان قال کنت
 قاعد افراہوا بحسن موسیٰ
 علیہ السلام ومعہ بھمة
 قال قلت یا غلام ما ترئی
 ما یصنع ابوک یا مرنا بالشیء
 ثم ینھانا عنہ امرنا ان نتولی
 ابا الخطاب ثم امرنا ان یتبرأ
 منه فقال ابوا بحسن علیہ
 السلام وهو غلام ان الله
 خلق خلقا الایمان لا نردل
 له وخلق خلقا الکفر لا نردل
 له وخلق خلقا بین ذلک
 احاسرہ الایمان یسمون لمقا
 اذا شاء سلھم وکان ابو الخطاب
 ممن اعیر الایمان قال خلعت
 علی ابی عبد الله علیہ السلام

ترجمہ عیسیٰ شلقان سے روایت
 ہو گیا کہ بیٹا تھا میں (خانہ امام)
 جعفر صادق علیہ السلام میں
 پس گئے ابوا بحسن موسیٰ
 علیہ السلام اور ان کے ساتھ بھما
 انکا تم راوی کہتا ہے کہ کہا میں نے
 (یہ عنوان خوش طبعی کہ ابو کو ان کے
 ساتھ کی جاتی ہے) اے لڑکے
 نہیں دیکھتا ہے تو جو کچھ کرتے
 ہیں باپ تیرے حکم دیتے ہیں
 ہکو ساتھ ایک چپر کے پر شیخ
 کرتے ہیں ہکو اُس سے امر کیا
 ہکو یہ کہ دوست رکھیں ہم
 ابو الخطاب کو پر حکم کیا ہکو یہ
 کہ نیراری کریں ہم اُس سے
 پس فرمایا ابوا بحسن نے درحالیہ

فَاخْبِرْتَهُ مَا قُلْتَ لَا بِي الْحَسَنَ	وہ لڑکے تھے تحقیق کہ خدائے
عَلَيْهِ السَّلَام وَمَا قَالِي	پیدا کی ایک خلق واسطے ایسا
قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ	کے نہ دور ہوگا وہ اُسے سنا اور
أَنَّهُ نَبِيٌّ لَا	پیدا کی ایک خلق واسطے اُسے

کے ہمیشہ رہیگا اُسکے لیے اور پیدا کی ایک خلق درمیان آسکے
کہ عاریت دیا ایمان اُسکو نام رکھا اُنکا عاریت دیے گئے۔
جسوقت چاہے اندر سلب کرے اُسے اور تہا ابوا خطاب
(عاریت دیا گیا ایمان اُسکو) راوی کہتا ہی پس داخل ہوا میں
امام جعفر صادق علیہ السلام پر اور جردی میں نے اُنکو جو کچھ کہنا
تھا میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے اور جو کچھ کہنا
نے فرمایا تھا مجھے پس فرمایا امام جعفر علیہ السلام نے تحقیق کہ
وہ ایک شلخ درخت نبوت ہی ہے

مصنف نے جسقدر کہ ٹکڑا روایت کا نقل کیا ہی اُسپر
یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ائمہ نے اپنے شیعوں کو راضی رکھنے
اور ارتداد سے روکنے لیے اپنی عصمت کا ہی تو لحاظ نہ رکھا
اور کیسی کیسی ناجائز باتیں گوارا کیں مگر اصحاب ائمہ کی یہ حالت
تھی کہ وہ اُنکے روکے سے نہیں رکھتے تھے اور ہمیشہ نافرمانی اور

گمشدہ کرتے تھے لیکن خود پورا مضمون روایت کا اُن تمام
 اعتراضات کو دفع کرتا ہے کہ جو مصنف نے طبعاً پیدا کیے ہیں
 مضمون روایت سے ظاہر ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
 اُس وقت ایسے کم سن تھے کہ ایک بکری کا بچہ بطور کھیلنے کے اُنکے
 ساتھ مین تھا۔ کسی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ عیسیٰ شلقان
 ایسے کم سن صاحبزادہ سے اُنکے پدر امام زمانہ کی شکایت کرتا
 جیسا کہ مصنف مخاطب نے خیال کیا ہے بلکہ درحقیقت عیسیٰ
 شلقان نے باعتبار اُنکے سن کے اُنکو بچہ سمجھ کر بطور خوش طبعی کے
 اُنسے وہ کلمہ کہا تھا لیکن امام آئندہ اپنے بچپن میں ہی ایک
 ایسے اعلیٰ درجہ کی قدرت رکھنے والا ہوتا ہے جو دوسرے لوگوں کو
 وہ قدرت نہیں ہوتی لہذا اُسی کم سنی کے زمانہ میں امام نے
 وہ جواب دیا کہ جسکو خود امام جعفر صادق نے قبول فرمایا۔ اور
 مصنف اُسپر کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکے۔ اور اگر عیسیٰ شلقان
 کا وہ کلمہ بطور شکایت کے جیسا کہ مصنف ظاہر کرتے ہیں قبول
 کر لیا جائے تو یہی یہ قبول کرنا ہوگا کہ عیسیٰ شلقان کا وہ زمانہ
 اُسکی تعلیم اور ہدایت پانچا تھا اور جس امر میں کہ اُسکو تردد ہوا
 تھا اُسکا جواب اُسکو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے دے دیا لیکہ اُنکا

زمانہ لوگوں کا تھا ایسا دیدیا کہ جس سے اُسکی تشفی ہوگئی اور کہیں
نہو جاتی کہ وہ شاخ و رخت نبوت کی تھے اور جو اپنے پاپ امام
علیہ السلام سے تعلیم پاتے تھے۔

گو عیسیٰ شلقان کو اس امر میں ایک تعجب ناک تردد ہوا
کہ پہلے امام نے ابوالخطاب سے دوستی کا امر کیا اور پھر اُسکی نہی کی
اور اُس سے بیزاری کا حکم دیا لیکن جب اُسکی حقیقت اُسکو معلوم
ہوگئی تو پھر اُس نے کوئی نافرمانی اور سرکشی نہیں کی۔

بیشک ائمہ معصومین سے یہ امر ضرور ہوا اور ہونا چاہیے تھا
کہ وہ اپنے شیعوں کو ایسی ہدایت فرماتے کہ وہ مذہبِ اہلبیت
کے قبول کرنے پر راضی رہیں اور ارتداد سے بذریعہ اپنی تعلیم
کے اُنکو روکیں۔

جس کسی امر کی حقیقت وہ ظاہر کرتے تھے اُس میں اُنکو اپنی
عصمت کا ملحوظ رکھنا کیا معنی بلکہ وہ عصمت ہی اُنکی حقیقت
اُس امر کی اُن سے کہلاتی تھی اور بنظرِ حالت مخالفت زمانہ کے
غیر ممکن تھا کہ غیر معصوم ایسی جرأت ہدایت کی کر سکے جس میں ایسی
مصلحت وقت کی ہی ہمیشہ ملحوظ ہوتی تھی جو ایک حکیم دانا کو ضرور
ہونی چاہیے۔

وہ ناجائز باتیں ہرگز نہیں تھیں بلکہ ایسے سچے اور حقیقی امور ہیں
 فرماتے تھے کہ جنہر کوئی اعراض کسی سے کسی وقت نہیں ہو سکتا
 اور اس وجہ سے مصنف بیان دلیل امام علیہ السلام پر کوئی اعتراض
 نہیں کر سکتے۔

امام علیہ السلام نے یہی بیان فرمایا ہے کہ ”خدا نے تین طرح کی
 مخلوق پیدا کی ہے ایک ایمان کے لیے ایک کفر کے لیے کہ جسے وہ
 لازوال ہوا و تیسری مخلوق درمیانی ہے کہ جنکو عاریت دیا ہے ایمان
 جب خدا چاہتا ہے اس سے ایمان سلب کر دیتا ہے“

یہ ارشاد امام علیہ السلام کا ایسا سچا ہے کہ اُنکے مخالف تمام
 روئے زمین کے اگر جمع ہو کر چاہیں تو اُسکی قبح نہیں کر سکتے۔
 اس روایت میں جواباً الخطاب کا ذکر آیا ہے اور جسکی نسبت
 بتایا گیا ہے کہ اُسکو ایمان عاریت دیا گیا تھا ”ناظرین فردشتاف“
 ہونگے کہ ابوالخطاب کون شخص تھا اور کس سے مراد ہے اور مصنف
 مخاطب کو بھی لفظ خطاب سے شبہ ہو گیا ہے اور اُنہوں نے اپنی
 ذہانت سے سمجھ لیا ہے کہ اُس میں کنا یہ اُس محاورہ اہل زبان کا
 ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو اذیت پہنچاتا ہے اور اُسکا بیٹا اُس
 سے زیادہ اذیت رسان ہو تو اُسکی نسبت یہ بولا جاتا ہے کہ وہ

اپنے باپ کا ہی باپ ہے۔ اور عیسیٰ شلقان کی اُسوقت کی حالت
خوش طبعی مصنف مخاطب کی ذہانت کے لیے اور زیادہ موزوں
ہو گئی ہو۔ اگر مصنف مخاطب کو یقین ہو جاتا کہ لفظ ابو الخطاب
میں کوئی کنایہ یا مذاق نہیں ہے تو وہ ہرگز اس روایت کو اعتراض
کے لیے منتخب نہ کرتے۔

ابو الخطاب کنیت تھی محمد بن مقدس اسدی کی اور وہ
ابتداء میں اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام میں شمار کیا جاتا
تھا لیکن آخر میں بسبب اظہار مذاہب فاسدہ کے مطرد ہو گیا
اسیے شخص کے لیے امام علیہ السلام نے جو اول دوستی کا حکم دیا
اور جب وہ طریقہ ائمہ اہلبیت سے گمراہ ہو گیا اُسکو عاریۃ الایمان
قرار دیکر اُس سے بیزاری کا حکم دیا تو اس ہدایت کی شان ویسی ہی
ہے کہ جیسے پیغمبر کے حمد میں جو لوگ ایمان لائے تھے اُن سے دوستی
کا حکم تھا اور پھر جو لوگ حمد پیغمبر میں یا بعد وفات اُن کے مرتد ہو گئے
اُن سے بیزاری لازم قرار پائی یہاں تک کہ بعض کو ارتداد کی تہمت
لگا کر قتل کیا گیا۔

امام علیہ السلام نے ابو الخطاب کی نسبت جسے اول طریقہ
ائمہ اہلبیت پہنچانا شروع کیا تھا اگر دوستی کا حکم دیا اور جب وہ اُس

طریقہ سے مخرف ہو گیا تو اُس سے بیزاری کا حکم دیا تو ایسی ہدایت
 امام علیہ السلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔
 ایسے صحیح طریقہ ہدایت ائمہ اہلبیتؑ کو جو مطابق قرآن کے
 ہی مصنف ناپسندیدہ شیوہ ظاہر کر کے اصحاب ائمہ کا حال بیان
 کرتے ہیں۔

روایت اصول کافی

ترجمہ: ابن ربیع سے روایت	عن ابن سیرین قال سمعت
ہو وہ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر	ابا عبد اللہ علیہ السلام
صادق علیہ السلام سے سنا کہ	يقول لا بی بصیر اما واللہ
ابو بصیر سے فرماتے تھے کہ وہ	لوانی اجد منکم ثلاثۃ مؤمنین
اگر میں تم میں سے تین مؤمن سے	یکتمون حدیثی ما استحللت
پاؤں جو میری حدیث کو چپاؤں	ان اکتمہم حدیثا

تو پھر میں تم سے اپنی حدیث چپاؤں تا روانہ رکھوں۔
 پھر ایک دوسری روایت کا مقصود لکھتے ہیں کہ اگر کیر
 شیعی پورے سترہ ہوتے تو میں جہاد کرتا۔
 لیکن اس موقع پر ہم اُس روایت کا پورا ترجمہ نقل کرتے ہیں
 تاکہ اُسکا منشا اور مقصود معلوم ہو جائے۔

رسدیر صیرفی سے روایت ہے کہ اُس نے کہا کہ میں امام جعفر صادق
 کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اُسے عرض کیا قسم ہی خدا
 کہ آپ کو گنجائش نہیں ہے گھر میں بیٹھنے (گوشہ نشینی) کی فرمایا
 کس واسطے اے سدیر؟ میں نے کہا بسبب کثرت آپ کے
 غلاموں کے اور آپ کے پیروں کے اور آپ کے مددگاروں کے قسم ہی خدا
 کی اگر امیر المومنین کے لیے اُس قدر ہوتے جس قدر آپ کے لیے ہیں
 پیرو اور مددگاروں اور غلاموں سے تو طمع نہ کرتا اُس میں تیم اور نہ
 عدی۔ پس فرمایا کہ کس قدر ہونگے؟ میں نے کہا سو ہزار۔
 فرمایا (تعجباً) سو ہزار۔ میں نے کہا ہاں اور دو سو ہزار۔ پھر
 فرمایا (تعجباً) دو سو ہزار۔ کہا میں نے ہاں اور نصف دنیا
 (نصف مسلمان امت رسول کہ اُس کی نگاہ میں وہی دنیا
 اُس موقع پر تھی) راوی کہتا ہے کہ خاموش ہو گئے امامؑ۔ بعد
 اُس کے فرمایا کہ اگر دشوار نہ تو تو ہمارے ساتھ چل بیج۔ پس
 دراز گوش اور خچر پر زین کھینچنے کا حکم دیا پس میں (راوی) نے
 سبابت کی اور دراز گوش پر سوار ہوا۔ امام نے فرمایا کہ اے
 اے حضرت ابو بکر قبیلہ بنی تمیم سے ہیں اور ان کے جانشین حضرت عمر قبیلہ
 بنی عدی سے۔ امام ایک موضع کا ہے۔

سید پرہیز کرتا ہی تو کہ سوار ہون میں دراز گوش پر۔ کہا میں نے کہ چڑھا
 زمین اچھا ہی اور آراستہ ہی فرمایا کہ دراز گوش زیادہ ہمواری کرتا ہی
 میرے ساتھ۔ پس اتر آیا میں۔ اور حضرت دراز گوش پر سوار ہوئے
 اور میں چھر پر۔ پس ہم روانہ ہوئے اور نزدیک ہو گیا وقت نماز
 کا۔ پھر فرمایا کہ اسے سید اتر اور ہمارے ساتھ نماز پڑھ۔ بعد اسکے
 فرمایا کہ یہ زمین شورہ زار ہی اور بنبن جا سکتا ہی نماز اُس میں۔ پس چلے
 ہم تا آنکہ پہونچ گئے ہم زمین سترخ پر (شورہ زار زمین نہ تھی) اور دیکھا
 ہم نے ایک لڑکے کو جو بکریاں چرا رہتا پس فرمایا کہ قسم خدا کی اے
 سید یا اگر ہو دین واسطے میرے پیرو گنتی میں ان بکریوں کے برابر
 تو گناہ تو مجھ کو بیٹھنے کی۔ پس اترے ہم اور نماز پڑھی ہم نے
 اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں بکریوں کی طرف پھرا اور انکو
 شمار کیا تو ۱۔ ۲ تین ۱۱

پھر مصنف یہ کہتے ہیں کہ ۲۲ امام موسیٰ کاظم ؑ نے فرمایا میرا
 مطیع اور فرمانبردار فقط ایک ہی ۱۱ اور مجالس المؤمنین کی روایت جو
 کشی سے لی ہی نقل کرتے ہیں۔

۲۲ ما وجدنا احدا یقبل بوضیعی
 وترجمہ دوسرے پایا میں نے کسی کو جو
 میری نصیحت کو قبول کرتا ہو اور

و یطیع امری الا عبد اللہ بن موسیٰ ۱۱

سیرے حکم کی اطاعت کرتا ہو مگر عبدالعزیز بن یحییٰ

ان روایات کے بعد مصنف یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ۲۲ امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے اصحاب میں تین شخص بھی ایسے نہ ملے جو اُنکے مطیع اور فرمانبردار ہوتے بلکہ سرکشی اور نافرمان تھے اُنکی شہرت میں ارتداد کا مادہ بھرا ہوا تھا اس نے اُنکے روکنے کے لیے ایسی ایسی ناجائز حرکتیں عملیہ نکالیں کہ اب کیا تب ہی وہ نہ روکے۔
مصنف ان روایتوں سے جو نتیجہ نکالتے ہیں اُن سے ہرگز وہ نتیجہ نہیں پیدا ہوتا ہے۔

عصر ائمہ اہلبیت میں وہ مسئلہ مذہب اسلام کا کہ دین اور دنیا ایک چیز ہی ٹوٹ چکا تھا اس زمانہ میں ایمان یہ تھا کہ مودت و التماس رسول جن سے مراد آل رسول ہی لوگوں کے دل و نمین پیدا ہونا ائمہ اہلبیت کو ہادی دین امام زمانہ ماننا اور اُنکو مستحق خلافت جاننا کہ دین بغیر خلافت کے کامل طور پر جاری نہیں ہو سکتا تھا اور غلامی اُسکے خلفاء فی الارض کو خلیفہ برحق جاننا اور دین و دنیا میں اُنکی یا جن لوگوں کو کہ ائمہ نے ہدایت بنایا تھا اُنکی اطاعت کرتا ارتداد تھا۔ مخالفان ائمہ اہلبیت کے ہاتھ میں ہوتے تھے اور جو بڑاؤ مذموم وہ مخالف خلافت ائمہ اہلبیت کے ساتھ کرتے تھے

ائمہ اہلبیتؑ ایک عجیب نازک حالت میں تھے اور بنیر کسی خوف اور
اندیشہ کے اطاعت اور فرمانبرداری ائمہ اہلبیتؑ کی کرنا غیر ممکن تھا
اور جو لوگ کہ ایسے خوف کی حالت میں ہوں ہر زمانہ میں اندازہ کیا
جاسکتا ہے کہ ایسے کامل الایمان کثرت سے ہو سکتے ہیں۔ یا قلت سے
ایسی حالت میں امام علیہ السلام نے جو ابو بصیر سے فرمایا ہے کہ اگر
میں تم میں سے تین مومن ایسے پاؤں کہ جو میری حدیث کو چھپائیں
تو پھر میں اپنی حدیث کو چھپانا روانہ رکھوں یہ ارشاد امام علیہ السلام
کا بنظر حالت زمانہ اور درجہ اور مراتب ایمان کے نہایت ٹھیک
ہے۔

پیغمبر خدا صلعم نے بھی صحابہ غیر اہلبیتؑ میں صرف ایک خلیفہ
بن بیان کو ایسا پایا تھا کہ انہیں کچھ راز اور اسرار ظاہر فرماتے تھے
جو صاحب سرا بنی شہور ہو گئے یا وصفت اسکے کہ دیگر صحابہ رسول
صلعم جنکو زمانہ نے اکابر اور بزرگ صحابہ ہونے کا لقب دلویا ہے
اُس منزلت اور لیاقت سے محروم تھے اور انہیں بتی کو ہر گز اطمینان
نہیں تھا کہ نبی اپنا راز انہیں ظاہر فرمائیں۔ یہاں تک کہ حضرت عمر خدیفہ
بن الایمان سے اسرار پیغمبر صلعم کو دریافت کر لیا کرتے تھے جبکہ ہم
پہلے کہ سید رفیع اللہ سے لکھ چکے ہیں۔

سلف رسالہ دشمنی اکتوبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۶۱-۱۷۱ اور دوسرا حصہ جلد اول سالہ ۱۹۶۷ء

اس روایت کا تعلق جس قدر یہ وہ امور مملکت سے اور اسحق
خلافت سے ہی چنانچہ اس کے بعد جس حدیث کا امام جعفر صادق علی
مصنف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر میرے شیعہ پورے سترہ ہوتے
تو میں جہاد کرتا۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے
مقابل خلفاء کو کہ جنہوں نے خلاف حق امر خلافت پر قبضہ کر لیا تھا
قابل جہاد جانتے تھے لیکن ایسے مجاہد کہ جنہیں اطمینان ملی ہو اس قدر
کم تھے کہ جنگی تعداد سترہ تک ہی نہیں پہنچتی تھی گو عام طور پر لوگوں کی
تعداد امام اہلبیت سے ہدایت اور تعلیم پانے والوں کی بظاہر زیادہ
ہو لیکن وہ کل لوگ قابل اسکے نہیں سمجھے جاسکتے تھے اور نہ امام
علیہ السلام کو انہیں کلی اطمینان ہو سکتا تھا کہ وہ وقت جہاد کے شتر
ائمہ اہلبیت کے ہو کر ثابت قدم رہیں گے اس لیے کہ جان کا صرف کرنا
ایک نہایت امرو شواری اور جس کا تجربہ امام علیہ السلام کو عہد پیغمبر
خدا صلعم اور ائمہ اہلبیت سے ہو چکا تھا جسکو ہم کسی قدر پہلے اپنے
اپنے موقع پر لکھ آئے ہیں۔

پیغمبر خدا صلعم کے وقت میں جس زمانہ میں کہ مسلمانوں کی کثرت
ہو گئی تھی اور لوگ صحابہ رسول ہونے کو خواہر عزت سے کامیاب

ہونے کی قابلیت اپنے آپ میں جانتے تھے غزوات میں ہمیشہ سوار
چند صحابہ کے شرکت جہاد سے کراہت رکھنے والے ہوتے تھے۔
یا عین جہاد کے وقت ثابت قدم نہ رہ کر فرار اختیار کرتے تھے
جسکی خبریں خداوند عالم نے قرآن میں دی ہیں اور جسکو ہم موقع موقع
سے دکھائے ہیں اور وہ جہاد سے فرار کرنے والے اپنے آپکو
مصدق اس ارشاد پیغمبر خدا صلعم کا بناتے تھے جو حدیث مشکوٰۃ کے
باب علامات نفاق میں لی گئی ہے۔

۲۲ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول	ترجمہ ۲۲ روایت ہے ابو ہریرہ سے
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتنبوا	کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ
السبع الموبقات قالوا یا رسول	وسلم نے پچوتم سات چیزوں ہلاک
اللہ وما هن قال الشرب	کرنے والیوں سے عرض کیا صحابہ
باللہ والسحر وقتل النفس الق	نے اے رسول اللہ اور کیا ہیں
حرم اللہ الا بائع واکل الربو	وہ فرمایا شرک کرنا ساتھ خدا کے
واکل مال الیتیم والتولی	اور جادو کرنا اور مارنا اُس جانکا
یوم الزحف وقدف المحسنات	کہ حرام کیا اللہ نے مگر ساتھ حق
المومنات الغافلات متفق	کے اور کھانا بیاج کا اور کھانا مال
علیہ (مسلم و بخاری)	یتیم کا اور بیچھو دینا دن لڑائی کے

کافر سے اور تہمت کرنی ساتھ زن کے عورتوں پاکدامنوں ایسا والیوں
بغیر کو۔ روایت کی یہ بخاری اور مسلم نے باتفاق ۱۱

اور ایک دوسری روایت صفوان سے ہے کہ اسکا مضمون یہی
اسی روایت کے قریب قریب ہی اور حسین فرمایا ہے کہ۔

يَوْمَ لَا تَنْفَعُ الْاَلْفُ اِسْرَاطِيْمٌ
الْوَحْفُ ۱۱

ترجمہ ۱۱ اور نہ پیٹھ دو واسطے
بھاگنے کے دن لڑائی کے ۱۱
ان روایات سے ظاہر ہے کہ دن لڑائی کے پیٹھ دینا اور میدان
جنگ سے جہاد میں بھاگ جانا برابر شرک کے ہے جو مسلمان کہہ کر
خلافت کے متعلق ائمہ اہلبیت کے بعد وفات پیغمبر مخالف ہو گئے
تھے اور خلافت کو غیر اہل بیت پیغمبر میں حق جانتے تھے اُس
قسم کے لوگوں میں سے جو ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی طرف رجوع کرتے
تھے اُن پر دفعہ ائمہ اہلبیت کو اطمینان اور بہرہ و سائنیں ہو سکتا تھا
کہ وہ ائمہ اہلبیت کے مخالف خلفاء سے وقت جنگ کے ثابت
قدم رہیں گے۔

اسی حالت زمانہ پر امام نے نظر فرما کر اپنے ایسے اصحاب کا
کہ جو کامل الایمان ہوں اور وقت امتحان کے جنگ میں ثابت قدم
رہیں نہایت تقلیل تعداد کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ جو بیخبر و اوقات

اور حالات زمانہ کے قطعی ٹھیک تھا۔

اول علی مرتضیٰ کا زمانہ ہی قابلِ غور کے ہے کہ لوگوں نے اُنکو خلیفہ قبول نہ کیا اور جو لوگ کہ اُنکو خلیفہ منصوص منِ اعدا مانتے تھے یا اور جسے امید تھی کہ وہ حضرت کے شریک ہو کر جنگ پر آمادہ ہونگے اُنکی تعداد نہایت قلیل تھی اور بعد اسکے کہ جب علی مرتضیٰ کو خلیفہ قبول کیا گیا تو اسوقت کون کون اور کس قدر لوگ اُسے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہوئے اور کس قدر لوگوں نے کہ جو اُنکے ساتھ تھے اُنکو صلح کے لیے مجبور کیا اور بالآخر اُسے جدائی اختیار کی۔

پھر حضرت امام حسن علیہ السلام نے جب کہ اُنکے ہمراہیوں نے اُنکو چھوڑ دیا مجبوری اپنے دشمنوں سے ایسی صلح کی کہ جسکی رو سے جنگ بند ہو گئی۔

بالآخر حضرت امام حسین علیہ السلام کا واقعہ اپنی یادگار قائم ہونیکے سبب سے ہر سال ایسا تازہ ہوتا ہے کہ جو اسوقت بھی تمام مسلمانوں کی نگاہ میں دکھائی دیتا ہے کہ مخالف گروہ مسلمانوں کا بھی اُنکے فضل و شرف سے منکر نہیں تھا اور وہی امر استحقاقِ خلافت کی بنیاد تھی با اینہم اُنکا شریک ہونا کجا خود انہیں لوگوں نے انحضرت کو مع اُنکے قلیل ہمراہیوں کے قتل کر ڈالا۔

ایسے تجربہ کی حالت میں امام علیہ السلام نہ تو کمر عام لوگوں پر ہر دوسا
کر سکتے تھے تاہم وہ مسلمان عداۃ اہلبیت کے جو ان کی طرف رجوع
کر نیوالے تھے ان مسلمانوں سے بہتر تھے کہ جو پیروی مخالفین ائمہ کر کے
امرفلافت کو غیر ائمہ اہلبیت کا حق جانتے تھے اور ان کے اثبات حق
کے لیے سعی تھے اسکی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے تمام مسلمان
صحابہ رسول غیر خاندان رسالت بہتر تھے زمرہ مسلمانوں میں شامل
ہو جانے کی وجہ سے بمقابلہ کفار کے لیکن نہایت کم درجہ میں تھے
ان مسلمانوں سے کہ جو جنگ کے وقت ثابت قدم رہے اور پیغمبر خدا کو
سیدان جنگ میں تہمتا نہیں چھوڑا۔

اور اسی اعتبار سے امام علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نہیں پایا
میں نے کسی کو کہ قبول کرے نصیحت میری اور اطاعت کرے ہر
سیرے کی مگر عبداللہ بن یعفور کو۔

اور بس مراد اور مقصود سے امام علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا
ہے اسکی تصریح دوسرے ارشاد امام علیہ السلام میں موجود ہے جسکو
صاحب مجالس المؤمنین نے اسی موقع پر عمار کشی سے لیا ہے اور
جس میں امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں پایا کہ جو
لے حکم میرا اور اصحاب اپنے باپ میں سوا دشمنوں کے رحمت کرے

اللہ انہیں عفو اور رحمت سے نوازے۔
 دونوں مومن نے اللہ سے کہا کہ جس کا نام ہمارے پیروں سے کہ جس کا نام ہمارے پیروں سے
 کتاب اصحاب ایمین میں جس کو عطا فرمایا ہے اس نے محمد صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کو جمع کیا ہے۔

کتاب اصحاب ایمین وہ کتاب ہے جس کا نشان اہلسنت
 سے بیان ہوا ہے۔ کتاب اصحاب سے مراد ہے۔

تین مومن عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول
 صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھ میں دو
 کتابیں تھیں آپ نے ہم سب سے پوچھا کہ تم جانتے ہو یہ دونوں کتابیں
 کیا ہیں ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہی اس کی خبر دین آپ نے
 سیدھے ہاتھ کی کتاب کو فرمایا کہ یہ سب اصحاب ایمین کی طرف سے
 کتاب ہے ایمین نام اہل جنت کے ہیں اور نام ان کے آباء کے اور ان کے
 قبائل کے پر حجلہ کیا گیا ہے اور آخر ان کے کہ نہ اسمیں پڑھیں گے نہ کم
 ہونگے کہی۔ پر دست چپ کی کتاب کو فرمایا کہ یہ کتاب ہے رب العالمین
 کی طرف سے اسمیں اہل دوزخ کے نام ہیں اور نام ان کے آباء کے اور ان کے
 قبائل کے پر حجلہ کیا گیا ہے اور آخر ان کے کہ نہ اسمیں پڑھیں گے نہ کم
 ہونگے کہی۔

یہ روایت مصنف نے اپنی تفسیر کسیر اعظم جلد اول صفحہ ۶۴ میں
 بی لی ہی اور جسکے اشتہار میں اس التزام کا وعدہ ہے کہ نہ کوئی بے اصل
 مضمون اور غلط روایت درج نہ ہوگی:

در حقیقت یہ روایت تفسیر آیات قرآنی کی ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ
 الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُفْلِكِينَ
 حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۖ وَالْحَسْرَةُ
 عَلَيْهِمْ وَأَنَّهُمْ يَكُونُونَ
 لِمَا كُنْتُمْ تُحَذِّرُونَ ۚ

ان الذین کفر وامن اهل
 الكتاب والمشرکین فی ناسا
 جھنم خالدین فیہا اولئک ہم
 شر الیوم یذات الذین امنوا و
 عملوا الصالحات اولئک ہم
 خیر الیوم جزاؤہم عند ربہم
 جنات عدن تجری من تحتہا
 الانهار خالدین فیہا
 ابدًا رضوا باللہ عنہم ورضوا عنہ

ترجمہ: نہ تھے وہ لوگ کہ کافر ہوئے
 اہل کتاب سے اور مشرک کر ہوئے
 جدا ہوئے وائے یہاں تک کہ آئے

ترجمہ: تحقیق جو لوگ کہ کافر ہوئے
 اہل کتاب سے اور مشرکین سے
 بیچ آتش دوزخ لے ہوئے ہمیشہ
 رہنے والے اسمین وہ لوگ بدتر
 خلقت ہیں تحقیق جو لوگ کہ ایمان
 لائے اور عمل کیے اچھے وہ لوگ
 بہترین خلقت ہیں جزا انکی نزدیک
 رب انکے کے جنتین عدن کی ہیں
 جاری ہیں فیچے انکے نہرین ہمیشہ

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الرَّابَّةَ (سورة)

الْبَيْتِ (البیتہ) راضی ہے خدا اُمتے اور راضی ہیں

وہ اُس سے وہ واسطے اُس شخص کے ہے جو ڈرے پروردگار پر ہے

اس روایت محمد کتب اہلسنت سے ظاہر ہے کہ دو کتابیں رہا

العالمین کی طرف سے پیغمبر کے پاس ایسی تین کہ حسین نام اور شہادت

اہل جنت اور اہل دوزخ کی لکھی ہوئی تھی

مصنف مخاطب بتائیں کہ وہ دونوں کتابیں شامل قرآن تھیں

یا قرآن سے علاوہ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اس قرآن موجودہ سے علاوہ

تین اس لیے کہ قرآن موجودہ میں نام اہل جنت اور اہل نار کے

اور ان کے آباء اور قبائل کے نہیں ہیں پس وہ کتابیں جو منزل من اللہ

تین کیا ہوئیں اور پیغمبر نے وہ مسلمانوں اپنی امت کو دین یا

نہیں اور اگر نہیں دین تو جیسے کہ قرآن امت کو دیا گیا وہ دونوں

کتابیں کیوں نہیں دی گئیں اور عموماً امت پر کیوں نہیں پہنچائی

گئیں۔

اور یہی روایت کی تائید روایت کافی سے ہوتی ہے۔ کہا رو

نے حوالہ کیا مجھ کو ابوالحسن (امام علی رضا علیہ السلام) نے ایک

۱۔ کتاب فضل القرآن صفحہ ۶۷۰ باب نادر۔

مصحف اور فرمایا کہ میں اس کے مثل نہ کر (ایسا ہی مست لکھ رہے) پس کھولا
 میں نے اُس کو اور پڑھا میں نے اُس میں ۲۲ لہر لیکن الذین کفرو! ۱۱
 پس پائے میں نے اُس میں شرم رو کے قریش سے اور نام اُن کے
 مع نام پدران اُن کے کے پس بیجا میرا پس کہ ہیجہ سے تو میرا پس اس
 مصحف کو ۱۱

اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا ہے کہ بموجب وحی یا القاسم کے پیغمبر
 کے زمانہ میں دو کتابیں بطور تفسیر ایسی تیار ہو گئی تھیں کہ جس میں
 نام اصحاب یمن اور اصحاب یسار کے موجود تھے یا اُس میں ایسی
 صاف و صریح علامتیں اور نشانیاں اصحاب یمن اور اصحاب
 یسار کی درج ہو گئیں تھیں کہ جن پیغمبر اور ائمہ اہلبیت ہر شخص کو
 پہچان لیتے تھے بغیر کسی شک و شبہ کے کہ وہ اصحاب یمن سے
 ہی یا اصحاب یسار سے۔ اور وہ کتاب پیغمبر سے ضرور امام علیہ
 السلام کو پہنچی جس کی نسبت اُن کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ وہ اُن
 کے پاس تھی۔

اور غیر امام اہلبیت کے کسی اور نے نہ دعویٰ کیا ہے نہ ظاہر
 کیا ہے کہ اُس کے پاس ہی اس لیے یقین کرنا چاہیے کہ وہ کتاب ائمہ
 اہلبیت کے پاس رہی۔

امام علیہ السلام نے جو ایسے موقعوں پر اپنا مطیع فرمان خاص خاص لوگوں کو ظاہر فرمایا ہے جیسا کہ اُنکے اوشاد کے منشا بہ سے واضح ہوتا ہے وہ اُن مخصوص لوگوں کی شان کے اعتبار سے ہے وہ لوگ اُن لوگوں میں سے نہیں تھے کہ جن پر کامل بھروسہ نہ ہو سکتا تھا یا جنہوں نے ہنوز پوری تعلیم اور ہدایت پائی نہیں تھی اور جیچہ کامل بھروسہ نہ ہو سکتا تھا اُن سے لحاظ مایح اور مراتب ایمان ہر کسی کے اُن خاص لوگوں کو جد کرنا امام علیہ السلام کا مشاغل تھا صرف افضلیت صحابہ کا تھا جس سے خواہ مخواہ یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اُن سے کم درجہ والے قطعی مطیع اور فرمانبردار نہیں تھے یا سب سرکش اور نافرمان تھے یا اُن کی سرشت میں ارتداد کا مادہ بھرا ہوا تھا۔ لیکن اس امر کو ضرور قبول کرتا ہوں کہ معتقدانِ ائمہ اہلبیت کی بعینہ ایسی ہی حالت تھی جیسے کہ مسلمانوں کی یا اخلاقی پیغمبر کی طرف پیغمبر کے۔

عہد پیغمبر میں جن میں منافق بھی تھے اور ناقص الایمان بھی اور مرتد ہو جانے والے بھی اور وقت جنگ کے اکراہ رکھنے والے یا گریز کرنے والے بھی کثرت سے اور ایسے کامل الایمان کہ جنہوں نے کسی امر میں اطاعت اور فرمانبرداری پیغمبر میں ذرہ برابر

نزد دین حق نہ کیا بلو در وقت جنگ کے ثابت قدم رہی بہت ہی کم تو اور نیز غرقا و قریب کے
 جس کا تعلق فطرت انسانی سے ہے اور جو انسانوں کا دل اور دماغ
 بنا تا رہی یہ غیر ممکن ہے کہ کل اہل ایمان اور اصحاب پیغمبر باکل مسلمان
 عداۃ اہلبیت ایمان اور اسلام میں مساوی درجہ رکھنے والے
 ہوں اور ایک دوسرے پر افضلیت نہ رکھتا ہوا ورنہ رکھ سکے
 اور اس درجہ افضلیت کو جس کو تجربہ سے امام علیہ السلام نے
 دریافت فرمایا تھا ظاہر کرنے سے امام علیہ السلام کی عدالت
 اور عصمت ظاہر ہوتی ہے نہ کسی ناجائز حکمت عملیوں کا ارتکاب۔
 عہد پیغمبر میں اور بعد وفات پیغمبر علی مرتضیٰ اور حسین علیہم السلام
 کے زمانہ میں جو کثرت سے لوگوں کے دلوں میں انحراف کا اور
 انکی سرشت میں ارتداد کا مادہ بھرا ہوا تھا اور بھرا ہوا رہا جس کی
 خبر اجمال سے قرآن میں اور تفصیل سے اخبار پیغمبر میں موجود ہے
 جس کو ہم جلد اول و دوم رسالہ روشنی میں جا بجا اہل سنت کے
 بیان سے دکھا آئے ہیں اور اسی مادہ ارتداد اور انحراف کو
 لوگوں نے دین قرار دیا اور دیگر ائمہ اہلبیت کے زمانہ میں لوگوں
 نے عام طور پر اس مادہ انحراف اور ارتداد کو سختی کے ساتھ دین
 سمجھ لیا تھا اور جسکی تقلید اسوقت تک چلی آتی ہے اور کم از کم ایسا ہوا

ہر کہ کسی قدر ہدایت ائمہ کے پانچے بعد کسی نے انحراف یا ارتداد قبول کیا ہو مگر ائمہ اہلبیت ہمیشہ اُسی ارتداد اور انحراف کے سچے سچے لیے کوشش کرتے رہے کہ جس کی بعد وفات پیغمبر کے اہلبیت رسالت سے خلافت کو نکال کر بے محل قرار دینے میں بنیاد قائم کی گئی اور خلفاء ر فی الارض غیر اہلبیت رسول برابر اسکو زمین اسلام قرار دینے کا استحکام کرتے رہے لیکن بمقابلہ اُس تورت غلطی کے اُس مذہب کا وجود باقی رہنا کہ جسکی تعلیم ائمہ اہلبیت نے کی اور اُس کا ترقی اور فروغ پانا کہ اسوقت کہ ورون لوگ اُس مذہب پر موجود ہیں حقیقت دین کی دلیل ہے اور ائمہ علیہم السلام کا معجزہ ہے جیسا کہ بمقابلہ کفر کے پیغمبر کا دین اسلام کو جاری کرنا حقیقت دین اسلام کی دلیل اور پیغمبر کا معجزہ ہے۔

اپنی اُس کوشش میں ائمہ اہلبیت نے جو دین حق کو جاری کیا ہے تدبیریں کیں وہ ناجائز حرکت عملیاں نہیں تھیں انکی کوشش اُسی نوع کی تھی کہ جس نوع کی پیغمبر صلی فرمائی اور ہر موقع اور محل کو جب مقابلہ کیا جائے گا تو ذرہ برابر فرق نہ لگے گا۔

لیکن اگر کل مسلمانوں کی سرشت سے ارتداد کا مادہ عداۃ میں نہیں نکل سکا تو عداۃ پیغمبر میں بھی کل روئے زمین کی سرشت سے

مادہ کفر کا نہیں نکلا تھا اور جو لوگ کہ بظاہر اسلام لے گئے تھے انکی طبیعتوں میں
مادہ لغاق خصوصاً امر قلافت کے متعلق موجود رہا تھا جو بعد پیغمبر کے
ذریعہ ارتداد کا ہوا اگر کوئی بعد ہدایت ائمہ اہلبیت کے منحرف ہو گیا
تو اسکی مثال ہدایت پیغمبر کی ہو سکتی ہے کہ جس سے زیادہ پر اثر ہدایت
ائمہ اہلبیت کی نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ نکتہ چینی مصنف کی کہ ائمہ نے اپنے روکنے کے لیے کہ
جنگی سرشت میں ارتداد کا مادہ بہرہوا تھا ناجائز حکمت علیوں کا
ارتکاب کیا تب ہی وہ نہ رُکے کہ کسی طرح قرار نہیں پاسکتی بلکہ
اس حقیقت کے ظاہر ہو چکے بعد جو پہنچے دکھائی آسانی سے معلوم
ہو سکتا ہے کہ اسکا انطباق اور مصداق کس جگہ اور کن لوگوں پر
ہو سکتا ہے۔

مصنف مخاطب سے اس موقع پر یہ غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے
دین اسلام کو ارتداد اور ارتداد کو دین اسلام اور کامل الایمان
والونکو ناقص الایمان اور ناقص الایمان والونکو کامل الایمان
اور ہادیونکو غیر ہادی اور غیر ہادیونکو ہادی سمجھ لیا ہے۔

جلداول کے نمبر ۳ پر جو استدلال مصنف نے زبانی عبداللہ
بن یعفور کی کیا تھا کہ صدق اولیائے امت اور دفائن لوگوں میں نہیں ہے

جوانم کی ولایت کو ملتے ہیں۔“

اور اُسکی حقیقت ہننے اُسی موقع پر ظاہر کی کہ وہ روایت صحاح
ائمہ سے علاقہ نہیں رکھتی ہے البتہ کچھ عام شیعوں سے متعلق ہے اور
ہر فرقہ میں ایسا ہوتا ہے کہ وہ اوصاف کچھ لوگ نہیں رکھتے جو
مصنف اُس روایت کو اس قول امام علیہ السلام سے
کہ ”تین مومن ہیں امین اور طبع نہیں“ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ”
اکل اصحاب امام کا وہی حال تھا جو عبد اللہ بن عوف نے بیان
کیا تھا اور یہ احتمال تھا کہ ”شاید دو شخص صادق اور امین اور طبع
ہوں مگر امام موسیٰ کاظم نے اُسکی توضیح کر دی کہ فقط ایک ہے۔“
امام علیہ السلام کی نسبت مصنف مخاطب یہ رے دیتے
ہیں کہ ”در حقیقت یہ بھی اُنکی غلط فہمی تھی کہ ایک ہی تھا۔“
اور حاشیہ پر مصنف یہ لکھتے ہیں کہ ”ایک دوسری روایت
میں امام موسیٰ کاظمؑ نے صاف صاف سب کو مرتد بنا دیا چنانچہ
کلینی نے کتاب الروضہ میں روایت کی ہے۔“

”قال ابو الحسن علیہ السلام لومیزوت شیعتہ ما وجدتمہ الا واصفہ ولوا متعلم لما وجدتمہ	ترجمہ ”فرمایا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اگر منتخب کروں گے شیعوں کو نہ پاؤں میں اُنکو مگر فقط یہ
--	--

الامرتدین

سے دعویٰ کر نیوالے اور اگر امتحان

کرونین انکا نہ پاؤنین انکو مگر مرتد

مصنعت نے اخیر حصہ حدیث امام علیہ السلام کا ترک کر دیا ہے
اور بعض الفاظ کا ترجمہ اپنے منشا کے موافق کیا ہے سلیب ہم پوری
حدیث مع ترجمہ کے اس مقام پر لکھتے ہیں تاکہ کیفیت منشا امام علیہ
السلام کی ظاہر ہو سکے۔

قال قال لی ابوالحسن علیہ

ترجمہ: راوی کہتا ہے کہ فرمایا مجھے

السلام لومیزت شیعئی ما

امام موسیٰ کاظم نے اگر تمیز کرونین

وجدتم الا واصله ولو متخلف

اپنے شیعوں کی نہ پاؤنین انکو مگر و

لما وجدتم الامرتدین ولو

کرنیوالے (اپنے آپ میں شیعہ نہ

تخصتم لما خلس من اللف

وصف بیان کرنیوالے) اور اگر امتحان

واحد ولو غر بلتھم غر بلتھم لم یبق

کرونین انکا نہ پاؤنین انکو مگر یہ

منهم الا ما کان لی انهم طال

والے اور اگر آزمائیں انکو نہ

ما انکو اعلیٰ الامرائک فقالوا

ہوں ہزار سے ایک اور اگر چنانچہ

نحن شیعۃ علی انما شیعۃ

میں انکو چیلنی کر کے نہ باقی رہے

علی من صدق قوله فعلہ

انہیں سے مگر ہو کہ وہ اسے میرے

تحقیق کہ انہوں نے سنت رکھی اور فزونی کی اسی چیز پر تکیہ کیا ہے

ہین اور تخت کے اور کہتے ہین کہ ہم شیعہ علیؑ کے ہین جزائین نیست کہ شیعہ علیؑ کا وہ شخص ہر کہ سچائی دکھائے قول اپنے کی اپنے فعل سے مصنف نے جو بیجا اعتراض کاٹکا لاہی وہ اس بنا پر ہر کہ انہوں نے منشاء روایات اور احادیث کو غلط سمجھا ہی یا غلط قرار دیا ہی۔ جس قدر روایات کا ذکر کیا ہی انہین سے کسی روایت کا یہ مقصود ہی کہ امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب میں سے ہر کسی کو بنظر حالت زمانہ کے ہمارا بنائیکے قابل نہیں جانا جیسا کہ پیغمبرؐ نے ہی اپنے صحابہؓ غیر اہلبیت سے کسی قدر اپنا راز اُس پر ظاہر کر نیکی لیے سوا حذیفہؓ ایمان کے ہر کسی صحابی کو منتخب نہیں کیا اور کسی روایت کا پیشا ہی کہ شیعہ امام علیہ السلام کے ایسے مطیع اور فرمانبردار ہون کہ جو جہاد کے وقت ثابت قدم رہین اور ایسے نہایت قلیل تھے اور انکی تعداد جہاد کے لیے کافی نہیں تھی۔ چنانچہ حدیث پیغمبرؐ میں ہی ایسے اصحاب پیغمبرؐ کے بہت ہی قلیل تھے اور اگر وہ چند صورتیں نہ ہوتیں تو پیغمبرؐ مسلمان صحابہؓ رسول کے پیٹھ کے پیچھے جانے سے کسی نہ کسی سیدنا جنگ میں ضرور قتل ہو جاتے۔

کسی روایت کی یہ مراد ہی کہ عام طور پر شیعہ اپنے اعمال و افعال میں اور اپنے مزاج میں کامل نہیں ہین اور اس موقع پر امام علیہ السلام

کا مقصود اُس کا ملیت شیعیت سے ہے کہ جیسا خدا نے حضرت نوح کا
شیعہ حضرت ابراہیم کو فرمایا ہو تا اور جب کا قلب و سیاہی سلیم ہونا چاہیے
اور جس کی مثال ایک حدیث امام زین العابدین علیہ السلام میں دیکھی
ہے (تفسیر موسوم امام حسن عسکری علیہ السلام)۔

روایت زیر بحث میں ہی امام علیہ السلام نے امتحان کی حیثیت
سے جو اوصاف شیعہ ہونیکے بیان فرمائے ہیں اُس درجہ کے شیعہ
ہر زمانہ میں شاذ و نادر ہی ہو سکتے ہیں جیسا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام
نے جن لوگوں سے کہ عمل صالح سرزد نہوں اور قابل عذاب ہوں ان کی نسبت
فرمایا ہے کہ وہ ہمارے شیعوں سے نہیں ہیں۔ لیکن وہ موسوم ہیں ہمارے
ہمارے دوستوں کے اور دوست ہمارے دوستوں کے اور دشمن ہیں وہ
دشمن ہمارے کے تحقیق کہ شیعہ ہمارے وہ ہیں کہ جو اتباع کریں ہمارے
آثار کا اور اقتدا کریں ہمارے اعمال کا۔

اور اسی قول کی تائید میں پیغمبر خدا سے لیکر حضرت امام حسن عسکری
علیہ السلام تک تفسیر مشرووب بہ امام حسن عسکری میں متعدد اسناد مذکور
ہوئی ہیں۔

یہ تمام ارشادات اُسی شان کے ہیں کہ جیسے آج کے کردار
مسلمان ہیں ان سے پوچھا جائے کہ تم تمام ان امور میں کہ جو قرآن اور

سنت رسول کی رو سے دین قرار پایا ہے پورا پورا اتباع پیغمبر خدا صلعم
کا کرتے ہو تو یقین ہے کہ ہر مسلمان اپنے ایمان سے اُسکا جواب نفی میں
دیگا اور ہر مسلمان کسی نہ کسی امر میں اتباع صلعم سے جب اُسکا دل
چیر کر دیکھا جائے منکر یا سرکش یا عمل خیر سے گریز کرے یا لاف زور نکلے گا اور
یہی حالت اُن مسلمانوں کی جو روز وفات پیغمبر سے کروہا مسلمان مر گئے
ہیں پائی جائیگی۔ اور اُس امر مخالف خدا اور رسول کی وجہ سے ضرور
ہے کہ ارتداد جرنی کا اطلاق ہو۔

اور اسی اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر میں امتحان کروں تو میرے لیے کوئی نیک
اور پیرے ہوئے پاسے جائیں لیکن امام علیہ السلام نے ذکر آزمائش
نہایت سختی سے اسجگہ فرمایا ہے اُس سے یہ پایا جاتا ہے کہ مقصود امام
علیہ السلام کا اس موقع پر اُنہیں لوگوں سے ہے کہ جو وقت جہاد کے
ثابت قدم ثابت نمون۔

ایسا ارشاد امام علیہ السلام کا موافق اُسی تجربہ کے ہے کہ جو انکو
تجربہ اپنے جد پیغمبر سے حاصل ہوا تھا کہ آنحضرت صلعم کو فوج فوج
مسلمان میدان میں چھوڑ کر ہباگ جاتے تھے اور جس تجربہ کے بعد
پیغمبر خدا نے اپنے صحابہ کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ احداث کریں گے

ارتداد کے مرتکب ہونگے چونیٹ کی چال کی طرح اُنہیں شرک پر اُتار دیا
ہونگے رجعت تقویٰ کے نیگے حوض کوثر سے میرے سامنے واسطے قضا
کے ہانکے جائیں گے۔ جسکو ہم موقع موقع پر جو الہ کتبِ مہسنت لکھتے
ہیں۔“

جن مسلمانوں سے کہ خدا اور رسول کی نافرمانیاں جن جن امتوں
کہ پھین اور ہوتی ہیں اُس میں کبار اور صغار اور اُنکے اصرار پر ہر مسلمان
کو اندازہ کرنا ضرور ہے اور جو جز کسی امر خدا اور رسول کا ایسا ہے کہ
جس سے برگشتہ ہونی کی حالت میں اسیدِ عفو نہویا بمقابلہ اُس گشتگی کے
کوئی عمل غیر ایسا نہ ہو کہ جو فعل برگشتگی پر بارسی ہو تو اُسکو نادام نہ ٹھاندا
ہے کہ ایسی ندامت ہی نکوئی ہوتی ہے۔

لیکن زیادہ افسوس کے قابل یہ بات ہے کہ جس کسی سے فعل
قابلِ ندامت سرزد ہو اسی فعلِ ناروا کے جواز ثابت کر نیکی دوسرے
لوگ کو شش بلین کریں اور اپنے آپکو دوستدار سی پیغمبر اور اُس کے
اہلبیت سے ہی خارج کر دیں۔

جو فرقہ کہ موسوم بہ شیعہ ہے اگر وہ درجہ شیعیت ہونے پر نہ
پہنچ سکے تو وہ طرہ دار سی اہلبیت پیغمبر اور ائمہ اہلبیت کی وجہ سے
زمرہ میں اُنکے دوستدار دین کے قرار پاتا ہے لیکن احیٰن رعایات سے

کہ مصنف جسنپر سترض ہوئے ہیں اور دیگر روایات کتب ہر فرقہ اسلام سے قابل یقین کے پایا جاتا ہے کہ زمانہ کشتی امام اہلبیت کا ایسے شیعوں سے خالی نہیں رہا ہے کہ جسے ائمہ اہلبیت کا مقصود شیعہ ہونے کا تھا اور بعد زمانہ ائمہ اہلبیت کے بھی اُس درجہ کے شیعہ رہے ہیں جنکا ذکر اور حوالہ کتب تاریخ اور کتب رجال میں موجود ہے اور جن میں سے وقتاً فوقتاً بعض بعض کا ہماری پہلی تحریروں میں تذکرہ ہوا ہے اور یہ ہمارا زمانہ اور اُسکا قریب ہی ایسے خالص شیعوں سے خالی نہیں ہے بلکہ میں نے شبہ نہیں کہ ایسے خاص شیعہ ہر زمانہ میں قلیل اور نہایت قلیل رہے۔ لیکن زمانہ ائمہ اہلبیت سے لیکر ان قلیل اور نہایت قلیل لوگوں نے وہ کام کیا ہے کہ جو کثیروں اور ان کثیروں سے جو اپنی کثرت پر نازان ہیں نہیں ہو سکا۔ انہوں نے مذہب ائمہ اہلبیت کو ایسے ہی رائج اور شائع کیا جیسے کہ عہد پیغمبر میں جہاد میں ثابت قدم رہنے والوں سے تقویت اسلام کو پہونچی۔

اور یہی امر دلیل سچائی مذہب شیعیاں خاص اور خالص علی مرتضیٰ اور دوستان اہلبیت پیغمبر اور ائمہ اہلبیت کی ہے۔

مصنف نحا طلب انہیں روایات نے نتیجہ ہی ظاہر کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام تمام اصحاب سے اپنی حدیثیں چھپاتے

تھے جو اقوال ان کے شیعہ راویوں نے نقل کیے ہیں وہ انکا اصلی
مذہب نہیں اور جب اسے حدیثین چپا تے تھے تو بہلا اصلی قرآن
انکو کیونکر دیتے ۛ

لیکن یہ نتیجہ جو مصنف مخاطب نے ظاہر کیا ہی بالکل غلط ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام اور دیگر ائمہ اہلبیت علیہم السلام اپنے
اصحاب خاص اور شعیان خالص سے جنکے اوصاف ہی بیان کرتے
ہیں کوئی اپنی حدیث (سخن) پوشیدہ نہیں رکھتے تھے البتہ ایسے
راز کو کہ جسکا تعلق امر خلافت سے ہوتا تھا یا اسکا اثر اُسپر تھا
علانیہ عام لوگوں پر ظاہر نہیں فرماتے تھے اور جب وجہ پوشیدہ رکھنے
پر غور کیا جاتا ہی اور غور کیا جائیگا تو نوعیت ان حدیثوں کی خود بخود
ظاہر کر دے کہ اصلی مذہب انکا وہی تھا جو شیعہ راویوں کی روایتوں
میں منقول ہوا ہے۔

ائمہ اہلبیت کو کسی امر کے چپانے کی ضرورت اور جو کچھ وہ
تھی تو باعث اسکا مخالفت خلافت خلفاء ہم مہم کا تھا جس سے
صریح اندیشہ ضرر انفاں زکیہ کار کتے تھے اور جسقدر زمانہ تک کہ
زندہ رہے اسقدر زمانہ تک ہی زجرہ نہیں رہ سکتے تھے اس بنا پر
پر جو روایتیں کہ مغیہ خلافت مخالفت کے اور جسکو اس خلافت

دین قرار دیا تھا اُس کے مفید اور مؤید ہوں وہ بیشک اصلی مذہب
ائمہ اہلبیت کا نہیں قرار پاسکتا لیکن اُس کے خلاف جبکہ ہوں
وہی اصلی مذہب ہو سکتا ہے کہ جس میں کسی قسم کا لوٹ بیٹن سمجھا
جاسکتا بلکہ حالت خوف میں اُنکا صد در خلاف خلافتوں مخالف کے
اُن سچائی پر یقین دلاتا ہے اور جس حالت نازک میں کہ ائمہ اہلبیت
بتلا رہے مخالف خلافتوں ہم عداوت کے مخالف احادیث
کا بیان فرمانا اُنہیں کا کام تھا کہ جو اُسے ہو سکا۔ اور جو چیز کہ اُنکے
دل میں تھی اور جو اُن کو اُس کے اظہار پر برا لگتے کرتی تھی گو غما
طور پر ہو وہ اُنکا یقین سچائی ایمان اور دین اسلام پر تھا اسی طرح
جب طرے کہ اُنہوں نے بیان فرمایا اور وہ بیان اُسی اصلی قرار
کے بموجب تھا کہ جس میں تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کی اور لکھی ہوئی
و دستخط علی مرتضیٰ سے تھی اور ہدایت کے ذریعہ سے وہ قرآن شریف
کو دیا گیا ہے۔ اور اُسکی تفسیر وں کو کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔
اسی سلسلہ اعتراض کو مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ یہ اسکا
ائمہ ائمہ پر افترا ہی کیا کرتے تھے۔

لیکن اپنے اس بیان کی تصدیق کے لیے کوئی سند نہیں لائے
جس کا یہ نتیجہ ہے کہ اصحاب ائمہ تو ائمہ پر کوئی افترا نہیں کرتے تھے

مگر مصنف مخاطب اصحاب ائمہ پر اقرار کرتے ہیں :-
 اور عبداللہ بن یعفور کے ذکر کا جو اس موقع پر مصنف مخاطب
 نے اعادہ کیا ہے اسکی حقیقت ہم نمبر ۲۲۲ - میں دکھا آئے ہیں جان
 مصنف مخاطب نے ابتداءً اُسپر بحث کی ہے (دیکھو پہلا حصہ ضمیمہ ۲
 جلد اول روشنی) -

مصنف مخاطب اپنی طرف سے یہ فرض کرتے ہیں کہ دشمنوں
 کی طرف سے اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہو سکتا کہ ائمہ صلی
 قرآن اسیلے نہیں دیا کہ اصحاب ائمہ کی ایسی حالت تھی جو مصنف
 مخاطب نے قرار دی ہے لیکن درحقیقت نہ اصحاب ائمہ کی ایسی حالت
 تھی کہ جیسے مصنف ظاہر کرتے ہیں اور نہ شیعوں کی طرف سے
 یہ جواب ہے کہ ائمہ نے اصلی قرآن شیعوں کو نہیں دیا بلکہ اصحاب
 ائمہ کی وہ حالت ہے کہ جیسے ہم نے ظاہر کی اور ائمہ علیہم السلام
 نے اُس حیثیت سے قرآن شیعوں کو دیا جس حیثیت سے کہ ہم
 نے بیان کیا شیعوں کی روایتوں کی بموجب قرآن کی کوئی غیر
 حالت نہیں ہو گئی ہے جیسا کہ مصنف مخاطب کا مقصود ہے شیعوں کی
 روایتوں کے بموجب قرآن کی وہی حالت ہے کہ جیسے قرآن اب
 متداول بین الناس و بین المؤمنین کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی اور

اونٹا سچین سے مسئلہ امامت کا نکال دیا گیا ہے اور نہ قرآن کے اعتبار میں
 کچھ فرق آیا ہے اور خدا تو خدا بندہ بھی جانتے ہیں کہ کوئی مسئلہ اس میں
 سے نہیں نکل گیا البتہ پیغمبر نے جو تفسیر آیات قرآنی بتائی تھی اُس کو
 علی مرتضیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور بہ ترتیب نزول قرآن کو صحیح
 کیا تھا جسکی خبر کتب معتبر اہلسنت میں موجود ہے اور جس کو جا بجا ہم کہا
 آئے ہیں۔ وہی قرآن ائمہ اہلبیت کے پاس برابر رہا اور اسی کے
 بموجب ائمہ اہلبیت نے تفاسیر آیات قرآن بیان کی ہیں جو کتب
 دیگر مسائل اور مسئلہ امامت میں بالکل مخالف ان تفاسیر کے ہیں
 کہ جو علماء اہلسنت غیر اہلبیت رسالت نے اپنی رایوں سے بعد
 خلفاء فی الارض مخالف ائمہ اہلبیت کے بہ طمع مال اور اعزاز خود
 کے مفید خلفاء فی الارض کے ظاہر کی ہیں اب امت رسول کو
 اختیار ہے کہ چاہیں ان تفاسیر ائمہ اہلبیت کو قبول کریں اور چاہیں
 تفاسیر علماء اہلسنت حدیث و سنت و دنیا کو کہ جو غیر اہلبیت رسول
 سے تھے۔

لیکن وقت ملے کرنے اس امر کے کہ کسکی تفاسیر کو قبول کیا
 جائے اول اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ مجروح کوئی کتاب اور صحیفہ جو
 خدا کی طرف سے کسی بنی اور پیغمبر پر نازل ہوا ہر کوئی شخص اپنی

اس سے اس پر عمل بنین کر سکتا چنانچہ خدا نے ہدایت کے واسطے فرمایا ہے کہ ہم نے ۶۶ بیتہ ۶۶ سیمین نو اس ۶۶ بیتہ ۶۶ کو بتایا ہے کہ وہ رسول صحت پڑھنے والا ہے۔ آیت سورۃ البینہ۔

۶۶ لمرکین الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین منقلبین حتی تاتيهم البینة من رسول من الله یصلوا صحفا مظهرۃ فیہا کتب قیمۃ ۶۶

ترجمہ ۶۶ نہ تھے وہ لوگ کہ کافر ہوئے اہل کتاب سے اور مشرکین سے جدا ہونے والے یہاں تک کہ آئی امن کے پاس دلیل روشن پینمبر خدا کی طرف سے کہ پڑتے ہیں

صحیفوں پاک کیے گیون کو کہ اسیمین ہن نوشتہ راست ۶۶

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مجرد کوئی کتاب اور صحیفہ ہدایت کے لیے کافی نہیں ہو سکتا بلکہ اسکا پڑھنے والا کفایت کرنے والا ہے چنانچہ ایک روایت جو درحقیقت تفسیر اسی آیت کی سمجھنا چاہیے صنعت مخاطب نے ایک موقع پر اپنی تفسیر اکسیر اعظم من نقل کی ہے کہ ۶۶ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابن ابی حاتم اور امام احمد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ علم اٹھ جائے گا یہ سنکر زیاد بن لبید نے کہا کہ یا رسول اللہ علم اب کیسے اٹھ سکتا ہے اس لیے کہ ہم نے قرآن سیکھ لیا اور ہم نے اپنے بچوں کو سکھایا تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے نبی کے بیٹے تیری ماں تجھ کو اگرچہ مین جانتا ہوں کہ تو اہل مدینہ میں بڑا فقیہ ہے مگر کیا تو یہ نہیں جانتا کہ یہود اور نصاریٰ کے ہاتھ میں بھی توریت اور انجیل موجود ہے لیکن جب انہوں نے اللہ کا حکم چھوڑ دیا تو توریت اور انجیل نے ان کو کچھ ہی فائدہ نہ دیا یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت **انهم اقاموا التوراة والاخبیل وانزل الیهم من ربهم لکھول من فوقهم ومن تحت ادجلهم** پڑھی یعنی اگر وہ قائم رکھتے توریت و انجیل کو اور اُسکو جو اتارا گیا تھا ان کے پاس اُنکے رب کی طرف سے تو بیشک وہ روزی پاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پادوں کے نیچے سے ۱۱

(جس کی مراد یہ ہے کہ توریت اور انجیل سے ہماہمت پانے میں تیار ہو غرق ہو جاتے اور سوائے مقاصد توریت اور انجیل کے انہیں کچھ نہ ہوتا)۔

کچھ شبہ نہیں اس روایت سے ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ کے پاس مجر و توریت اور انجیل کا ہونا کچھ فائدہ بخش نہیں ہوا پس ہی مسلمانوں کے ہاتھ میں قرآن کا ہونا کچھ سفید نشین ہے گو وہ فقیہ کیونہوں جیسا کہ بعد کی حالت پر نظر کر کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور

باوصف اس کے کہ یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں توریت انجیل تھی
 انکے پاس غیر مفید ہونے کی وجہ یہ ارشاد کی ہے کہ اُنہوں نے اس
 کے حکم کو چھوڑ دیا اور ایسے ہی گو قرآن مسلمانوں کے پاس ہوا اور
 ان کے بچے اُس کو سیکھ لیں کچھ فائدہ مند نہیں ہو سکتا جب تک
 کہ وہ حکمِ خدا نہ چھوڑیں اس موقع پر غور کرنا چاہیے کہ مجھ و کتبِ آسمانی
 کا لوگوں کے پاس ہونے سے حکمِ خدا کو چھوڑ دینا علاوہ اُسکے
 ہر اور وہ حکمِ خدا جسکے چھوڑنے کا حکم ہی سوائے اس کے کچھ نہیں
 ہو سکتا کہ مثل رسول صلعم کے جو کوئی سمجھنے والا اور جاننے والا کتب
 آسمانی کا ہوا اور جس کو خدا اور رسول نے بتایا ہوا اسکو چھوڑا
 جائے تب تب کتب آسمانی فائدہ دے سکتے ہیں۔ اور ایسے ہی
 فقیہ خاص سے پیغمبر صلعم کا مقصود اس روایت میں ہر نہ عام
 فقیہ سے اور اسی عالم فقیہ کو جس کو خدا اور رسول نے بتایا اور
 بتایا ہو مضبوط پکڑنا واجب ہے اُس کے چھوڑ دینے سے مراد اس
 حدیث پیغمبر میں حکمِ خدا کے چھوڑ دینے سے ہے کیا کچھ شک ہو سکتا
 ہے کہ جب رسول لوگوں کے سامنے حاضر نہ رہے تو دوسرا کوئی
 اُس کتاب کا ایسا پڑھنے والا ہو جو مثل رسول کے ہوا اور اسکی
 اطاعت مثل رسول کی اطاعت کے فرض کی گئی ہو۔

اور اُس پُرسننے والے کو خدا اور اُسکا رسول بتائے ۹۔ اور جس
 کسی کو کہ خدا اور اُسکا رسول بتاتا ہے اُسکی دو سمری اصطلاح میں امام
 کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر امام رسول ہو مگر رسالت اُتات
 کو ضرور شامل ہوتی ہے اور خدا اور اُسکے رسول نے جو ایسے ائمہ کو بتایا
 ہے اُسکی کسبِ قَدْر تفصیل ہم بحث نمبر ۲۵ مسئلہ مامت میں کر کے
 ہیں۔

اس موقع پر ہم صرف اُس حدیث پیغمبر کو جسکی صحت کا دو ٹوٹ
 فرقہ نکلا قرار ہے یاد دلاتے ہیں جس میں پیغمبر نے فرمایا کہ۔

”انی تاکراک فیکم الثقلین“ ترجمہ ”میں درمیان تمہارے
 دو چیزیں بزرگ چھوڑے جاتا ہوں
 الی اخولا“

کتاب خدا اور اہلبیت میرے اگر اُنکو مضبوط پکڑے رہو گے تو
 میرے بعد ہرگز کہی گمراہ نہو گے اور وہ دونوں آپس سے جدا
 نہوں گی جب تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ آئیں“ اور تخصیصاً
 علی کے لیے یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن
 کے ساتھ ہیں۔

جس سے صاف مقصود یہ ہے کہ علی اور اہلبیت پیغمبر پُرسنے
 والے قرآن کے ہیں لوگوں پر ہدایت کیواسطے جیسے کہ رسول کو

پڑھنے والا کتاب اور مصنف کا خدا نے فرمایا ہے اُسی معنی میں رسول
نے علی اور اہلبیت کو بتایا ہے۔

اور علی مرتضیٰ نے چوہ فرمایا ہے کہ وہ قرآن صامت ہے اور
میں قرآن ناطق۔ اُسکی مراد یہی ہے کہ میں پورا پورا قرآن کی تکمیل
کریں والا ہوں اور میرا قول اور فعل عین قرآن ہے۔

جو لوگ کہ اہلبیت اور قرآن کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں
انکے لیے کسی طرح سے نہیں سمجھا جاسکتا کہ قرآن سے کوئی مسئلہ
اُٹل گیا اس لیے کہ عالم قرآن کے استنباط سے کوئی مسئلہ نہیں
رہ سکتا تھا لیکن جو لوگ کہ اہلبیت پیغمبر عالم قرآن کو ترک کیے
ہوئے ہیں اُنکی نسبت یقین کرنا چاہیے کہ اُن سے بہت کچھ مسائل
قرآن کے چھوٹ گئے اور اُنہوں نے غلطی فہم اور طبع سے مسائل قرار
دیے اور بنالئے۔ اور درحقیقت انہیں لوگوں کے حق میں نکال دینا

مسائل کا قرآن سے خصوص مسئلہ ماست کا صادق آتا ہے۔
بیشک اس نے وعدہ حفاظت قرآن کا کیا ہے لیکن اُسکو
خدا نے ہرگز اس طرح پورا نہیں کیا کہ اہلسنت کو توفیق دی ہو کہ
سینا و سفینہ میں قرآن کی حفاظت کیے رہے جیسا کہ مصنف
مخاطب ظاہر کرتے ہیں بلکہ خدا نے وعدہ حفاظت کو اس طرح پورا کیا

ہر کہ پیغمبر اور علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت نے اُسکو محفوظ رکھا ہے اور
ادنین کے طریقہ حفاظت کی وجہ سے اب تک محفوظ چلا آتا ہے۔

یا وصف اسکے کہ روز وفات پیغمبر سے اُس فرقہ نے کہ جس نے
حکم خدا (اہل بیت رسول) کو چھوڑ دیا ہے اور حضرت معاویہ کے
وقت میں خطاب اہلسنت کا اور حضرت یزید کے وقت میں عقب
اہلسنت و جماعت کا پایا ہے بہت کوشش کی ہے کہ قرآن میں تحریف
کریں اور اب تک کوشش چلی جاتی ہے۔

خدا نے جو وعدہ حفاظت قرآن کا کیا ہے اُس حفاظت سے مراد
حفاظت تحریف سے ہے اور تحریف دو قسم کی ہوتی ہے ایک تحریف
لفظی دوسرے تحریف معنوی۔ خدا قرآن میں چند جگہ تحریف کا
ذکر فرماتا ہے۔

وَاَقْطَعُ عَوْنَ اَنْ يُّوْمِنُوْا لَكُمْ	ترجمہ کیا پس طمع رکھتے ہو تم
فَرِيقٌ مِنْهُمْ لَيَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ	(اے محمد اور اہلبیت محمد) یہ کہ
ثُمَّ يَخْرُوْنَ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْا	ایمان لائیں وہ تمہارے واسطے
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ	در حالیکہ تحقیق کہ ایک گروہ ان

میں سے ہے کہ سنتے ہیں وہ کلام خدا کو پہر تحریف کرتے ہیں (بدلتے)

سہ پارہ اول رکوع ۹ سورۃ البقرہ۔

ہیں) اُسکو بعد اسکے کہ سمجھا ہی اُسکو اور وہ جانتے ہیں۔
 اس آیت کے شروع میں جو خطاب ہی وہ کل مومنین اور پھر
 ایمان لائے والے کی نسبت تین ہو سکتا اسلیے کہ اہل خطاب کو
 ایمان لانیوالوں کی خدا خبر دیتا ہے اور ایمان لانیوالوں میں سے ایک
 فرقہ کو خدا ایسا بتاتا ہے کہ جو کلام خدا کو سنتے ہیں اور پھر اُسمیں تحریف
 کرتے ہیں بعد اسکے کہ اُسکو سمجھ لیا ہے اور اپنی تحریف کرنے کو
 جانتے ہیں۔

اور اہل خطاب کی نسبت یہ فرماتا ہے کیا پس طمع ہو تم
 یہ کہ ایمان لائیں وہ واسطے تمہارے جس سے یہ ظاہر ہے کہ اہل
 خطاب وہ لوگ ہیں کہ جنہر ایمان لایا جائے۔ اور اہل خطاب کو
 جن ایمان لانیوالوں کی خبر دی گئی وہ اہل خطاب کے سوا دوسرے
 لوگ ہیں۔

اس بنا پر اہل خطاب کل مومنین بنیں ہو سکتے بلکہ کل مومنین
 میں دو فرقہ ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ کہ اہل خطاب پر ایمان لائیں
 اور کلام خدا کو سنکر اور سمجھکر تحریف نہ کریں۔ دوسرے وہ کہ اہل
 خطاب پر ایمان لائیں اور کلام خدا کو سنکر بعد سمجھنے کے تحریف کریں
 اور اپنی تحریف کو جانتے ہوں۔

یہ معنی اور مراد آیت قرآنی کی ایسی صاف و صریح ہیں کہ جس پر کوئی نزاع اور بحث نہیں ہو سکتی البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ خدا نے جس فرقہ کو تحریف کرنا لایا بتایا ہے۔ شیعہ سنیوں کو کہیں کہ وہ فرقہ تحریف کرنا لایا ہے اور سنی فرقہ شیعہ کو کہیں کہ وہ تحریف کرنا لایا ہے لیکن یہی آیت بتاتی ہے کہ کون فرقہ تحریف کرنا لایا ہے۔

شروع آیت میں جو یہ خطاب ہے ”کیا پس طبع رکھتے ہو تم یہ کہ ایمان لائین وہ واسطے ہمارے“ اس خطاب سے ظاہر ہے کہ جن پر ایمان لایا جائے اور جو اہل خطاب ہیں وہ شخص واحد نہیں ہے بلکہ ایک جماعت ہے ”افظلمعون“ صیغہ جمع کا ہے اور انہیں کے لیے ”لکم“ بھی ضمیر جمع مخاطب حاضر کی ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ بلحاظ اس آیت کے ہر مومن ایک جماعت پر ایمان لایا ہوا ہو۔

فرقہ شیعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر جو مین امامت شامل ہے اور اہلبیت پیغمبر اور ائمہ اہلبیت کی امامت پر جو رسالت کے شامل تھی ایمان لایا ہوا ہے۔ اور فرقہ اہلسنت ذات واحد حضرت محمد کی رسالت پر ایمان لایا کہ دعویٰ کرتا ہے اہل محمد کی امامت کا بموجب قرآن کے قطعی منکر ہے۔

چنانچہ مصنف مخاطب نے بیان تک کیا ہے کہ مسئلہ امامت کا

قرآن میں پتا نہیں۔ حالانکہ باعتبار اس آیت کے ایک جماعت پر ایمان لانا ضرور ہے۔ پس جو فرقہ کہ صرف ایک ذات واحد کی رسالت پر کہ جس میں امامت شامل ہے مدعی ایمان لائیکا ہی نہ ایک جماعت کی امامت پر کہ جو رسالت کو شامل تھی۔

ایسی جماعت کی نسبت خدا خطاب کر کے فرماتا ہے کیا پس طبع رکھتے ہو تم یہ کہ ایمان لائیں وہ واسطے تمہارے حالانکہ ایک گروہ ان میں سے سنتا ہے کلام خدا کو اور ہر تحریف کرتا ہے بعد سمجھنے کے در حالیکہ جانتا ہے وہ اپنی تحریف کو جس کا یہ منشا ہے کہ تمہاری ما اور تمہاری امامت پر ایمان لائیکا حکم کلام اس میں موجود ہے اور اس کو وہ سمجھتا ہے اور بعد سمجھنے کے اس کو وہ بدلتا ہے اور اپنے بدلنے کو وہ جانتا ہے۔

اس آیت سے صریح ظاہر ہے کہ کلام اس کا تحریف کرنا ناقص فرقہ اہلسنت ہی نہ فرقہ شیعہ۔

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَى الْفِتْنِ أُولَٰئِكَ يَصِيبُهُمْ الْعَذَابُ الَّذِي لَمْ يَرْجُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُرْهَانٌ لِّمَن يَدْعُو إِلَى الْفِتْنِ أَلَا بُرْهَانٌ لِّمَن يَدْعُو إِلَى الْفِتْنِ أَلَا بُرْهَانٌ لِّمَن يَدْعُو إِلَى الْفِتْنِ	ترجمہ کیا نہ دیکھا تو نے اسے محمد صلعم طرف ان لوگوں کے کہ یہ کہتے ہیں وہ ایک حصہ کتاب سے خرید کر تے ہیں مگر ابھی کو اور
--	---

ان بزرگواروں کے نام جنہوں نے جدید معاونین سے رسالہ ہذا کی مدد کی مع تعداد

نمبر	نام معاونین	تعداد
۱	جناب سید محمد صاحب رئیس گلگتہ۔	۱
۲	جناب سید ابن حیدر صاحب رئیس امر وہہ۔	۳
۳	جناب سرزا محمد صادق صاحب شہیدی نائب ٹیپسٹار	۱
	جناب نواب سید اسد اللہ خان صاحب بہادر بالقابہ	۱

کیونکہ حضرات باقیداران ۱۵۴۴ء۔ ۱۵۴۵ء تک انتظار کر کے گشتی
۱۵۴۶ء میں قریباً ختم ہو کر باقی فرما کے ۱۵۴۷ء کا چندہ مع چندہ جلد ثالث ۱۵۴۸ء
کے ارسال فرمائے۔

۱۵۴۹ء میں ان بزرگواروں کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے پیشگی چندہ بات
۱۵۵۰ء میں بھیج کر اعانت کی سہ ماہی دوم کے نمبر ہی ارسال کیے جاتے
ہیں امید ہے کہ یہ پیرچہ پہنچتے ہی دیگر حضرات بھی زرخندہ سالانہ اعانت
فرمائیں تاکہ آخر جولائی انتہا شروع اگست ۱۵۵۱ء تک سہ ماہی سوم
کے نمبر ہی شائع ہو جائیں۔

سہ ماہی سوم کے نمبروں کے ساتھ انشوار امد بقیہ اجزاء اخبار
کے بھی بھیجے جائیں گے ناظرین اطمینان فرمائیں ۲۵۔ ذیحجہ سے دفتر رسالہ
روشنی میں تعطیل تحریر کی ہو جائیگی اور راقم ۲۰ ذیحجہ کو اپنے وطن بمقام
مراد آباد جلا جاوے گا اور ۲ محرم کو انشا اللہ واپس آئے گا اس عرصہ میں
خط و کتابت بنام راقم مراد آباد جلا جائے گا مع مسجد کے پتہ سے ہونی چاہیے۔
سب کا نیاز من عبد الفتی قزلباش

دستور العمل رسالہ روشنی

(۱) یہ رسالہ تین جلدوں میں ہوا ر کے حساب سے شائع

ہوتا ہے۔

(۲) پیشگی سالانہ چندہ سے رہے۔

(۳) بلا طلب اب کسی کے نام جاری نہ ہوگا بہت نقصان

ہو چکا ہے۔

(۴) خط و کتابت فرسید زر بنام عبد القی قزلباش یا دیگر ہونی

چاہیے۔

(۵) پتہ یہ ہے لکھنؤ چوک دفتر رسالہ روشنی۔

پچھلے سال کی جلدیں

جو ہنگامہ آرکیبا فی خرید فرمائیں انکو حسب ذیل روپیہ بھجایا جائے

جلد اول عا بابت ہر دو ضمیمہ جلد اول (عصا) بابت جلد اول

جلد دوم اور جلد تیس مطبوعہ مطبعہ جعفریہ دفتر روشنی سے مل سکتی

غزواران کو نوٹ ہے۔ پندرہویں ذی الحجہ تک اگر درخواستیں آئیں

ہم ہر قسم کے فکرمندی سے کوشش کریں گے۔

عبد القی قزلباش

انی تبارک فیکم التقلین

نور علی نور

جلد ثالث رسالہ روشنی

بابت ماہ

جولائی - اگست و ستمبر ۱۳۰۴

مرزا غلام احمد دلاوی

مدرسہ اسلامیہ

لاہور

عذر سے چلنے و وعدہ کیا تھا کہ سہ ماہی سوم کے نمبر بھی جلد شائع ہوگا۔ لیکن جب
 مین محرم میں وطن گیا وہاں دفعہ تپ لرزہ اور دم جگر میں ایسا مبتلا ہوا کہ لٹا سہ کوئی اسید
 زندگی کی انتہی تین چار ماہ کامل علیل رہا لیکن خدا نے میرے حال پر رحم فرمایا اور صحت عطا کی۔
 اسی وجہ سے مین وعدہ کو پورا نہ کر سکا۔ اکتوبر میں واپس آکر یکوشش تمام سہ ماہی سوم
 کے یہ نمبر چھپوائے مین امید کرتا ہوں کہ میرے عذر کو معاونین قبول فرمائیں گے۔
 بجاواب خطوط اکثر بزرگواران کے مینے عرض کیا تھا کہ سہ ماہی سوم و چہارم کے نمبر
 ساتھ ہی شائع کرونگا لیکن یہ وجہ میری غیر جاضری کے ایک تسلسلہ آمد چندہ کا بندرہ
 دوم اب جو خطوط بعض جگہ پہنچے ان کے جواب کم آئے لہذا اب وجہ کی مصارف کو سہ ماہی
 چہارم کو شائع نہ کر سکا۔ امید کرتا ہوں کہ اگر یہ نمبر پہنچتے ہی جن بزرگواران نے چندہ
 بندہ زمین دیا ہے انہوں نے یہی بات تو سہ ماہی چہارم کے نمبر ہی قریب تر شائع ہو کر
 پہنچیں گے کام جاری ہے۔ اگر چندہ نہ آیا تو وہ نمبر نہ رلیو لیو ہوگا۔ اگر ویلو واپس
 آئے تو واپس کنندہ حضرات کی نسبت سمجھا جائیگا کہ ان کو اب خود جاری منظور زمین۔
 رسید زر جو شائع کی جاتی ہے اس کے ملاحظہ کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ کن کن بزرگواران
 کو چندہ پہنچنا چاہئے والسلام

رسید چندہ جلد ثالث بابتہ سال ۱۲۹۶ھ

نام معاونین	چندہ
عالمیاب آغا صاحب شادی	عالمیاب شیخ علی صاحب جلیل
عالمیاب آغا صاحب شادی	عالمیاب شیخ علی صاحب جلیل
عالمیاب آغا صاحب شادی	عالمیاب شیخ علی صاحب جلیل
عالمیاب آغا صاحب شادی	عالمیاب شیخ علی صاحب جلیل

ولیا و کفی بالله نصیرا من الیٰذین
 هادوا یحرفون الکلم عن مواضعه
 ویقولون سمعنا وعصینا واذنم
 غیر مسمع ورا عذالیا بالسننکم
 وطمعانی الدین ۱۱

اور چاہتے ہیں یہ کہ تم کو وہم راہ راست
 کو اور خدا فریادہ جانتا ہی دشمنوں
 تمہارے کو اور کافی ہی اسد دست
 اور کافی ہی اسد نصرت کرے نوالا۔
 دینا تک اس آیت میں خبر ہی ایک

گروہ کی نسبت کہ جنگو کچھ حصہ کتاب کا دیا گیا ہے اور وہ گمراہی مولیٰ ہے
 ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو لوگ براہ راست پر ہیں وہ بھی گمراہ ہو جائیں
 اور خطاب اس آیت میں اول خاص ذات پیغمبر کی طرف ہے لیکن
 در بیان آیت کے خدا بعد فرماتے ہیں ان لوگوں کے کہ جنگو کچھ حصہ
 کتاب کا دیا گیا اور وہ گمراہی خرید کرتے ہیں ان کے ارادہ کے مقابل میں
 اُس دوسرے گروہ کے لوگوں کے جو براہ راست پر ہیں اور جنگو پیغمبر
 کے ساتھ جمع کے صیغہ سے بولا گیا ہے۔ خبر دیتا ہی مخاطبوں شریک
 پیغمبر کو (شریک فی النبوۃ اور شریک فی الرسالت سے مراد نہیں
 ہے بلکہ شریک فی الہدایۃ سے مراد ہے جو بذریعہ امامت کے ہوتی ہے
 وہ امامت کے جو رسالت کو شامل ہے کہ وہ تم کو راہ راست سے گم
 کر دیں اور جبکہ ارادہ راہ راست سے گم کرنے کا ہے انکو دشمن ان

۱۱ پارہ پنجم سورہ نساء رکوع ۴۔

اُن لوگوں کا فرمایا ہے کہ جو راہ راست پر ہیں۔
 نتیجہ مقصود اس آیت کا یہ ہے کہ خدا نے دو گروہ اس آیت
 میں بتائے ہیں ایک وہ کہ جو راہ راست سے گم کر دینے کا ارادہ
 رکھتا ہے دوسرا وہ کہ جو راہ راست پر ہے اور پیغمبر کا شریک ہے جس کو
 پیغمبر کے ساتھ خدا نے شامل کر لیا ہے۔

اسی موقع پر یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جو فرقہ راہ بہت
 والے لوگوں کو گمراہ کرنے والا بنا یا گیا ہے اُس کا یہ وصف بھی ظاہر
 کیا گیا ہے کہ اُس کو کتاب سے ایک حصہ دیا گیا ہے یعنی کتاب کے کل
 حصص بنین دیے گئے ہیں اور وہ ایک حصہ سے گمراہی خرید
 کرتا ہے۔

اب میں ضائع کرتا ہوں کہ وہ فرقہ وہ ہو سکتا ہے کہ جو رسالت
 کو مانے اور امامت کو نہ مانے اور اسی فسق و فساد کی نسبت بالا
 تحریف کرنے کا الزام اس آیت میں لگایا جاتا ہے اور جبکہ استنباط
 یوں ہوتا ہے کہ اُسے پیغمبر بنین دیکتا ہے تو طرف اُن لوگوں کے
 کہ دیے گئے ہیں ایک حصہ کتاب سے (اے اس کتاب میں جو تیری
 رسالت کا بیان ہوا ہے اُس کو ایک حیثیت سے قبول کرتے ہیں)
 خرید کرتے ہیں گمراہی کو (اے رسالت قبول کرنے کے ساتھ بعد

رسولؐ کے امامت کو قبول نہیں کرتے کہ جو دوسرا حصہ کتاب کا ہی
 اُس دوسرے حصہ کتاب کو یہ لکھ چکے ہیں ایت کے ضلالت مول
 لیتے ہیں) اور ارادہ کرتے ہیں یہ کہ گم کر دو تم راہ راست کو (اے
 جو لوگو کہ تم راہ راست امامت کو قبول کیے ہو وہ لوگ
 ارادہ کرتے ہیں کہ تم اُس راہ راست کو گم کر دو) اور اسدِ خوب نسا
 ہی تمہارے دشمنوں کو (اے اُن لوگوں کو کہ امر امامت کے سبب
 سے تمہارے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں) ۷

ابتداءً اس آیت میں تحریف کا بیان کنایہ سے ہوا ہے اسلئے
 خدا اُسی آیت کے ساتھ میں مثلاً فرماتا ہے ۷ ترجمہ ۷ اُن لوگوں
 میں سے کہ یہودی ہوئے ہیں تحریف کرتے (بدل دیتے ہیں)
 کلموں کو مقاموں اُسکے سے (اور اس مثال کے بعد خدا بذریعہ
 حرفِ عطف یا استیناف کے اُنہیں پہلے لوگوں کی نسبت کہ جنکو
 ایک حصہ کتاب سے دیا گیا اور جو گمراہی کو مول لیتے ہیں اور راہ
 راست والوں کو گمراہ کر دینے کا ارادہ کرتے ہیں اُن لوگوں کی
 نسبت خبر دیتا ہے)۔

ترجمہ - اور کہتے ہیں کہ بننا ہم نے اور نافرمانی کی ہم نے (دل
 میں) اور سن تو جو بات نہیں سنائی گئی (جو ہکو سنا یا گیا ہے اُس کے

ظلمات ہم سے سن) اور رعایت کر تو ہماری (ایسی بات دل کی زبان سے کیسے کہتے ہیں) زبانوں کو موڑ کر اور طعن کر کے دین میں (اپنے دل کی بات زبان کو موڑ کر کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت اپنے اہلبیت میں ہی قائم کر دی اور ہماری رعایت نہ کی۔

اس نص سے دیکھنا چاہیے کہ الزام تحریف کا کس کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔ پارہ ۵-۶۔ سورۃ مائدہ رکوع ۶۔

پہلے خدا فرماتا ہے ہر آپ نے لیا اللہ نے عبد بنی اسرائیل کا اور مبعوث (پراگشہ) کیا ہم نے انہیں سے بارہ سردار کو اور کہا اللہ نے (بنی اسرائیل سے) تحقیق کہ میں تمہارے ساتھ ہوں البتہ اگر تم قائم کرو گے نماز کو اور ایمان لاؤ گے تم ساتھ پیغمبروں میرے کے (اے جو کچھ فرمائیں اسکی فرمانبرداری کرنا) اور قرض دو گے تم اللہ کو قرض حسنہ (راہ خدا میں خرچ کرنا) تو البتہ دو کرو گے میں تم سے گناہ تمہارے اور ہر آئینہ داخل کروں گا میں تمکو بشتیوں میں کہ جاری ہیں نیچے اسکے نہرین ۱۱

ان بارہ سرداروں کو جو خدا نے مبعوث کیا تھا اور بنی اسرائیل سے یشاق لیا تھا ان کے شرط اور جزا کے ذکر کے بعد خدا یہ

فرماتا ہے۔

۱۱۔ من كفر بعد ذلك منكم
فقد ضل سواد السبيل فيما
نفضهم ميتا تمهم لعنهم وجعلنا
قلوبهم قاسية يحرفون الكلم
عن مواضعه وندوا خطائنا
ذكر واثمه ولا تزال تطلع على
خائنة منهم الا قليلا منهم
فاعف عنهم واصفح ان الله
يحب المحسنين ۱۱

ترجمہ ۱۱۔ پس جو کوئی کفر کرے
بعد اُس کے تم میں سے پس
تحقیق گمراہ ہوا وہ سیدھی راہ
پس ساتھ توڑ دالنے انکے
عمدا اپنے کو لعنت کی ہم نے
اُن کو اور گردانے ہم نے دل
انکے سخت تحریف کرتے ہیں انکو
جگہوں سے اور بول گئے وہ
حصہ اُس چیز (اے سر داری) (۱۱)

کو کہ نصیحت کی گئی تھی اُنکو ساتھ اُس کے ہمیشہ مطلع ہوتا ہے تو (اے
محمد صلعم) اوپر خیانت کے اُن لوگوں (بہول جانے والوں) میں
سے مگر تھوڑے اُن میں سے (اے جنہوں نے خیانت نہیں کی)
پس درگزر کر تو اُن سے اور ہفتہ پیرے (اے دنیا میں اُنکو پہنچا
نہ دیجائے) اور نہ پیرے تحقیق کہ بعد دوست رکھتا ہے نکلی کوئے
والون کوئے

اگرچہ بہت سورین پیغمبر آخر الزمان کی اور اُن کے وصی کی او

امت رسول کی حضرت موسیٰ کا دواؤں کے بہائی ہارون اور ان کی قوم کی مشابہت ہو اور جیسے کہ قوم بنی اسرائیل کے لیے بارہ سردار بڑا انگختہ ہوئے تھے ویسے ہی پیغمبر نے بارہ سردار اپنی قرابت قریب سے بتائے ہیں مگر اس آیت میں ان دونوں پیغمبروں اور ان کے وصی اور ان کی قوم کو ذکر میں ایسا منظم کیا ہے کہ آخر کار پیغمبر آخر الزما کی طرف خطاب ہی کر دیا ہے اور جس سے اشعار اس بات پر ہی کہ جیسے بنی اسرائیل کے بارہ سرداروں کی سرداری نہ ماننے میں تحریف ہوئی اور اس حصہ سرداری کی نصیحت کو بھول گئے ویسے ہی بارہ اماموں کی سرداری قریب قرابت داران رسول کی تحریف کرتے ہیں اور حصہ نصیحت امامت ان کی کو بھول جاتے ہیں۔ اسے پیغمبر معاف کر اور درگزر کرتے ہوئے پارہ ۶ رکوع ۹ سورہ مائدہ۔

۲۲ یا ایہا النّٰس اذینک	ترجمہ ۲۲: اے رسول نہ غلین کریں
الذین یسارعون فی الکفر	تجکد وہ لوگ کہ جلدی کرتے ہیں
ان الذین قالوا امنا باہلہم	کفر میں ان لوگوں میں سے کہا
ولم یؤمن قلوبہم ومن للذین	انہوں نے ایمان لائے ہم ساتھ
ہادوا سماعون للکذب سماعون لقول	صوفیوں اپنے کے نہ ایمان لائی
آخرین یم یاتولک یخرفون العلم من بعدہ	دل ان کے دینا تک یہ آیت

امت رسول کے اُن مسلمانوں کے حق میں ہو کہ جو منہ سے کہتے تھے کہ ہم ایمان لائے اور دل اُنکے ایمان نہیں لانے تھے اور اُنکی اس نالائق حرکت سے پیغمبر کو استعجال ہوا ہے جسکی وجہ سے خدا کو یہ فرمانا پڑا ہو کہ اسی رسول تجھ کو غلین نہونا چاہیے اور جس امر کو کہ زبانی ظاہر کرتے تھے اور دلیمن ایمان نہیں رکھتے تھے وہ امر اُس مثال سے ظاہر ہوتا ہو کہ جسکی وجہ خدا نے اسی آیت میں تشفی دی ہے (ترجمہ) اور اُن لوگوں میں سے کہ یہودی ہیں بہت سننے والے ہیں واسطے جو بڑے بہت سننے والے ہیں واسطے قوم دوسری کے جو نہیں آتے ہیں تیرے پاس (یعنی تیرے طرف چلے نہیں کرتے اور متوجہ نہیں ہوتے) تحریف کرتے ہیں کلام بعد کو اُسکی جگہ سے ۱۱

اس فقرہ آیت میں خدا نے پیغمبر کے غلین نہونیکے لیے نصیحت فرمائی ہے کہ یہودی بھی تو تیری رسالت کے متعلق تو ریت میں تحریف کرتے ہیں تیری امت کے لوگ تیری آل کی امامت کی بابت بعد تیرے یا کلام بعد کو (یعنی بعد رسالت کے امامت کو) اگر تحریف کریں تو تجھ کو آزدہ نہیں نہونا چاہیے۔ بعد کلام جو اس آیت میں ہے وہ نہایت ہی قابل غور ہے اور جسکا نتیجہ یہ ہے کہ پیغمبر کے ساتھ

پیغمبر کی آل کو اسوۂ ہر۔

یہود نے پیغمبر کی وصالت کے بائین بعد کو تحریف کی ہر اور جو
مسلمان کہ صرف زبانی ایمان لائے ہیں اور دلمین انکے وہاں نہیں
ہو وہ آل پیغمبر کی امامت میں بعد کو تحریف کرتے ہیں اور اسی موقع
سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مصداق تحریف کا فرقہ شیعہ ہر یا فرقہ اہلسنت
وجامعت کا۔!

حفاظت قرآن کی تحریف لفظی اور معنوی سے خدا نے اسطرح
پوری کی ہر کہ جسوقت جو آیت نازل ہوئی تھی اسید وقت پیغمبر خدا
الفاظ اس آیت کے لکھا دیتے تھے اور انہیں لکھ ہوے الفاظ
کے بموجب قرآن جمع اور نقل کیا گیا ہر کہ جو اسوقت تک امت
رسول کے پاس موجود ہر اور بوجہ لکھا دینے پیغمبر کے آیات قرآنی کو
تحریف لفظی کا موقع کسی کو نہیں ملا اور نہ مل سکتا تھا۔!

جو آیت جسوقت نازل ہوتی تھی اسکا منشا اور مقصود پیغمبر
خدا علی مرتضیٰ کو بتا دیتے تھے اور وہی تفسیر بتائی ہوئی حضرت
پیغمبر خدا کی علی مرتضیٰ اپنے ہاتھ سے لکھ لیتے تھے جسکو علی مرتضیٰ
نے ترتیب نزول مع تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر اور لکھی ہوئی اپنی کے
پیش کیا تھا اور نہیں لیا گیا مگر وہ قرآن مع تفسیر کے علی مرتضیٰ کے

پاس رہا جسکے وجوہ کے متعدد اخبار کتب اہلسنت سے ہم پہلے نظر
 آئے ہیں اور جسکے نیلے جالنے پر بعض علماء اہلسنت نے
 افسوس کیا ہوا اور وہی قرآن تفسیر میں دیگر ائمہ اہلبیت کے پاس
 برابر چلا آیا اور بارہ ائمہ اہلبیت علی مرتضیٰ سے لیکر محمد بن حسن عسکری
 علیہم السلام تک معنی اور مقصود آیات قرآنی کے بیان فرماتے رہے
 جو بموجب تفسیر تائی ہوئی پیغمبر اور لکھی ہوئی علی مرتضیٰ کے تھا اور وہی
 انکے ارشادات اور بیان شیعوں نے اپنی کتب احادیث میں جمع
 اور نقل کیے ہیں اور انہیں سے حفاظت تحریر معنوی کی ہوئی

ہے۔
 جن آیات کے معنی ائمہ غیر اہلبیت رسول نے خلافت ان معنی
 اور مقصود کے جو ائمہ اہلبیت نے فرمایا ہو قرار دیے ہیں یا قرار دیے
 ہیں وہ درحقیقت تحریر معنوی ہو اور اس تحریر معنوی کے کتب
 وہی فرقہ اسلام کے ہیں اور ہو سکتے ہیں کہ جو فرقہ شیعہ کے
 ہیں۔

فرقہ شیعہ نے جن آیات کے معنی اور مقصود ائمہ اہلبیت سے
 لیے وہ بنظر تعمیل اس ارشاد پیغمبر کے ہو کہ قرآن علی کے ساتھ ہے
 اور علی قرآن کے ساتھ ہے لہذا مقصود یہ ہو کہ علی کا قول و فعل مطابق قرآن

کے ہی ذائقہ میں نہیں ہے۔

اور اس ارشاد و پیغمبر پر شک کیا گیا ہے کہ قرآن اور اہلبیت یا
عترت پیغمبر کسی جدا نمونے اور جو کوئی ان دونوں کے انقدر جزو و مکمل
پڑے ہو گا وہ کسی گمراہ نمونہ جیسا کہ مراد یہ ہے کہ عترت رسول شیعہ
شیعہ معانی قرآن بیان کر سکتے ہیں۔

ایسے ائمہ اہلبیت نے جو معنی اور مقاصد آیات قرآنی کے
بتائے ہیں وہ کیونکر تحریف بھی جاسکتی ہے بلکہ اسی طریقہ عمل نے
قرآن کو تحریف معنوی سے محفوظ رکھا ہے۔ انکی نسبت احتمال
امر معکوس ہے۔

البتہ غیر ائمہ اہلبیت نے خلاف مراد ائمہ اہلبیت کے جو
معنی قرار دیے ہیں وہ قطعی تحریف ہے اور جبکہ بیان ان آیات میں
خود خدا نے کر دیا ہے کہ جنہیں ذکر تحریف کلام خدا کیا گیا ہے اور جسکی
تصحیح ہم ہی اور پر کر آئے ہیں۔

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت فرقہ شیعہ کے دوسرے فرقہ
اسلام قرآن کی وہی حالت کرنا چاہتے ہیں اور اسی کی کوشش
کرتے چلے آتے ہیں کہ جو توریت اور انجیل کی حالت ہو گئی اگر
شیعہ ایسی خلافت نہ کرتے تو تمام مذہب اسلام میں قرآن کی

ہی حالت ہو جاتی جو مذہب عیسائی اور یہودی میں تو ریت اور
انجیل کی ہو گئی شیعوں کو کوئی طرح نہیں تھی کہ جس کے سبب سے
تحریف معنوی قرآن کی کرتے۔ ائمہ اہلبیت کی خود حالت ایسی
رہی ہے کہ جس سے کوئی توقع حصول دولت کی شیعوں کو اُنکی
ظرف داری سے نہیں ہو سکتی تھی برخلاف شیعہ غیر شیعہ کے جنکی
خلفائے حکومت خلافت حاصل کی تھی اس حکومت کے
لیے یہ طرح حصول دولت تحریف معنوی قرآن کے لیے کوشش
کی کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ غیر مذہب شیعہ کے دیگر فرقوں اسلام
کی طینت کا نمونہ بہت اچھی طرح ظاہر ہو گیا جسکی متعدد ذخیریں
پیغمبر خدا دے چکے تھے اور جسکو جا بجا ہم کتب اہلسنت
سے دکھا آئے ہیں۔

یہ قول مصنف مخاطب کا کہ وہ شیعوں کے اعتقاد میں
جو لوگ اصحاب ائمہ کہلاتے ہیں وہ درحقیقت مذہب اسلام
کے معتقد نہ تھے۔ "خلافت واقعہ اور بغیر سند کے ہی جن جن
اصحاب ائمہ کا ذکر مصنف مخاطب نے کیا ہے اذروے و تھا
کے حالت اُنکی جو ہم نے دکھائی ہے اور جبکہ وہ کامل الایمان
ہو گئے ہیں شیعوں کے اعتقاد میں وہ درحقیقت مذہب اسلام

کے ایسے معتقد تھے کہ اُن کے مہدین کوئی دوسرا اصلی اور حقیقی مذہب اسلام کا معتقد نہ تھا اُنہوں نے مذہب شیعہ تصنیف نہیں کیا نہ ائمہ اہلبیت پر افترا کیا۔

ائمہ اہلبیت نے جو سچا اور حقیقی مذہب اُنکو تعالیم دیا اُسکو اُنہوں نے نہایت سچائی اور ایمان داری سے ظاہر کیا ہے اور جس میں اُنکے واسطے کوئی طمع دولت و مال کی نینیں تھی اور نہ ہو سکتی تھی۔ اُن اصحاب ائمہ کی حالت بالکل مخالف و مختلف ان اصحاب پیغمبر کے ہے کہ جنہوں نے بطبع خلافت جسکی آرزو ان کے دل میں حیات پیغمبر سے تھی بعد وفات پیغمبر کے اہلبیت پیغمبر کو چوڑ کر رخنہ اختلاف کا اور مخالفت مذہب اسلام میں ڈالی اور احادیث پیغمبر کو جنکی تعداد پانچ سو بیان کیجا ہے جلاؤ الا (کنز العمال کتاب العلم) اور احادیث کذب وضع کر کے پیغمبر خدا پر اتہام کیے جنکی تعداد اس درجہ پر پہنچ گئی کہ خود آخر کار علمائے اہلسنت نے کئی لاکھ حدیثوں کا وضعی ہونا قبول کر کے پیغمبر پر افترا باندھنا ثابت کر دیا ہے اور یہ نتیجہ اُسی تو جلاؤ جمع کا ہے جو غیر اہلبیت رسول کی طریت کی گئی۔

اور نہایت اصحاب ائمہ اہلبیت کی برخلاف اُن علماء کے ہے

کہ جو بظاہر اپنے آپکو مسلمان قرار دیتے تھے اور ناروا تائید خلافتِ خلفائے
ناحق کی کر کے مخالف اصل یا درحقیقی مذہب اسلام کے بطح مال و
زردینا کے تازہ تازہ قواعد گڑھتے تھے جس سے خود کتب اہلسنت
مالا مال ہیں۔

اور صریح اصحاب ائمہ اہلبیت نے مذہب شیعہ اپنی طرف
سے تصنیف نہیں کیا اور نہ ائمہ اہلبیت پر اقرار کیا اسید طرح انہوں
نے تحریف قرآن کی کوئی روایت تصنیف کر کے ائمہ اہلبیت
کی طرف منسوب نہیں کی اور نہ انکو کوئی ضرورت ایسی تھی انکو
جو کچھ حاجت تھی وہ سچے دین کے تھی۔

برخلاف اسکے غیر اہلبیت رسولؐ نے مخالف ارشادات
پیغمبرؐ کے اپنے آپکو عالم علم قرآن قرار دیکر اور اپنی رائے سے بھل
اور خلاف واقع خصوصاً مسئلہ امامت میں کہ خلافت جسکے تابع
تھی تفسیر قرآن کی کر کے تحریف قرآن کی کی۔

معیار اس امر کا طبع خلافت اور حرص دولت دنیا ہے۔ جو
لوگ کہ طبع خلافت کر کے قابض خلافت ہو گئے اور جن لوگوں
نے ان خلفاء کی طبع دولت و دنیا اطاعت کی انہیں کو ضرورت
احادیث کے وضع کرنے اور معنی آیات کے تحریف کرنے کی پیش

اکٹی اور انہیں کی نسبت ایسا یقین ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے۔
 لیکن ائمہ اہلبیت نہ قابض خلافت پر ہوئے کہ جس کے مستحق
 تھے اور ان کا تمام زمانہ اپنے مخالفوں کی طرف سے اندیشہ میں گزرا ان کے طبع
 اور ہر فردار و کی نسبت کسی طمع اور حرص کا گمان ہی نہیں ہو سکتا
 بلکہ بجائے حرص اور طمع کی آلودگی کے ان کے دل و زمین ائمہ اہلبیت
 کے مخالفوں کی جانب سے وہی خوف تھا جو ائمہ اہلبیت علیہم
 السلام کو تھا۔

ایسی حالت میں ائمہ اہلبیت سے ان کے متبع لوگوں نے
 جو کچھ حاصل کیا وہ بے لوث ایک نچا دین سمجھا جاسکتا ہے اور
 ائمہ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے اور ان کے متبع لوگوں نے جو کچھ ان سے
 لیا ہے اور جس کو انہوں نے اپنی کتب میں درج کیا ہے اس میں نہی سچائی
 کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ان کو نہ وضع کرنیکی کوئی ضرورت تھی
 نہ تحریف کرنیکی۔ البتہ غیر فرقہ شیعہ کو بطبع خلافت اور بقابلہ دلت
 دنیا کے کیا غرض تھی کہ قرآن کے معنی میں تحریف کرنے سے باز رہے
 اور مذہب اسلام میں شکوک نہیں بلکہ مذہب اسلام سے انحراف
 اور ارتداد پیدا ہو جائیگا پروا کرتے ان کی آنکھوں پر طمع اور حرص نے
 ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ مطلق نہ سمجھ سکے کہ اصل اور حقیقی پیروان

دین اسلام کے طعن کو ایسی گنجائش ہو جائیگی کہ ان تحریف کرنا
سے طعن ادا ہٹائے نہ ادا نہ سکیگا۔

یہ مسئلہ کہ مجرد قرآن حجت نہیں امام کا قول حجت ہے۔ جس طور پر
کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ شیعوں نے ایجاد کر لیا ہے صحیح نہیں۔
بلکہ یہ مسئلہ دوسری نوع سے خود خدا اور اُس کے رسول نے بتایا ہے۔
اُس کے خلاف البتہ حضرت عمر اور اہلسنت نے یہ ایجاد کی ہے کہ
صرف کتاب اللہ کافی ہے اور مجرد قرآن حجت ہے۔

خدا نے قرآن میں ہدایت کے لیے جس چیز کو حجت قرار دیا ہے
اُس کو بلیغ فرمایا ہے اور پھر بلیغ کو بتایا ہے کہ وہ بلیغ
کیا چیز ہے۔ آیت

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ مِنْ رَبِّهِمْ يَوْمَ يَكُونُ لِكُلِّ شَيْءٍ حَقٌّ	ترجمہ: نہ تھے وہ لوگ کہ کافر ہو اہل کتاب سے اور مشرکین سے جدا ہوئے (کفر سے) یہاں تک کہ آئے اُن کے پاس دلیل پتھر خدا کا ہے کہ تلاوت کرتا ہے
--	--

(پڑھتا ہے) وہ صحیفوں پاکیزہ کو جو اُس کے نوشتہ راست ہیں
لے کر پڑھتا ہے۔ سورہ احزاب ۴۳

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مجرد قرآن مجتہد نہیں ہے بلکہ رسول
 حجت ہے جبکہ وہ کتاب آسمانی ہے۔ اس آیت میں جو لفظ تلاوت
 آیا ہے جسکے معنی پڑھنے کے لگتے گئے ہیں درحقیقت اُس پڑھنے
 سے یہ مراد ہے کہ وہ رسول قرآن کو لوگوں پر ہدایت کے لیے پہنچاتا ہے
 اور اُس سے ہدایت کرتا ہے اور اُس قرآن کو بتاتا ہے صرف زبان سے
 لفظ نکالنا اور انرا مقصود نہیں ہے پس پیغمبر نے جس طور سے کہ قرآن کو
 بتایا ہو وہی ہدایت ہو سکتا ہے مجرد قرآن نہ کافی ہو سکتا ہے نہ حجت
 مصنف مخاطب اپنی تفسیر کبیر اعظم میں مشکوٰۃ سے ایک
 روایت کا جواب دیا وہ سے منقول ہے حاصل یہ لگتے ہیں کہ یہ رسول
 اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جیسا کہ قرآن مجھ کو ملا ہے ایسی ہی اُسکی مثال دے
 بھی دے گی ہر قریب ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ پیٹ بہرے لوگ
 اپنی مسند و پریشی سے یوں کہیں گے کہ جو حلال حرام قرآن میں
 ہے اُسکو مانو حالانکہ رسول نے جو حرام کیا ہے اُسکا حکم ہی ویسا ہے جیسا
 کہ اللہ نے حرام کیا ہے

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مجرد قرآن مجتہد نہیں ہو سکتا بلکہ
 خدا کا رسول بنیہ ہے جو کچھ وہ بیان کرے وہی قرآن ہے۔ وہ قرآن
 نہیں ہے جسکو پیٹ بہرے لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے

ہر کوئی یقین کر سکتا ہو کہ پیٹ برے لوگ وہی ہو سکتے ہیں کہ جہنم
نے خلافت کو کہا لیا ہوا اور جنہوں نے خلافت کا دودھ پیا ہو اور جو معیار
حق کہنے والوں کی اور حق پر چلنے والوں کی ہم نے ظاہر کی ہر اس کی تائید اسلی شہ
رسول سے ہوتی ہی۔

اس سے انکار کرنا بہت دشوار ہے کہ پیغمبر نے جو علم قرآن علی مرتضیٰ
کو دیا اور ہر آیت کی تفسیر جیسی اُنکو بتائی اور جبکہ انہوں نے اپنے ہاتھ
سے لکھا اور جو اُنکے پاس موجود تھی جس کا وجود کتب مقدمہ اہلسنت
سے ہم اکثر مقام پر دکھا آئے ہیں ویسا علم قرآن پیغمبر نے کسی کو نہیں دیا
اور نہ ویسی کوئی تفسیر کیسے پاس تھی۔

چنانچہ مصنف مخاطب ہی اپنی تفسیر اکسیر اعظم بن قبول کرتے
ہیں کہ علم علی مرتضیٰ کا سب سے اعلیٰ اور افضل تھا (جلد اول
صفحہ ۲۴)

وہی علم قرآن اور وہی تفسیر جو پیغمبر نے علی مرتضیٰ کو بتائی تھی
اور علی مرتضیٰ کی لکھی ہوئی اُنکے پاس موجود تھی وہی علم اور تفسیر قرآن
بذریعہ ارشاد کے تمام ائمہ اہلبیت کے پاس برابر چلا آیا ہے اور قرآن میں
اُنکو خدائے وارث کتاب اور سیفہ میں علم کتاب کا رکھنے والے اور
معمل سخن فی العلم تاویل قرآن کے جاننے والے اور قرآن سے

استنباط کر نیو اسکے بتایا اور فرمایا ہوا درست رسول کو یہ حکم دیدیا ہو کہ
 ۱۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی ۲۔
 ایسے اولی الامر جنکی اطاعت مثل اطاعت رسول خدا کے فرض کی
 گئی ہو سوا علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت کے کوئی نہیں ہو سکتا اور کہو
 بحوالہ روشنی نمبر ۲۵ بحث مسئلہ امامت جلد دوم

اس اعتبار سے شیعہ قول امام کو حجت قرار دیتے ہیں جو مطابق
 قرآن کے ہوا اور جیسا کہ مصنف کہتے ہیں کہ ”شیعوں نے یہ مسئلہ ایجاد
 کر لیا ہے کہ قرآن حجت نہیں امام کا قول حجت ہے“ اُس شان سے انکا
 کہنا صحیح نہیں ہے۔

مصنف مخاطب اپنے قول کی سند کے لیے حاشیہ پر یہ ظاہر کرتے
 ہیں کہ ”اصول کافی کی کتاب الحجۃ میں سب سے پہلے یہی مضمون
 بڑی تفصیل سے مذکور ہے“

اصول کافی کی کتاب الحجۃ میں سب سے پہلے ”باب الاصل
 الی الحجۃ“ ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ انسان کو چارہ نہیں ہے کہ وہ حجت
 کی اطاعت نہ کرے اور اُس باب میں کسی شیعہ عالم کا کوئی مضمون
 مندرج نہیں ہے بلکہ ائمہ اہلبیت سے چند روایات جنکا تعلق اُس
 باب سے ہے منقول ہوئی ہیں اور جنکا ترجمہ ہم لکھتے ہیں تاکہ ظاہر ہو جائے

کہ مصنف مخاطب کا استدلال اُس پر کہان تک صحیح ہے۔

شروع میں یہ روایت ہے کہ خدا ایک زندقہ سنے امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ تم نے کہا ہے ثابت کیا کہ نبی اور رسول خدا کی طرف سے ہوتے ہیں فرمایا کہ جب ہکلو ثابت ہو گیا یہ کہ واسطے ہمارے خالق ہیں اور صالح ہیں برتر ہے اور مخلوقات سے اور ہر وہ صالح حکیم بلند مرتبہ۔
 نہیں جائز ہو سکتا یہ کہ شاہد کرے اُس کو خلق اُسکی اور نہیں چھوٹی ہیں وہ اُس کو کہ مباشرت کرے وہ اُسے اور مباشرت کریں وہ اُسکی اور حجت کریں وہ اُس سے اور حجت کرے وہ اُسے ثابت ہوا یہ کہ واسطے اُسکے سچ خلق اُسکی کے سفیر ہیں کہ عبرت دلاتے ہیں وہ اُس سے طرف خلق اُسکی کے اور بندوں اُسکے کے اور راہ دکھاتے ہیں وہ اُنکو اور مصالح اُنکے کے اور منافع اُنکے کے اور اُس چیز پر کہ جس سے بقا اُنکی ہے اور جس کے ترک سے فنا اُنکی ہے پس ثابت ہوے امر کرنے والے اور نہی کرنے والے حکیم علم کی طرف سے سچ خلق اُسکی کے اور عبرت دلائیے والے اُس خدا سے بزرگ اور غالب کی طرف سے اور وہ انبیاء ہیں اور برگزیدہ ہیں خلق اُسکی سے حکما ہیں ادب دینے والے ساتھ حکمت کے براہِ گنجتہ ہیں ساتھ اُس حکمت کے لوگوں میں سے کوئی اُنکا شریک نہیں ہے یا وصف مشارکت اُنکی

خلقت اور ترکیب کے کسی چیز میں اُنکے احوال سے تائید کیے گئے
ہیں نزدیک حکیم علیم سے ساتھ حکمت کے پتر ثابت ہوا یہ کہ ہر دہر
اور زمانہ میں جو کچھ لائے رسول اور انبیاء دلیلون اور بُرائیوں سے
خالی نہ رہی زمین خدا کی کسی حجت سے کہ ہو اُسکے ساتھ علم کہ دلت
کے اوپر صدق مقال اُسکے کے اور جواز عدالت اُسکی کے۔
یہ ارشاد امام علیہ السلام کا مطابق اس آیت کے ہے۔

آیت

وَلَوْلَا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرِّسَالِ ۚ
ترجمہ: تاکہ نہ ہو واسطے آدمیوں
کے اور خدا کے حجت بعد پیغمبر کے

جسکا یہ مقصود ہے کہ مخلوق خدا پر یہ حجت نہ لائے کہ بعد رسولوں
کے ہم پر کوئی حجت نہیں تھی۔ اس لیے ضرور ہے کہ بعد رسولوں کے
بھی حجت خدا مخلوق پر ہر زمانہ میں باقی اور قائم ہو اور بعد رسولوں
کے صرف یہی حجت ہو سکتی ہے کہ رسول نے جو کتاب اور اس
کتاب کا علم اور اُس علم کے جاننے والے چھوڑے۔ علم کتاب
اور اُسکے جاننے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں کہ جن کو نبی نے
کامل علم دیا اور اُن سے جس کسی نے لیا اور وہ علم کتاب کے جاننے

والے کہ جنکو پیغمبر نے کامل علم دیا سو ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے کوئی نہیں ہو سکتا اور اُن سے جس کسی نے علم لیا وہ سوا فرقہ شیعہ امامیہ نہیں ہے اور کوئی قرار نہیں پاسکتا جیتک کہ دور امام دوازہم کا قائم ہے۔

پھر یہ روایت ہے کہ ۱۲ راوی تھے کہا امام جعفر صادق علیہ السلام تحقیق اسد بزرگ اور گرامی تر ہے اس سے کہ چھوایا جائے ساتھ خلق اپنی کے بلکہ خلق پہچانے اسد کو فرمایا سچ کہا تو نے (راوی کتا ہے کہ) کہا میں نے تحقیق کہ جس کسی نے پہچانا یہ کہ تحقیق اُس کے واسطے پروردگار ہی پس تحقیق کہ سزاوار ہے کہ پہچانے کہ واسطے اُس پروردگار کے خوشنودی اور غضب ہی اور تحقیق نہیں پہچانی جاتی خوشنودی اسکی اور غضب اُسکا مگر ساتھ وحی یا رسول کے پس جب کو وحی آتی ہو پس تحقیق سزاوار ہے اُسکو یہ کہ طلب کرے رسول کو پس جب وقت کہ ملاقات کی اُنہوں نے پہچانا اُنہوں نے حجت کو اور تحقیق اُنکے لیے ہے طاعت فرض کی گئی (راوی کتا ہے کہ) کہا میں نے لوگوں سے یہ نہیں جانتے ہو تم یہ کہ تمہے وہ حجت خدا کی طرف سے اور پر خلق اُسکی کے کہا اُن لوگوں نے ہاں کہا میں نے کہ پس جب وقت کہ گذر گئے رسول صلعم کون ہوگا حجت اور پر خلق اُسکی کے پس کہا اُن لوگوں نے قرآن میں نظر (فکر) کی میں نے قرآن میں پس میری خاطر میں گذرا کہ جگر اُکرتی

کے ہی۔ آیت

يَعْلَمُونَ
وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ
أُولَٰئِكَ لِيَعْلَمُوا

ترجمہ: کہ تو اسے پیغمبر کیا برابر
ہیں وہ لوگ کہ جانتے ہیں اور وہ
لوگ کہ نہیں جانتے ہیں سوا اسکے

نہیں ہر نصیحت پکڑتے ہیں صاحبان عقل

پہرہ روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت
میں ایک جماعت اُنکے اصحاب سے تھی جنکے نام مذکور ہوئے ہیں
اور ہشام بن الحکم ہی انہیں تھے درحالیکہ وہ جوان تھے پس فرمایا
امام علیہ السلام نے اسی ہشام آیا نہین خبر دیگا تو مجھ کو کہ کیا کیا تولے
عمر بن عبید کے ساتھ اور کیونکر پوچھا تولے اس سے کہا ہشام
نے اسی فرزند رسول صلعم تحقیق کہ جلیل تر جانتا ہوں میں آپ کو اور ہرم
کرتا ہوں میں آپ سے اور کارگر نہین ہوتی ہی میری زبان آپ کے سامنے
پس فرمایا جسوقت حکم کیا مہنے تکو کسی چیز کا پس کرو تم عرض کیا سلام
نے مجھ کو خبر پہنچی اُس چیز کی کہ حسین عمرو بن عبید تمار عمرو بن عبید کا
مذہب معتزلہ تھا اور اُسکے بیٹھنے کی مسجد بصرہ میں ہی پس دشوار تھا
وہ امیر پیرپس نکلا میں اوپر اُسکے اور داخل ہوا میں بصرہ میں دن جمعہ
۱۷ سورہ نمبر۔

کے اور آیا میں مسجد بصرہ میں پس ناگاہ میں پہونچا ایک حلقہ بزرگ
 میں کہ اُس میں عمرو بن عبید تھا کہ ایک شملہ سیاہ پہنے ہوئے اور
 ننگا شمشیری باندھے ہوئے تھا اور ایک شملہ کو ادا کیے ہوئے تھا
 اور لوگ پوچھتے تھے اُس سے پس راہ لے لی میں نے لوگوں
 سے اور انہوں نے راہ بجو دیدی پھر میں بیٹھ گیا اخیر لوگوں میں دو زانو
 پھر کہا میں نے کہ اے عالم میں مرد مسافر ہوں آپ اجازت دیجیے
 میں بجو ایک مسئلہ میں اُس نے کہا ہاں پھر پوچھا میں نے اُس سے
 کہ تمہارے لیے آنگہ ہے پس کہا اُس نے ای فرزندک میرے یہ کیا چیز
 ہے پوچھنے کی اور جس چیز کو دیکھتا ہے تو کیا سوال کرتا ہے تو اُس سے
 پھر کہا میں نے کہ میرا مسئلہ ایسا ہی ہے پھر کہا ای فرزندک میرے
 پوچھ تو اگرچہ ہو مسئلہ تیرا حاکمیت کا کہا میں نے جواب دو بجو کہا
 اُس نے پوچھ کہا میں نے تمہارے لیے آنگہ ہے کہا ہاں کہا میں نے
 پس کیا کرتے ہو تم اُس سے کہا دیکھتا ہوں میں ساتھ اُس کے زلوں
 کو اور جہوں کو کہا میں نے کہ تمہارے لیے ناک ہے کہا ہاں کہا
 میں نے پس کیا کرتے ہو تم اُس سے کہا اُس نے سو نکلتا ہوں
 اُس سے ہو کہا میں نے تمہارے لیے آنگہ ہے کہا ہاں کہا میں نے
 پس کیا کرتے ہو تم اُس سے کہا کہ مرے لیتا ہوں میں ساتھ اُس کے

کہا نیکی چیز دیکھا کہا میں نے تمہارے لیے کان پر کہا ہاں کہا میں نے
 کیا کرتے ہو تم اُس سے کہا کہ سنتا ہوں میں ساتھ اُسکے آواز کہا میں
 نے تمہارے لیے دل پر کہا ہاں کہا میں نے کیا کرتے ہو تم ساتھ
 اُسکے کہا تیر کرتا ہوں میں ساتھ اُسکے جو کچھ وارد ہوتا ہے اور ہاں جواج
 اور جو اس کے کہا میں نے آیا نہیں ہر جج ان جواج کے بی نیازی
 قلب سے کہا نہیں کہا میں نے کیونکر ہو سکتا ہے وہ در حالیکہ
 وہ صحیح و سالم ہیں کہا اے فرزندِ میرے تحقیق کہ جواج جبوقت
 شک کرتے ہیں کسی چیز میں سو گمنے میں یا دیکھنے میں یا چکھنے میں
 یا سننے میں پس لوٹاتے ہیں اُسکو طرفِ قلب کے پس حاصل
 ہو جاتا ہے یقین اور شک باطل ہو جاتا ہے ہر کہا میں نے کہ سوا ہے
 اس کے نہیں ہے کہ قائم کیا اللہ نے قلب کو واسطے شک جواج
 کے کہا ہاں کہا میں نے ضرور ہے کہ دل چاہیے اور نہیں تو یقین
 جواج کو نہو کہا ہاں پس کہا میں نے اُس سے کہ اے ابو مراد اے علی
 الدیبارک اور تعالیٰ نے نہ چوڑا جواج تیرے کو یا تک کہ گردانا
 واسطے اُسکے امام کہ صحیح کرے واسطے اُسکے صحیح ہو نیکی اور یقین
 دلاے ساتھ اُسکے جو کچھ کہ شک رکھیں اُس میں اور چوڑ دے (خدا)
 پوری خلق کو چھوڑتے انکی کے اور شک اُنکے کے اور احتمالات اُنکی

کے نہ قائم کرے واسطے اُنکے امام کہ لوٹا دین طرف اُسکے شک اپنا اور
حیرت اپنی اور قائم کرنے تیرے لیے پیشوا واسطے جو ارج تیرے کہ لوٹا لے
تو طرف اُسکے حیرت اپنی اور شک اپنا پس چپ ہو گیا وہ اور نہ کہا
اُسے کچھ پر ملتفت ہوا وہ طرف میرے اور کہا مجھے کہ تو ہشام بن
الحکم ہر پس کہا میں نے نہیں (واضح ہو کہ ہشام بن الحکم نے جو
ہجگہ اپنے ہونیسے انکار کیا ہر اُسکی شان یہ نہیں ہر کہ اُنہو نے جھوٹ
بولابلکہ بات یہ ہر کہ ہشام بن الحکم اپنے اسی قسم کے اوصاف اور
علم دلائل حکم میں مشہور تھے اُنکے اس موقع پر انکار کی شان یہ ہر
کہ جیسے کسی شخص میں کچھ حقیقی اوصاف ہوں اور کوئی اُسکے منہ پر
اُسکے اوصاف کا ذکر کرے تو وہ بوجہ انکسار نفس کے اُسکے قبول
کا اظہار نہ کرے گا اور وصف ذمیت عجیب سے اپنے آپ کو بچا لے گا) پھر کہا
اُس (عمر بن عبدالمؤمن) نے کہ تو اُسکے اہل جلسہ سے ہر
کہا میں نے کہ نہیں کہا پھر کس جگہ سے ہر تو کہا میں نے اہل کوۃ
سے کہا پس تو وہی ہوگا پھر چٹا لیا مجھ کو اور بٹایا مجھ کو اپنی جگہ اور
ہنی جگہ سے ہٹ کر بٹایا اور کسی سے کچھ بات نہیں کی جب تک کہ
میں اوٹھ آیا کہا (راوی نے) پس نہیں پڑے امام جعفر صادق علیہ
السلام اور فرمایا اے ہشام کہنے سکھایا تجھ کو یہ کہا میں نے کچھ لیتا

نے اُسکو آپسے اور تالیف دیا میں نے اُسکو پس فرمایا یہ ہر قسم ہر خدا کی لکھا ہوا صحف ابراہیم اور موسیٰ ہیں ۔
امام علیہ السلام کے ارشاد میں اشارہ اس آیت پر ہے۔

آیت

ترجمہ و تحقیق کہ رستگاری پائی	”قَالَ فَلَاحُ مِنْ تَرْكِي وَذَكَرَ اسْمُ
اُس شخص نے کہ پاکیزہ ہوا اور یا	رَبِّهِ فَصَلَّى بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ
کیا نام پروردگار اپنے کو اور ناز	الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَابْقَى
پڑ ہی بلکہ اختیار کرتے ہو تم زندگی	اِنَّ هَذَا لَفِي الصَّحَفِ الْاُولَى
دنیا کو اور آخرت بہتر ہے اور باقی	صَحْفِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوسٰىؑ

رہنے والی ہر تحقیق کہ یہ کتابوں پہلیوں میں ہر صحف ابراہیم اور موسیٰ میں ۔

اس روایت میں ہشام بن الحکم کی جو ایک دلیل فلسفیانہ مذکور ہوئی ہے وہ ایسی مستحکم ہے کہ جسکو کسی طرح نہ زلزل نہیں ہو سکتا۔ تمام حکماء اسلام اور غیر اسلام طبیعیات اور تمدن کے جاننے والے اس امر کے قائل ہوئے ہیں کہ جیسے ایک انسان کے جسم میں اعضا اور حواس جدا گانہ ہیں ویسے ہی کل انسان بنی نوع آدم

ایک جسم ہر فرد انسان اسکا جوارح ہر کہ جو انسان کے تمدن اور
ایک دوسرے کو نفع پہونچانیکے لیے کہ جسپر مدار زندگانی انسان کا ہر فرد
ہر چنانچہ شیخ سعدی ہی اس مسئلہ کو قبول کر کے کہتے ہیں - ع
بنی آدم اعضائے یکدیگر اند

جب ہر فرد انسان میں صانع عالم نے ایک عضو (قلب)
ایسا وضع کیا ہر کہ جسوقت جوارح کو کسی چیز کی حس ہوتی ہر اور دغہ
پیدا ہوتا ہر تو وہی قلب تیز کر کے اُس دغہ کو فرو کر دیتا ہر اور
مرتبہ یقین پر پہونچا دیتا ہر -

ایسی حالت میں مجموع النساء و نین کہ جو جوارح سمجھے جاتے
ہیں ضرور ہر کہ ایک شخص اُن میں سے مثل دل کے ہو کہ جب کسی
فرد انسان کو اپنی حس کی ہوئی شئی میں شک ہو تو وہ اُس شک کو
دور کر کے یقین دلاے -

جب مختلف طور پر چند انسان قرآن سے بذریعہ اپنی کسی
حس کے کچھ حاصل کریں اور اُس میں اختلاف اور شکوک واقع
ہوں تو ضرور ہر کہ رجوع طرف اُس شخص کی کیجائی کہ جو دل کا حکم
رکنے والا ہو کہ جو دغہ رفع کر کے یقین دلا دیگا اور ضرور ہر کہ وہ
امام ہوگا -

یہ ہیں وہ روایات کہ جنہیں حجت خدا کا بیان ہوا ہے اور جسے حجۃ
کو کہ اصحاب حجت خدا نے بیان کیا ہے اور اُسکو حجت خدا نے قبول
کیا ہے اور جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن کس نوع سے حجت ہے اور
قول امام کہ حجت خدا ہے کس نوع سے حجت ہے۔

مصنف مخاطب نے ان روایتوں اور انکی حجۃ کو بغیر نقل کرنے
کے کہ جسکو اہل تحقیق دیکھ سکتے ہیں اپنی طبیعت سے اپنی عادت
کے موافق ایک غلط استنباط کر کے شیعوں کی نسبت الزام ایجاد
کرنے ایک مسئلہ کا ایسی شان سے ظاہر کیا ہے کہ جو خلاف حقیقت
ہے۔

اگر مصنف مخاطب ان روایات کو نقل کرتے اور سچائی سے
کچھ اسکی نسبت لکھتے تو ہکویقین ہے کہ وہ اس مسئلہ کی حقیقت ایسی
ہی قبول کرتے جیسی کہ ہم نے دکھائی ہے۔

اور ایسی حالت میں یہ کہنا مصنف مخاطب کا کہ شیعوں
کے نزدیک قرآن حجت نہیں بالکل غلط ہے البتہ شیعوں کے نزدیک
امام کا قول حجت ہے جو کچھ کہ وہ قرآن سے بتائے اور جو کچھ کہ قرآن
سے بتایا وہ عین قرآن ہے اور امام جو کچھ قرآن سے بتائے اُسکو
قبول نہ کرنا اور اپنی رائے سے دوسرے معنی بنانا قرآن نہیں ہے۔

کرنا ہو اور ایسی تحریف کے قرآنین ہونی سے یقینی اہلسنت کہہ رہے
نہیں سمجھتے ہیں اور افسوس ہے کہ وہ ایسی تحریف کی پروا نہیں
کرتے ہیں۔

یہ بیان مصنف کا کہ متقدمین شیعہ کا اس مسئلہ پر اجماع اور
اتفاق تھا کہ قرآنین تحریف ہوئی بلکہ بالکل غلط ہی مصنف مطاب
اپنے بیان کی تصدیق کے لیے نہ کوئی سند پیش کرتے ہیں کسی
مقدم شیعہ کا نام لکھتے ہیں اور کوئی روایت ائمہ کی اس مضمون کو
ثابت نہیں کرتی ہے بلکہ ائمہ نے آیات قرآنی کے جو معنی اور مراد
بیان فرمائی ہیں ان کے وہ الفاظ تفسیری ہیں۔

مصنف مخاطب نے جیسے متقدمین شیعہ کا تحریف قرآنی
پراجماع اور اتفاق غلط بیان کیا ہے ویسے ہی ان کی طرف سے انکا قول
بھی غلط ظاہر کرتے ہیں کہ متقدمین یہ کہتے تھے کہ جب ائمہ نے
تحریف کی خبر دی اور بعض الفاظ بھی بتا دیے جو نکال دیا لیکن
اور یہ مضمون ائمہ سے باسانید صحیحہ بہت سے طرق سے ثابت ہوا
تو تحریف قرآن کا انکار نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ائمہ کے اقوال پر
یقین کرنا واجب ہے۔

مصنف مخاطب کو لازم تھا کہ وہ قول متقدمین کو نقل کرتے

یا کسی کا نام ظاہر کرتے یا کسی کتاب کا حوالہ دیتے اُس وقت حقیقت بیان صنف کی ظاہر ہو جاتی۔

ہلکے جانتک معلوم ہے علماء سے شیعہ کا برابر ہی مقصود رہا ہے اور ایسا ہی انکے بیان کی مراد ہے کہ ائمہ نے جو کچھ آیات قرآنی کی نسبت فرمایا ہے وہ تفسیری ہے اور اُس کے خلاف جس کسی نے جو کچھ بیان کیا وہ تفسیر بالراسی اور تحریف بالمعنی ہے۔

اور اسی اعتبار سے بیشک ائمہ کے اقوال پر یقین کرنا واجب ہے اُنہوں نے جو کچھ تفسیر فرمائی ہے وہ تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر خدا صلعم کی اور لکھی ہوئی علی مرتضیٰ صلوات اللہ علیہ کے بموجب ہے اور علم ائمہ برابر ماخوذ اُسی علم سے چلا آیا ہے کہ جو علم پیغمبر نے علی مرتضیٰ کو تعلیم فرمایا تھا بیشک ائمہ کی مخالفت کسی حالت میں جائز نہیں اور اُس سے مذہب اسلام کی اصلی حالت اور اُس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ برخلاف اُس کے اہلسنت نے غیر اہلبیت رسول کے جو کچھ قرار دیا ہے وہ قطعی غلط ہے اور اُسی سے مذہب اسلام پر اعتراض لازم آتے ہیں کہ جو قابل شرم کے ہیں۔

صنف متقدمین شیعہ کا ذکر طبعاً اظہار کر کے یہ کہتے ہیں کہ وہ متاخرین شیعہ میں ایک نیا فرقہ پیدا ہوا جس نے اہلسنت سے

مسئلہ سیکھا کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی اور پورا قرآن ہی جو جواب موجود ہے شریعت مرتضیٰ اور ابن بابویہ صاحب رسالہ اعتقاد یہ اس مسئلہ کے موجود ہیں اور طبری صاحب تفسیر مجمع البیان نے ہی یہ قول اختیار کیا ہے۔ اس فرقہ جدید کو قرآن میں تحریف بتاتے ہیں بشرم آئی اس لیے انہوں نے ائمہ کے اقوال کو علانیہ رد کر دیا اور اپنے متقدمین کو اس مسئلہ میں گمراہ بتایا۔

یہ بیان مصنف مخاطب کا بالکل خلاف حقیقت کے ہے۔ مذہب شیعہ اثنا عشریہ میں کسی کوئی نیا فرقہ پیدا نہیں ہوا جیسا کہ مصنف مخاطب ظاہر کرتے ہیں بلکہ ہمیشہ یہ فرقہ اس بات کا قائل چلا آتا ہے جو ہم متعدد جگہ دکھا آئے ہیں کہ اصل قرآن پیغمبرؐ نے اپنی حمد میں لکھوا دیا تھا اور وہی اصل قرآن اب تک متداول بین الناس ہے۔

البتہ اپنے عہد میں معنی آیات قرآنی کو جو کچھ پیغمبرؐ نے ظاہر فرمایا ہے اور آیات قرآنی کی مراد سمجھائی ہے وہ ارشادات پیغمبرؐ کو اصل اور متن قرآن نہیں تھے مگر مثل قرآن اور حکم قرآن میں تھے۔ اور اسے ارشادات پیغمبرؐ کے کثرت سے احباب خود اہلسنت کے یہاں ہی موجود ہیں۔

چنانچہ اپنی تفسیر کبیر عظیم جلد ثانی کے صفحہ ۸۸ چھپکو تشریح سے پہلے
 لکھتا ہے میں مصنف مخاطب قبول کرتے ہیں کہ بعض الفاظ جو بطور تفسیر
 کے رسول اللہؐ نے ارشاد فرمائے تھے انکو بھی صحابہ قرآنین لکھتے
 تھے تفصیل اسکی اتقان میں مذکور ہے ۱۱

شیعہ اثنا عشریہ کو یقین ہے کہ پیغمبرؐ نے تمام آیات قرآنی کے معنی
 اور مراد علی مرتضیٰ کو بتا دی تھی اور علی مرتضیٰ نے اپنے ہاتھ سے
 لکھ لیا تھا اور وہی ائمہ اہلبیت کے پاس بحیثیت کتاب کے چلا
 آیا اور اُسکی بموجب ائمہ اہلبیت ارشاد فرماتے رہے ہیں۔

جو چیز کہ مثل قرآن کے اور حکم قرآن میں تھی اور تمام ارشادات
 پیغمبرؐ کا تعلق قرآن سے اور احکام سے تھا از روی وحی کے تھا اُس
 تفسیر پیغمبرؐ کے قرآن موجودہ میں شامل نہونیکو اگر تحریف کہا گیا ہے
 تو جس اعتبار سے کہ کہا گیا ہے اُس اعتبار سے وہ غلط نہیں ہے لیکن
 کسی شیعہ نے اصل اور متن قرآن موجودہ کو کسی وقت یہ نہیں کہا
 کہ باعتبار اپنے اصل اور متن کے اُس میں تحریف ہے۔

پیغمبرؐ سے لوگ دریافت کرتے تھے اور مراد آیات قرآن کو
 نہیں سمجھتے تھے اُسکا ذکر خود قرآن میں موجود ہے کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے
 کہ قرآن میں بہت کچھ بطور کلیہ کے بیان ہوا ہے اور جسکا اجمال تشریح

گلاب تھا۔ آیت

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ
قُلِ اللَّهُ يَفْتِيكُمْ فِيهِنَّ مَا يُتْلَى
عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ ۝

ترجمہ: اور فتویٰ چاہتے ہیں تجھے
بیچ عورتوں کے (اس موقع پر یہ احتمال
ہیں کہ بیچ حق عورتوں کے جو درمیان
زن و شوہر کے ہوتا ہے یا میراث عورتوں کے کہ انکی کوئی میراث اور وہ
کسی سے میراث پاسکتی ہیں یا بیچ نکاح اور صہر عورتوں کے کہ کسی کے
ساتھ نکاح جائز ہے اور تعداد مہر کیا ہونا چاہیے) کہ تو (اے پیغمبر)
خدا فتویٰ دیتا ہے تلوچچ ان کے اور اس چیز کے کہ پڑھی جاتی ہے اور
تمہارے بیچ کتاب کے ۝

جس سے ظاہر ہے کہ باوصف اسکے کہ قرآن میں کچھ نازل ہو۔
اس میں ہی کسی فتویٰ کی دیے جانے کی ضرورت رہتی ہے۔

آیت

وَيَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يَفْتِيكُمْ
فِي الْكَلَالَةِ ۝

ترجمہ: فتویٰ چاہتے ہیں تجھے
کہ تو خدا فتویٰ دیتا ہے تلوچچ کلام

کے ۝

یہ آیت کلامہ کی تشریح میراث کے متعلق نازل ہوئی ہے صحت

۱۵ پارہ ۵۔ رکوع ۱۶۔ سورہ نسا ۱۵ پارہ ۶۔ رکوع ۴۔ سورہ نسا ۱۵

اسکے کہ پہلا آیت میرا شاہرا ایکس کے لیے نازل ہو چکا تھی اور اس آیت میں بھی کلام کے معنی نہیں بتائے گئے ہیں اور بعد وفات پیغمبر کے حضرت ابو بکر نے ظاہر کیا ہے کہ وہ معنی کلام کے نہیں جانتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ معنی کلام کے نہیں جانتے تھے اور پیغمبر سے انہوں نے پوچھا ہی نہیں۔

اور یہی حالت حضرت عمر کی مسئلہ رباعین ہوئی کہ وہ رباعی تعریف نہ پوچھنے پر افسوس کرتے رہے۔ حضرات شیخین کی علمی کے بہت نظر اتر ہم دوسرے حصہ ضمیمہ جلد اول میں دکھاتا ہیں۔ لیکن جس کسی نے پیغمبر سے کچھ پوچھا ہو یا جو کوئی اُسکو جانتا ہو اور پیغمبر کے ارشاد کے بموجب اُسکی تفسیر کرے وہ مثل قرآن اور حکم قرآن میں ہے۔ آیت

﴿فَمَا لَكُمْ لَا تُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾
﴿يَقُومُونَ صَلَاتَكُمْ﴾
ترجمہ ۲۲ پس کیا ہے واسطے اس قوم کے نہیں نزدیک ہیں کہ سمجھیں وہ بات کو ۲۲

آیت

﴿انظروا کیف نصرف الایات﴾ | ترجمہ ۲۲ دیکھ تو کہ کیونکر ہم آیتیں

۱۷ پارہ ۵۔ رکوع ۸ سورہ نساء۔

﴿اَلَمْ يَفْقَهُوْا﴾
ہم آیات کو کاش وہ سمجھیں (یا وہ)
اس تصرف کے نہ اس وقت لوگ سمجھتے نہ اب سمجھتے ہیں اور غلط فہمی
یا خود غرضی سے معنی آیات میں تصرف کرتے ہیں۔

آیت

﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ﴾ ترجمہ ”تحقیق کہ تفصیل کی ہونے
﴿يَفْقَهُوْا﴾ آیات کی واسطے اُس قوم کے کہ
سمجھتے ہیں (افسوس ہے کہ نہ سمجھنے والوں نے کس سطح نہ سمجھا)

آیت

﴿وَإِنَّمَا أَنْزَلْتُ سُوْرَةً نَّظُرُ﴾ ترجمہ ”اور جبوقت کہ نازل کی
بعضہم الیٰ بعضہم حل پر اُنکے من جانی ہے کوئی سورۃ دیکھتے ہیں
احل شہم انصرفوا صرف اللہ بعض اُنکے طرف بعض کے آیا
قلوبہم بآخہم وتوملا دیکھتا ہے تو کوئی پرہیز جاتے ہیں
﴿يَفْقَهُوْا﴾ وہ پیرا ہے خدا نے دل اُنکے کو
اس واسطے کہ تحقیق وہ قوم ایسی ہے کہ نہیں سمجھتے ہیں۔

آیت

۱۔ پارہ ۷ رکوع ۱۱ سورہ انعام ۱۱۷ پارہ ۷ رکوع ۱۸۔ سورہ انعام ۱۱۷ پارہ
۱۱۔ رکوع ۵۔ سورہ توبہ۔

۲۲۔ بل کا نوالا یفہون الاقلیاء ترجمہ ۲۲۔ بلکہ ہین وہ کہ نہیں سمجھتے
ہین وہ مگر تھوڑا ۲۲

ان آیات سے ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ سے فوقی پوچھا جاتا تھا اور لوگ
مقاصد آیات کو نہیں سمجھتے تھے اس لیے ضرورت تھی کہ پیغمبرؐ معنی اور
مراد آیات کی بتائیں اور سمجھائیں اور اس کا نام تفسیر ہی اور آیات میں
جو لفظ ۲۲ یفہون ۲۲ آیا ہے اس کا مصدر فقہ ہے مسائل جو قرآن سے
نکلے گئے ہین اور سمجھائے گئے ہین اس کا نام اصطلاح میں علم فقہ
رکھا گیا ہے جس کو قرآن سے پیغمبرؐ نے بتایا ہے اور علیؑ نے اس کو پیغمبرؐ سے
سیکھا تھا اور وہی علم دیگر ائمہ اہلبیت کے پاس چلا آیا اور علیؑ مرتضیٰ
اور ائمہ اہلبیت نے اسی علم سے ہر زمانہ میں برابر لوگوں کو ہدایت
کی اور تعلیم دی اور زمانہ ائمہ اہلبیت میں کتب مسائل اصحاب
ائمہ وقتاً فوقتاً کم و زیادہ تصنیف اور تالیف کرتے رہے۔

ایسی حالت میں اصل اور متن قرآن کی تحریف کا کیونکر کوئی
قائل ہو سکتا ہے؟ البتہ جو تفسیر کہ پیغمبرؐ نے فرمائی تھی اور اُس کے بموجب
ائمہ اہلبیت نے تعلیم اور تلقین کی ہے اس کو جو کوئی نہ مانے اور چلا
اُس کے اپنی راے سے تفسیر کرے وہ قرآن کا تحریف کرنا لا سمجھا جاتا

ہی اور ایسا گروہ نہ فرقہ شیعہ اثنا عشریہ قرار پاسکتا ہے نہ فرقہ شیعہ اثنا عشریہ
کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ جو قرآن مع تفسیر بتائی ہوئی اور سکھائی
ہوئی پیغمبر کی باعتبار معنی اور مراد آیات کے ہو وہ قرآن کامل اور ذرا
نہیں ہی کیا وہ ارشاد تفسیری پیغمبر کا بموجب وحی کے نہیں تھا وہ
کیا وہ وحی وہی وحی نہیں تھی جسکی نسبت تفسیر مصنف مخاطب
سے ابھی پہلے ایک روایت نقل کی ہے کہ پیغمبر نے فرمایا ہے کہ جیسا کہ قرآن
مجھ کو ملا ہے ایسی ہی اُسکے مثل اور یہی وحی ملی ہے۔

اور کیا اسی اعتبار سے وہ قرآن جسکو علی مرتضیٰ نے جمع اور مرتب
کیا تھا اور اُس مصحف کے اخبار خود کتب معتمدہ اہلسنت میں مندرج
ہیں اور جسکے نہ یہ جانی پڑا بعین علامہ اہلسنت نے افسوس کیا ہے
کامل نہیں تھا۔

وہی قرآن کامل دیگر ائمہ اہلبیت کے پاس رہا اور اُسی قرآن
اور علم پیغمبر کے بموجب ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے ہر قسم کی ہدایا
کی جہیں پسند و موعظت و وسیع درج تھی۔

آیت

وَمَا كُنَّا نُنْزِلُ الْكِتَابَ إِلَّا لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ فِي شَاوَرُكُوهُ
فِي مَحْفِ مَكْرُمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مَطْمَاحَةٍ

ترجمہ نہیں نہیں تحقیق کہ وہ نصیحت
ہیں پس جو کوئی پاس ہے یاد کرے

باکیدی سفرۃ کو ام پڑھو ۱۱ اسکو چھ صحیفوں بزرگ بلند مرتبہ

پاکیزہ کے ہاتھ میں سفیر دن بزرگ اور نیک کے ہیں ۱۲

اس آیت میں خدا نے لفظ سفرۃ فرمایا ہے جو جمع سافر کی

ہے یعنی روشن کنندہ اور نو لیدہ کے اور سفیر ہی اسی لغت سے

آیا ہے اور سفیر شخص درمیانی کو کہتے ہیں اور اس مقام پر ان لوگوں سے

مراد ہے کہ جو بجانب اس طرف مخلوق کے آئے ہوئے ہوں اور کہتے

خدا ان کے ہاتھ میں ہو اور اُس کے روشن کر نیوالے ہوں لیکن خدا نے

اس موقع پر لفظ انبیا اور رسول نہیں بولا بلکہ لفظ سفیر بولا

ہے جس میں انبیا اور ان کے اوصیا شامل ہیں اور اس سبب سے اُن

اہلبیت جن کے ہاتھ میں کتاب خدا تھی شامل معنی سفرۃ کے

ہیں۔

اُس قرآن تفسیری سے جو بموجب وحی کے تھی قرآن موجودہ میں

جس کسی نے نہیں لیا اور اُس تفسیر کو کم کر دیا کیا اسی اعتبار سے نہیں

کہا جاسکتا ہے کہ قرآن میں تحریف کی گئی۔

کافی میں ایک کتاب صرف قرآن کے متعلق ہے جس میں اُس

اہلبیت سے روایتیں فضل قرآن کی مذکور ہوئی ہیں ائمہ اہلبیت

نے ارشاد فرمایا ہے کہ ۲۲ یاد کرو قرآن کو اور علم حاصل کرو قرآن کا کہ قیامت کو صفت مسلمان پر قرآن پیش آئیگا اور صفت شہداء اور نبیین ۱۱ اور مسلمان پر گذر کر رب العزت تک منتی ہوگا اور کہیگا کہ اے پروردگار میرے کچھ لوگوں نے مجھ کو مصون رکھا اور محافظت کی اور کچھ مجھ میں سے ضائع نہیں کیا اور کچھ لوگوں نے ضائع کیا مجھ کو اور استخفاف میرے حق کا کیا اور جوٹ باندہ لیا مجھ پر حالانکہ میں محبت تیری تمام خلق پر تھا اس جگہ جو ذکر ضائع کرنے اور تخفیف حق کرنے اور جوٹ باندہ بننے کا قرآن پر ہی اس سے مراد قرآن کے بموجب عمل نہ کرنے اور اس کے احکام کو نہ ماننے سے اور اس کے مقصود کو تبدیل کرنے سے ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے پیغمبر خدا کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جبوقت لپٹ جاؤ تم فتنوں میں کہ شب تاریک کے ٹکڑی ہوگی پس لازم کرو اپنے اوپر قرآن کو کہ وہ شفاعت کنندہ ہے (مراد صحیح معنی میں قرآن پر عمل کرنے سے ہی جسے قرآن کو اپنے سامنے رکھا اُس کو طرف جنت کے لچائیگا جس کسی نے اُس کو پیٹھ کے پیچ پیٹیک دیا اُس کو دوزخ کی طرف گسیٹے گا وہ رہنمائی کرتا ہو راہ خیر پر اور اس میں تفصیل ہے اور بیان ہے اور تحصیل ہے اور فصل ہے اور ہر نہیں ہے

اور اُسکے لیے ظاہر ہوا اور باطن ہی ظاہر اُسکا جہاں کرنا ہوا اور خوش کن
 ہو اور باطن اُسکا مشکل اور گہرا ہی نجوم قرآن بھی عجیب بین اور غریب
 اُسکے بے انتہا ہیں وہ چراغ ہیں ہدایت کے اور منارہ ہیں حکمت
 کے اور دلیل ہیں اور معرفت کے جس کسی نے پہچانا اُسکی صفت کو
 امام علیہ السلام یہی فرماتے ہیں کہ خدا نے اپنی کتاب جو پھر
 نازل کی یہ وہ صادق اور احسان کنندہ ہے اور اُس میں بیان حال تھا
 اور سے گذشتہ اور آئندہ کو لکھا ہے اور ضربہ آسمان اور زمین کی
 امام علیہ السلام نے نقل فرمایا ہے کہ علی مرتضیٰ نے وصیت
 کی اپنے اصحاب کو کہ قرآن راہ دکھائیوا ہے زمین اور روشنی ہے
 شب تاریک میں جو کوئی کہ کوشش کرے اُسکی موافقت کی
 امام یہی نقل فرماتے ہیں کہ پیغمبر نے فرمایا ہے آدیون سے
 اہل قرآن اعلیٰ درجہ میں ہیں سوائے نبیین اور مرسلین کے پس ضعیف
 کرد اہل قرآن کو اُنکے حق سے

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حافظ قرآن کہ
 جو اُسکا عامل ہو وہ ساتھ سفر لا الکوام البوس لا کے
 ہے اور جو کوئی کہ پڑھے قرآن کو درحالیکہ وہ جوان اور مومن ہو قرآن
 اُسکے گوشت اور خون میں مخلوط ہو جائیگا اور جو کوئی کہ پڑھے قرآن کو

اور پونچے مشقت شدت حفظ اُسکی سے خدا دوا کر اُسکو دیگا۔
 پیغمبر خدا صلعم سے نقلاً عامل قرآن کے فضائل ہی امام مہر نے
 بیان فرمائے ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں افضل ترین
 عمل قرآن کا کہوں اور اُسکا ختم کرنا ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ارشاد کا یہ مقصد ہے کہ جو کوئی
 حصہ سوا قرآن سے نہ رکھتا ہو اُسکو آرزو درازی عمر کی غیر ضروری ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعدد حدیثیں ہیں جنہیں
 قرآن کے سیکھنے اور یاد کرنیکی تاکید ہے۔ اور جیسی کہ اُسکے سیکھنے اور
 یاد کرنیکی تاکید ہے ویسی ہی اُسپر عمل کی تاکید ہے۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جو کوئی ناموری کے لیے اور طلب
 دنیا کے لیے قرآن کو پڑھے اُسکے لیے اُسہیں کچھ بہلائی نہیں ہے۔

یعقوب احمد کو سبب ایک اندوہ کے اندیشہ فراہوش ہو جائے
 قرآن کا ہوا تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ملازمت کر قرآن کی تاکہ
 بھول نہ جائے۔

اور ایک ارشاد امام علیہ السلام کا یہ مقصود ہے کہ بھول جانے قرآن
 سے اعلیٰ درجہ حقیقت میں نہ ملے گا۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے مومنان کو چاہیے کہ نظر کرے
قرآن میں اور پڑھے اس سے ہر روز پچاس آیت۔
پیغمبر خدا صلعم سے امام علیہ السلام نقل فرماتے ہیں کہ میں نے
روشن کر دیا تم اپنے گروں کو ساتھ تلاوت قرآن کے اور نہ پکڑو تم
انگو قریب۔

پیغمبر خدا اور امام جعفر صادق علیہ السلام اور علی مرتضیٰ علیہ
السلام سے بہت کچھ فضائل و حسنات قرات قرآن منقول
ہوئے ہیں بلکہ سننے والے قرآن کو بھی حسنات کا وعدہ کیا گیا ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے مجھ کو معصوم
کا گھر میں ہونا خوش آتا ہے کہ خدا شیطین کو اس سے دور کرتا ہے اور
یہ انکسارشاد کیا ہے کہ قرآن کا پڑھنا تخفیف عذاب کرتا ہے والدین
سے اگر چہ وہ کافر ہوں۔

اسحاق بن عمار نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ میں حفظ
رکھتا ہوں قرآن کو اور قوت دل کے پس پڑھتا ہوں نہیں اسکو اور قوت
دل کے بستر پر یا قرآن کو دیکھ کر اپنے فرمایا کہ قرآن کو پڑھو
نظر سے کہ نظر معصوم میں عبادت ہے۔

پہلے باب بیت علیہم السلام نے طریقہ قرات قرآن کا بھی

بتایا ہو کہ ترتیل (یعنی سنجیدگی) سے پڑھو جلدی نہ کرو جیسے کہ شاعر
شعر کے پڑھنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اُسکے حروف کو پراگندہ نہ
کرو جیسے کہ وقت زینت کے جواہر کو پراگندہ کر دیتے ہیں اپنے دلوں
کو نرم کرو اور یہ قصد نہ کرو کہ سورۃ کب آخر ہو جائیگی۔ قرآن ساتھ
فرن کے نازل ہوا ہی حزن سے پڑ ہو۔

پیغمبر خدا صلعم کا ارشاد امام علیہ السلام نے یہ ہی نقل کیا ہے
کہ ”پڑھو تم قرآن کو ساتھ سخن عرب کے اور انکی آواز سے اور بچو تم
سخن اہل فسق اور اہل کبائر سے قریب ہو کہ میرے بعد قومیں آئیں
کہ ترجیع کریں قرآن میں ترجیع غنائ (میر سپر آواز کا اور الٹا پلٹا) اور
نوحہ کرنیوالوں اور رہبانوں کی طرح اور زمین جائزہ ہی سازواری انکی
اُنکے دلوں کے لیے کہ پھرے ہوے ہیں اور اُن دلوں کی کہ جنکو خوش آئند
ہو شان انکی۔“

امام علی نقی علیہ السلام سے یہ روایت ہو کہ میں اُنہوں نے فرمایا
کہ علی بن الحسین جب وقت قرآن پڑھتے تھے پس اکثر گزرنیوالے
انکے حسن صوت سے گر پڑتے تھے۔“

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے
عرض کیا کہ جب وقت پڑھا میں نے قرآن کو اور بلند کی میں نے

آواز اپنی آیا میرے پاس شیطان اور کما ئے خود نہائی کرتا ہی تو اپنے
اہل کے لیے اور لوگوں کے لیے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ پڑھ تو اسکو
میانہ کہ سن سکیں اہل اور لوگ اور پیر تو آواز کو ساتھ قرآن کے
تحقیق کہ اللہ دوست رکھتا ہی صوت حسن کو اور آواز کے پیر نیکو
رواخص ہو کہ اس روایت میں اس آواز کے پیر سے مراد ہی کہ جو حد
غنا کو نہ پہونچے اور غنا اسی سے مراد ہوگی جسکو عرف عام میں غنا کہتے
ہیں؟ مثلاً ہمارے محلوۃ ہندوستانیہ اگر کوئی قرآن آواز سے پڑھے
اور آواز کو اونچا نیچا کرے یا آواز کو ایک طرف سے دوسری طرف کو پیرے
اور سننے والے یہ کہیں کہ یہ گارہا ہی تو وہ ناجائز ہی اور اگر سننے والے
یہ کہیں کہ یہ پڑھ رہا ہی تو جائز ہی

اس روایت میں ابوبصیر نے اور ایک روایت بحسب کتاب علی بن مرہ
جلداول رسالہ روشنی میں زرارہ نے کہا ہی کہ آیا میرے پاس شیطان
یہ ان دونوں کا مقولہ صحیح ہی ہم نے از روئے تحقیق کے دیکھا دیا ہی کہ پہلے
یہ دونوں باوہی خلاف مذہب اہلبیت کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تھے
اسوقت شیطان ان سے مستغنی ہو گیا تا جب ان دونوں نے امام اہلبیت
کی طرف رجوع کی تب شیطان پر شاق گذرا اور ضرور ہوا کہ وہ دوسو سو ڈالے
کے لیے اُنکے پاس آئے۔

محمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہ پڑھو نہیں قرآن کو ایک رات میں فرمایا کہ جو بھگو خوش نہیں آتا ہے کہ پڑھے تو اُسکو ایک مہینہ سے کم میں ۱۱

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ پڑھو نہیں قرآن کو سچ رمضان کے ایک رات میں فرمایا نہیں کہا اُسے کہ دو راتوں میں فرمایا نہیں کہا اُسے کہ پس تین راتوں میں فرمایا کہ وہ اور اشارہ کیا ساتھ ساتھ اپنے کے پہنچا یا تحقیق کہ واسطے رمضان کے حق ہے اور حرمت اُسکی نہیں بشابہ ہی ساتھ کسی کے مہینوں میں سے اور تھے اصحاب بنی صلم پڑھتا تھا ہر ایک انہیں سے قرآن سنیا بہرین یا کم میں تحقیق کہ قرآن نہیں پڑھا جاتا ہر شبابی سے لیکن سنجیدگی سے پس صوفت کہ گزرے تو ساتھ ایسی آیت کے کہ جس میں ذکر جنت کا ہو پس ٹھہرا تو اور مانگ تو اللہ عزوجل سے جنت اور صوفت کہ گزرے تو ایسی آیت پر کہ جس میں ذکر نار کا ہو پس ٹھہرا تو اور پتاہ مانگ تو ساتھ اللہ کے دوزخ سے ۱۲

مسین بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ کتنے دنوں میں اس قرآن کو پڑھا کروں فرمایا پانچ روز میں

سات روز میں تحقیق کہ میرے پاس جو مصحف ہر ایک کے چوڑے جزو میں زیادہ رکنا چاہیے کہ وہ مصحف یہی مصحف تھا کہ جو بین الناس بتداول ہوا اور مصحف تفسیری علی مرتضیٰ کا لکھا ہوا علیحدہ تھا کہ جسکا حجم شان کے برابر تھا اور جسکا ذکر روایت زرارہ میں ہوا اور جلد اول رسالہ روشنی میں جیسپرہ نمبر ۲۰ - بحث کی گئی ہے

علی بن مغیرہ سے کہ جو پہلے زبیدی تھا روایت ہے کہ اُس نے امام موسیٰ کاظم سے ذکر کیا کہ ماہ رمضان میں اُسکا باپ ہرات ایک قرآن ختم کرتا تھا اور دس قرآن غیر رمضان میں - اور پہر اپنی بہت بیان کی کہ ایک قرآن واسطے پیغمبر خدا صلعم کے اور ایک واسطے علی مرتضیٰ کے اور دیگر قرآن واسطے دیگر ائمہ علیہم السلام کے اور آپ (حضرت موسیٰ کاظم) تک ختم کرتا ہوں پس اس عمل کے سبب سے میرے واسطے کیا چیز ہو امام نے فرمایا کہ قیامت کے دن تو اُنکے ساتھ ہوگا اور جب اُس نے تعجب کیا تو امام نے تین مرتبہ فرمایا کہ ہاں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے پیغمبر خدا کی یہ حدیث بھی بیان فرمائی ہے کہ مرد عجیب میری امت کا ساتھ عجیبیت اپنی کے پڑھے گا تو وہ پڑ جائیگا اُسکو فرشتے ساتھ عروج کے

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ ہم جیسے آیات قرآن کی سنتہ میں نہیں ہمارے پاس جیسی کہ ہم سنتے ہیں اُنکو (اے اچھے قراءت ہمارا آپ کے اچھے کے موافق اور الحان عرب کے موافق نہیں ہے) اور اچھی طرح ہم نہیں پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ بیونچا ہم کو آپ سے پس آیا ہم گنگنا رہتے ہیں و پس فرمایا کہ نہیں۔ پڑھو تم جیسا کہ سیکھا تم نے اور قریب ہے کہ آئے تمہارے پاس کوئی شخص کہ سکھائے تم کو۔

متعدد احادیث اِسے ایسی بھی ہیں کہ جنہیں خاص سورتوں اور اور خاص آیات قرآنی کے پڑھنے کی تاکید ہے اور بعض حالتوں میں بغیر بعض سورتوں اور آیات کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

محمد بن الوراق کہتے ہیں کہ میں نے پیش کی امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے کتاب قرآن جس میں کچھ لکھا ہوا سوئے کا تھا فرمایا کہ نہیں خوش آتا ہے مجھ کو یہ کہ لکھا جائے قرآن مگر ساتھ سیاہی کے جیسے کہ لکھا گیا پہلی مرتبہ (حمد رسالتا ثبوتین)۔

نزارہ سے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ۷۷ لے تو مصحف کو بیچ دے دیکھ کے دینید رمضان سے اور کھول تو اُسکو اور رکھ تو اُسکو اپنے سامنے اور کہ تو اے میرے خدا تحقیق کہ میں اُنکلتا ہوں تجھے بوسیلہ کتاب

تیری کے کہ یہ بھی ہے تو نے اور جو کچھ اسمین ہے اور اسمین ہی اسم اعظم اور
 اکبر تر اور نشانہ سے نیکو ترین تیرے اور وہ کچھ کہ ڈرایا جاتا ہے اور
 اسید رکھی جاتی ہے یہ کہ گردانے تو مجھ کو اپنے آئندہ کیسے ہوون دوزخ سے
 (اسی ہدایت کے بموجب رمضان میں اسی قرآن موجودہ کے وسیلہ
 سے شیعہ وہ عمل کرتے چلے آتے ہیں جو اس ہدایت میں مذکور ہوا ہے)
 امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک صحابی نے پوچھا کہ قرآن
 اور فرقان آیا وہ دو چیزیں ہیں یا ایک چیز فرمایا کہ قرآن تمام کتاب ہے
 اور فرقان محکم ہے (اسی آیات محکم) کہ واجب ہے عمل ساتھ اُسکے۔
 امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن واحد ہے اور واحد
 پاس سے نازل ہوا ہے اور لیکن اختلاف آتا ہے راویوں کی طرف سے۔
 (اسی اختلاف قراءت جیسا کہ ارشاد آئندہ امام سے ظاہر ہے)
 فضیل بن یسار کہتے ہیں کہ گما میں نے حضرت امام جعفر صادق
 علیہ السلام سے کہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن ناول ہوا سات حرف نہ فرمایا
 کہ جو ٹپے ہیں وہ لیکن نازل ہوا ہے وہ اوپر حرف واحد کے
 نزدیک واحد سے (کچھ شبہ نہیں ہے کہ واحد سے امر واحد ہی صادر
 ہوتا ہے اور جیسا کہ خداے واحد کی طرف سے نازل ہوا ویسے ہی ہوا
 واحد کی طرف سے قول واحد بقراءت واحد بنا گیا)

نزل قرآن کا قراءت سات حرفون میں اُس وقت تسلیم ہو سکتا
 ہے کہ جب یہ قبول کیا جاسکے کہ جبریل نے اُسکو سات مرتبہ بنوع شریف
 پیغمبر پر پڑھا اور پیغمبر نے سب سے اُپر سنایا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن
 حرف واحد پر نازل ہوا اور طوائف عرب کو رخصت دی گئی کہ وہ اپنے
 اپنے لہجہ اور حرف میں پڑھیں مگر ایسی رخصت کا ثبوت بھی اطمینان کے
 قابل ہونا چاہیے مگر اُس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کل طوائف کا حرف واحد
 یعنی ایک زبان عربی تھی۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے اس جدید زمانہ
 سے اقبل جب کو مسلمانوں نے مانا ہے تقسیم حصص دوسے زمین کی ہفت قلم
 پڑتی اور وہ ہفت قلم والے اپنے اپنے حرف اور لہجہ اور زبان میں اُسکو
 پڑھ سکتے ہیں لیکن اس حالت میں ہی نزول اُسکا حرف واحد
 پر قرار پائیگا گو باعتبار ہفت قلم کے قراءت اُسکی سات حرفوں پر
 رد آجھی جائے (یعنی اُس سے پیدا اور احکام سیکھیں)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے فرمایا
 کہ نہ انا کسی نے بعض قرآن کو ساتھ بعض کے (ای ایک آیت کا امتیاز
 دوسری آیت سے نہ کیا اور بغیر سماعت راسخون فی العلم کے اپنی رائے
 سے تفسیر کر دی) مگر کافر ہوا۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ سنا میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو کہ

قرآن سے نہ کر گیا مصحف دریا میں پس پایا اُسکو دریا میں کہ تحقیق جاتا رہا جو کچھ
آیت میں تھا مگر یہ آیت ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا سُلُوْطَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۚ سُلُوْطُہُمْ فِیْ حَیٰۃِہِمْ اَشَدُّ مِّنْ سُلُوْطِہِمْ فِیْ الْمَوْتِ ۚ اُوْیُّوْا سَبِیْلَ اللّٰہِ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ

میں کام

اس ارشادِ امام علیہ السلام کا مقصود ظاہر ہے کہ قرآن لوگوں کے دل
سے محو ہو گیا کہ انہوں نے خلاف قرآن عمل کیا مگر یہ امر باقی رہ گیا کہ تمام
وہ عمل خدا کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔

اس ٹکڑے آیت سے ما قبل یہ آیت ہے۔

وَلٰكِن لَّكَ اَوْحٰیۤا الٰیہِ مَرۡحُوۡمًا	ترجمہ: اور اسی طرح وحی کی ہم نے طرف
مِنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرٰی	تیرے روح کو حکم اپنے سے تھا کہ
مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاٰیٰتُ	جانے تو کیا ہے کتاب اور آیات
لٰكِنۡ جَعَلْنٰا نُوۡرًا لِّمَنۡ يُّهۡدٰی	لیکن کیا ہم نے اُس (یعنی اُس کتاب) کو
نُشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَهۡدٰی	کو روشنی کہ ہدایت کرتے ہیں ہم تم
اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیۡمٍ صِرَاطِ اللّٰہِ	اُسکے جسکو چاہتے ہیں ہم بندوں
الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ	اپنے میں سے اور تحقیق کہ تو ہدایت
مَا فِی الْاَرْضِ ۚ	کرتا ہے طرف راہ سید ہی کے راہ

کی ایسا خدا کہ واسطے اُسکے ہر کو کچھ کہ سچ آسمانوں کے اور چ زمین کے ۱۱
 اس آیت سے ظاہر ہے کہ صراط مستقیم کا پانا چاہیے اور بہ نمبر ۲۵
 جلد ثانی بحث مسئلہ امامت میں ہم دیکھا آئے ہیں کہ صراط مستقیم علی
 مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام ہیں یعنی ان کا طریقہ اور ان کی راہ
 بتائی ہوئی اور اسی راہ کو جو لوگ گم کر دین اُسی کی نسبت امام کا ارشاد
 ہے کہ قرآن دریا میں گر کر سٹ گیا اور یہ بانی رہ گیا کہ کام خدا کی طرف
 پہرے ہیں۔

ابان بن ہیون قداح کہتے ہیں کہ دیکھا مجھے امام محمد باقر علیہ السلام
 نے پڑھ تو کما میں نے کس چیز سے پڑھوں میں فرمایا سورہ نم سے پس میں نے
 توڈ ہوٹھ ہٹا جایا اُسکا فرمایا کہ پڑھ سورہ یونس سے (اس روایت سے
 ظاہر ہوتا ہے کہ اسی قرآن موجودہ کا رادی حافظ تھا اس لیے کہ قرآن کے
 اس وقت موجود ہونیکا اس روایت میں ذکر نہیں ہے اور حصہ آئندہ
 روایت سے ظاہر ہوگا کہ رادی نے سورہ یونس کو پڑھنا شروع کر دیا
 ہے اور مقصود امام علیہ السلام کا اسی قرآن موجودہ سے پڑھوانیکا تھا
 کہ جو اُس کو حفظ تھا پہلے فرمایا کہ پڑھ پڑا سکے پوچھنے پر فرمایا کہ نوین سورہ
 پڑھ جب وہ اول سے نوین کو تلاش کرنے لگا یعنی اپنے دل میں چھوٹا
 تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ سورہ یونس سے پڑھ اگر سورہ حمد کہ فاتح کہتا

سمجھا جاتا ہے شمار نہ کیا جائے تو سورہ بقرہ سے نوین سورہ یونس ہی اور اگر سورہ حمد کو بھی شامل کیا جائے تو سورہ انفال اور سورہ توبہ کو ایک شمار لیا گیا ہے اس حالت میں ہی سورہ یونس نوین سورہ ہوتی ہے اور غالباً رادی کو یہی تردد تھا کہ کونسے سورہ کو سورہ نہم قرار دے (رادی کہتا ہے پس پڑھا میں نے (ای سورہ یونس کے پڑھنے میں اس آیت کو) آیت

وَاللَّذِينَ أَحْسَنُوا لِحُسْنِي دَعْوَاهُمْ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۚ (ترجمہ: البتہ واسطے ان لوگوں کے ولا یوہق وجوہم فتودلا ذلہ) کہ نیکی کی ہی انہوں نے نکوئی ہر اور زیادتی ہی نہ ڈلا نہیں گئے منہ انکے تیرگی اور خواری کو

فرمایا (امام علیہ السلام نے) کافی ہے تجکو پہر کہا کہ فرمایا رسول صلعم نے کہ میں ہر آئینہ تعجب کرتا ہوں کیونکہ نشاط میں نہ آجاؤں میں جسوقت کہ پڑھوں میں قرآن

سالم بن سلمہ کہتے ہیں کہ پڑھا امام جعفر صادق علیہ السلام پر ایک شخص نے دے رکھا لیکہ سنتا تھا میں چند حروف قرآن سے کہ نہیں تھے وہ ایسے کہ جبکہ پڑھتے ہیں لوگ پس فرمایا امام علیہ السلام نے کہ باز کہہ اپنے آپ کو اس قراءت سے اور پڑہ تو جیسا کہ پڑھتے ہیں اُسکو لوگ بیان تک کہ قائم ہو قائم ہیں جسوقت کہ قائم ہو گا قائم

پڑے گا کہ اب اللہ عزوجل کو اوپر خداؤں کی اور نیچے لے گا مصحف ایسا
 لکھا اُسکو علیہ السلام نے اس حصہ روایت میں جو ایسے حروف
 کے پڑے ہیں کا قرآن سے ذکر ہے کہ جن کو دیگر لوگ نہیں پڑھتے تھے
 اور جنکے پڑنے کی امام علیہ السلام نے مانعت فرمائی ہے جب تک
 کہ کوئی قائم ہونے والا قائم نہ ہو (یعنی خلافت فی الارض اُسکے حق میں
 قائم نہ ہو جائے کہ بغیر خلافت فی الارض کے قانون شریعت مستقل
 طور پر جاری نہیں ہو سکتا تھا) کہ جو پڑھے قرآن کو اوپر خداؤں کی
 اور نیچے لے گا مصحف کو ایسا کہ لکھا اُسکو علی نے۔

اس سے ظاہر ہے کہ علی مرتضیٰ نے جو قرآن بترتیب نازل مع
 تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کے لکھا تھا وہ شخص قرآن موجودہ کو اُسی نط سے
 پڑھتا تھا کہ جو بظاہر خلافت الفاظ قرآن موجودہ کے مع تفسیر کے تھا
 مگر امام نے بنظر حالت زمانہ کے کہ خلافت مخالف اُس تفسیر کے تھی
 اُس لفظ سے قرآن کے پڑنے کو منع فرمایا اور قرآن موجودہ کے پڑنے
 کا حکم دیا۔

یہ امر کہ قرآن جسکو قائم پڑے گا وہ اوپر اپنی حد کے ہوگا اور نیچے لکھا
 ایسے مصحف کو کہ لکھا اُسکو علی نے "صاف اس بات پر دلالت
 کرتا ہے کہ قرآن موجودہ صرف متن ہی اور وہ قرآن کہ جسکو قائم پڑے گا

اور جسکو علی نے لکھا تھا وہ ترتیب نزول تمام تفسیر بتائی کہ کوئی پیغمبر کے
 کہ وہ تفسیر ہی از روئے وحی۔ کئے تھی اور جو اُسکے صحیح مقصود اور اعلیٰ
 فہم کو شامل تھی اور اسی واسطے اُس قرآن کی نسبت امام علیہ السلام
 نے فرمایا ہے کہ وہ قرآن اور پرانی حد کے ہوگا۔ چنانچہ یہ امر بقیہ حصہ روا
 سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔)

امام علیہ السلام نے فرمایا ہے با ہر لائے اُس (صحیف) کو علی
 علیہ السلام طرف لوگوں کے جبکہ فارغ ہوئے اُس سے اور اُس کے
 لکھنے سے (یعنی اُسکی ترتیب اور اُسکی تحریر سے) پس فرمایا اُن لوگوں
 سے یہ کتاب اللہ عزوجل کی ہی حدیث کہ نازل کیا اُسکو اللہ نے اور
 محمد صلعم کے (یعنی جس ترتیب سے اور جس مراد اور معنی سے) تحقیق
 کہ جمع کیا اُسکو میں نے دو دھون سے (یعنی ایک لوح سینہ پیغمبر اور ایک
 لوح خود سینہ اُنکا کہ سینہ پیغمبر سے اُنہوں نے اپنے سینہ میں لیا تھا
 یا دو لوح سے یہ مراد ہی ایک لوح سینہ اُنکا کہ جس میں اُنہوں نے
 بموجب ارشاد اور تعلیم پیغمبر کے اپنے سینہ میں حفظ رکھا تھا اور
 ایک وہ لوح کہ جب وقت ارشاد اور تعلیم پیغمبر کے لکھ لیا تھا۔)
 پس کہا اُن لوگوں نے وہ ایسا ہی ہمارے پاس صحیف جمع کیا ہے
 اُمین قرآن نہیں حاجت ہی واسطے ہمارے چچ اُسکے پس فرمایا آگاہ

ہو قسم خدا کی کہ نہ دیکھو گے تم اسکو بعد اس دن اپنے کے کبھی سوا
اسکے نہیں ہو کہ لازم تھا مجھ پر کہ خبردار کروں میں تمکو وقت جمع کرنے
اسکے کے تا آنکہ پڑ ہو تم اسکو

(یہ حصہ روایت کا بالکل مطابق ہے اس روایت کی ہے جو کتب اہانت
میں بھی منقول ہے اور جس کی وجہ سے بعض اکابر اہلسنت نے صحیفہ
مرتبہ علی مرتضیٰ کے نویلے جانے پر افسوس سے کہا ہے کہ اگر وہ لے لیا
جاتا تو نفع کثیر حاصل ہوتا۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ صحیفہ مرتبہ علی مرتضیٰ
بترتیب نزول مع تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کے تھا کہ جو حکم میں قرآن کے
اور مثل قرآن کے تھی اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ اگر اسی ترتیب اور تفسیر
کے بموجب یہ اصل اور متن قرآن موجودہ پڑا جاتا اور قبول کیا جاتا
تو مذہب اسلام میں کوئی اختلاف اور باہم سلانوں کے کسی قسم
کی مخالفت نہ پیدا ہوتی)

سعید بن عبد اللہ اعرج کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا امام جعفر
صادق علیہ السلام سے کہ ایک شخص پڑھتا ہے قرآن اور بھول جاتا ہے
پھر پڑھتا ہے پھر بھول جاتا ہے اس پر کچھ ہرج ہی فرمایا نہیں
حضرت سدید سے ایک روایت ہے کہ جس میں سورۃ الملک کے
پڑھنے کے بہت فضائل بیان ہوئے ہیں اور امام علیہ السلام فرماتے

ہیں اور تحقیق کہ میں ہر آئینہ رکوع کرتا ہوں میں ساتھ ہر اسکے ساتھ عشرہ
آخرہ کے در حالیکہ بیٹھا ہوا ہوتا ہوں میں (مرا و ترناڑ تہجد سے ہی) اور
باپ میرے علیہ السلام پڑھتے تھے اُس سورہ کو بیچ دن اپنے کے اور
رات اپنی کے۔

عبداللہ بن فرقد اور علی بن خنیس کہتے ہیں کہ ہم تھے امام جعفر صادق
علیہ السلام کے پاس اور ہمارے ساتھ ربیعۃ الراے ہی تھا (فقہا
الہسنت اور قیاس سے) پس ذکر کیا ہم نے فضل قرآن کا پس فرمایا
امامؑ نے اگر ہوتا ابن سعود کہ نہ پڑھتا اور ہر قرات ہماری کے (اس
جگہ بظاہر قرات سے مراد مع تفسیر فرمودہ پیغمبر کے ہی جیسا کہ بعض بعض
موقعہ پر ابن سعود نے اپنے قرآن میں مان الفاظ تفسیری کو لکھ دیا تھا
اور مع الفاظ تفسیر کے پڑھتا تھا چنانچہ کتب الہسنت میں ہی مذکور
ہی جسکا ذکر ہم پہلے لکھ آئے ہیں) پس وہ ہوتا گمراہ پس کہا ربیعہ نے
از روئے تعجب کے گمراہ فرمایا مان گمراہ پھر فرمایا امام علیہ السلام نے
لیکن ہم پس پڑھتے ہیں اور قرات باپ اپنے کے (اگر رسول اللہؐ
کے)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تحقیق کہ قرآن ایسا کہ لکھا
اُسکو بریل علیہ السلام طرف محمد صلعم کے سترہ ہزار آیت ہی (اس میں

اختلاف ہے کہ قرآن میں کس قدر آیتیں ہیں اور اُسکی نسبت ہم غفریب بحث کریں گے۔

کتاب احتجاج طبرسی میں منقول ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے بعد کلام طویل کے طلحہ سے فرمایا پس خبر دو تم مجھ کو اُس چیز سے کہ لکھا عمر اور عثمان نے قرآن کو پورا یا اُس میں وہ کچھ ہی ہے کہ نین ہے قرآن پس کہا طلحہ نے بلکہ کل وہ قرآن ہے فرمایا اگر تو تم جو کچھ اُس میں ہے نجات پاؤ تم دوزخ سے اور داخل ہو تم جنت میں پس تحقیق کہ اُس میں محبت ہماری ہے اور بیان حق ہمارے کا ہے اور فرض طاعت ہماری ہے۔

اس ارشاد علی مرتضیٰ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر اور عثمان کے عہد میں جو قرآن لکھا گیا تھا وہ پورا تھا جسکو حضرت طلحہ نے ہی قبول کیا ہے اور ہر کسی کو یہ امر ہی قبول ہے کہ پیغمبر اپنے عہد میں قرآن کو لکھواتے جاتے تھے اور جمع کراتے جاتے تھے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اُسی کے بموجب حضرت عمر اور حضرت عثمان نے قرآن لکھوایا اور وہ قرآن ہی قرآن موجود ہے جو متداول بین الناس ہے مگر اسی قرآن کے بموجب علی مرتضیٰ علیہ السلام یہ استدلال فرماتے تھے کہ تحقیق سچ اُسکے محبت ہماری ہے اور بیان حق چاہدہ کیا ہے اور فرض طاعت ہماری ہے۔

یہ استدلال اُن علیہ السلام کا اسی قرآن سے بوجہ اُس تعلیم اور تفسیر اور معنی اور منشاء بتائے ہوئے پیغمبر خدا کے تھا اور جو اذکر و وحی کے حکم قرآن میں اور مثل قرآن کے تھا اور جب کو اُن حضرت علیہ السلام نے لکھ لیا تھا۔

منجملہ ان احادیث اور روایات کے جن میں ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے جس قرآن کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور ارشاد کیا ہے کہ یاد کرو قرآن کو اور علم حاصل کرو قرآن کا اور اُسکو اپنے اوپر لازم کرو اور اُسکو خدا نے تم پر نازل کیا ہے اور جسکے حفظ اور عمل کی رغبت دلائی ہے اور اُسکے کو اپنے اور ختم کر نیکی تاکید کی ہے اور فرمایا ہے کہ کم سے کم ہر روز پچاس آیتیں اُسکی پڑھنی چاہئیں اور تلاوت قرآن سے گمرون کو روشن رکنا فرمایا ہے اور سننے والے کو بھی حسنت کا وعدہ فرمایا ہے اور جس صحیف کا گھر میں ہونا پسند کیا ہے اور جس قرآن کے حافظ کو حکم دیا ہے کہ قرآن کا دیکھ کر پڑھنا بہتر ہے اور جس قرآن کے ترتیل اور خزن اور محض عرب سے پڑھنا کا ارشاد کیا ہے اور شتابی سے پڑھنے کو منع فرمایا ہے اور جس قرآن کو کہ امام زین العابدین علیہ السلام پڑھتے تھے اور جو قرآن کہ چودہ جزو کا امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس تھا اور جس قرآن کو مرد عجمی است رسول کو ساتھ غمیت اُسکی کے پڑھنے کی رخصت دی گئی ہے اور جن

قرآن کی سورتوں اور خاص آیات پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور جس قرآن میں
 طلحہ سے کچھ زینت کی گئی تھی اور سامنے امام علیہ السلام کے پیش ہوا
 تھا اور جس قرآن کی ماہ رمضان میں ایک عمل خاص کی ہدایت کی گئی
 ہے اور جس کتاب خدا کا فرق بتایا گیا ہے کہ اُسکے کس حصہ سے مراد
 قرآن ہے اور کس حصہ سے مراد فرقان ہے اور جس قرآن کو بتایا گیا ہے کہ
 وہ واحد ہے اور واحد کی طرف سے نازل ہوا ہے اور جس قرآن کے
 نسبت ارشاد کیا ہے کہ گر گیا وہ دریا میں اور جو کچھ اُمین تھا شکیا
 مگر صرف مقصود ایک آیت کا اور جس قرآن کی کہ سورۃ یونس امام
 نے پڑھوائی ہے اور جس قرآن کی سورۃ الملک آخر نماز عشا میں خود پڑھا
 پڑھنا امام نے ظاہر فرمایا ہے اور جس قرآن کے پورا ہونے اور زائد
 نہ ہونیکا جسکو حضرت عمر اور عثمان کا لکھوایا علی مرتضیٰ علیہ السلام
 حضرت طلحہ سے اقبال کر لیا ہے ان احادیث اور روایات سے ظاہر
 ہے کہ وہ قرآن ہی قرآن موجودہ متداول بین الناس ہے اور ان
 اور روایات سے کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ جو کچھ وہ ارشادات ائمہ
 اہلبیت علیہم السلام نے فرمائے ہیں وہ اسی قرآن موجودہ متداول
 بین الناس کی بابت ہیں اور کسی جگہ اور کسی وقت اس قرآن جو
 متداول بین الناس کی نسبت یہ نہیں فرمایا کہ اُمین کوئی تحریف

ہر یکہ علی مرتضیٰ علیہ السلام نے جس وقت حضرت طلحہؓ کے گفتگو کی ہر وقت
انہوں نے قبول کر لیا ہر کہ آئین کچھ زائد نہیں جسکا نتیجہ یہ ہر کہ علی
مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے تھے کہ اس قرآن میں کہ جو اب تک
مداول بین الناس ہر کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہر۔

ایسی حالت میں قرآن موجودہ کی بابت نہ کوئی شیعہ تحریف کا
قائل ہو سکتا ہر نہ ائمہ اہلبیت کی احادیث کو رد کر سکتا ہر۔

البتہ سوا ان روایات اور احادیث کے کہ جنکا تعلق قرآن
موجودہ سے ہر دیگر روایات میں ایک ایسے قرآن کا بھی ذکر ہر کہ
جسکو علی مرتضیٰ نے بترتیب نزول مع تفسیر فرمودہ پیغمبر کے لکھا
اور مرتب کیا تھا اور خود انہیں روایتوں سے ظاہر ہوتا ہر کہ وہ قرآن
بترتیب نزول مع تفسیر فرمودہ پیغمبر کے لکھا ہوا اور مرتب کیا ہوا
علی مرتضیٰ کا اس قرآن موجودہ مداول بین الناس سے ائمہ عظیم
السلام کے پاس ملحدہ تھا جیسا کہ ہر ایسی روایت اور حدیث
کے موقع پر ہم اشارہ کر آئے ہیں۔

وہ تفسیر فرمودہ پیغمبر ہی ضرور بموجب وحی کے تھی جیسا کہ
سوا قرآن کے دوسری وحی کی خبر پیغمبر خدا سے روایت اہلسنت
میں بھی ہر اور جبہ برصفت مخاطب نے اپنی تفسیر میں وثوق کیا ہر

اس اعتبار سے اس تفسیر پیغمبری کو کہ جو بموجب وحی کے اور حکم قرآن
میں اور مثل قرآن کے تھی۔ قرآن یا مصحف کہنا اور جسکو علی رضی
نے لکھا اور مرتب کیا تھا اس اعتبار سے اسکو مصحف یا کتاب علی
کہنا ناروانہیں ہی اور جسکا وجود اور سرِ اُرخ کتب اہلسنت میں ہی
موجود ہی جسکو ہم پہلے چند موقع پر دکھا آئے ہیں۔

پس ان دونوں قسم کی روایات کو خلط ملط کرنا یا اصل و متن
قرآن کی نسبت اُنکو بلا تفریق متعلق کرنا اور اس سے تحریف قرآن
کا نتیجہ نکالنا سخت غلطی اور عہدِ مذہبِ شیعہ کو بدنام کر کے دکھانا
ہی کیونکہ اسکو کوئی قبول نہیں کر سکتا کہ کسی تفسیر سے جو حاملِ قرآن
اصلی ہو یا کسی شرح سے جو حاملِ المتن ہو وہ اصلی قرآن اور متن
جو تفسیر اور شرح سے مجرد ہو محرف سمجھا جائے۔

خود اہلسنت کی روایتوں سے ظاہر ہے کہ قرآن میں الفاظ
دیگر بھی تھے اور صحابہ اُنکو پڑھتے تھے کہ جو قرآن موجودہ میں نہیں ہیں
اور جسکو ہم پہلے تفصیل سے دکھا آئے ہیں اور جسکی نسبت مصنف
مخاطب اپنی تفسیرِ کسیرِ اعظم صفحہ ۸۸ پر لکھتے ہیں کہ "بعض روایات
سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض الفاظ جو بطور تفسیر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمائے تھے اُنکو بھی صحابہ قرآن میں لکھ لیتے تھے۔"

درحقیقت شیعہ عمدہ پیغمبر سے اور بعد پیغمبر کے ہو جب تعظیم علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے یہی سمجھتے چلے آئے ہیں کہ اصل قرآن یہی ہے کہ جو اس وقت تک متداول بین الناس ہے جس میں کوئی لفظی تحریف نہیں ہوئی لیکن تحریف معنوی ضرور ہوئی۔ ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے جو کسی آیت کے معنی اور مراد بیان فرمائے ہیں اور وہ بیان انکا بموجب تعلیم پیغمبر کے تھا اُس بیان کو البتہ مثل قرآن اور حکم قرآن میں مانتے ہیں اور کسی آیت قرآنی کے معنی اور مراد بیان کرنا ہی تفسیر ہے۔ جیسا کہ ابوسلم معتزلی کا مذہب خود مصنف مخاطب نے ہی یہی نقل کیا ہے کہ جو الفاظ اب منسوخ التلاوة سمجھے جاتے ہیں یہ درحقیقت بطور تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیے تھے جسکو بعض صحابہ نے غلطی سے قرآن سمجھ لیا تھا۔

اور خود مصنف مخاطب نے یہ امر قبول کیا ہے کہ بعض الفاظ جو بطور تفسیر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے تھے اُنکو بھی صحابہ قرآن میں لکھ لیتے تھے مگر مصنف مخاطب نے مذہب معتزلی سے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ اُن الفاظ تفسیری کو صحابہ نے غلطی سے قرآن سمجھ لیا تھا۔

مصنعت مخاطب نے یہ پسند کیا ہے کہ صحابہ کی طرف غلط فہمی کی نسبت کرنے سے یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ قرآن ہم تک نہیں کے واسطے سے پہنچا ہے اور انہیں کے ثبوت کا مدار بالکل انہیں پر ہے۔ لیکن جن صحابہ کا اس موقع پر ذکر ہے ان صحابہ کو کوئی فرقہ ہند اسلام کا معصوم نہیں مانتا۔۔۔ ایسی حالت میں اگر ایک معتزلی نے جو غیر معصوم صحابہ کو نسبت غلط فہمی کی دی تو وہ نسبت اُنکی ہرگز ناپسندیدہ نہیں ہو سکتی۔ البتہ صنعت مخاطب جو صحابہ غیر معصوم کی حالت مثل معصوم کے قرار دیتا چاہتے ہیں یہ امر دراصل تعجب انگیز ہے۔ مگر اس قسم کی خرابیاں اُس غلط اصول قرار دینے سے لازم آتی ہیں کہ بعد رسول کے اُنکا جانشین ایسا نہ مانا جائے جو معصوم یا محفوظ عن الخطا ہو اور محض اُسی کے سخن کے پیروی اور اطاعت نہ کی جائے۔

جو بیان کہ پیغمبرؐ نے بطور تفسیر کے فرمایا تھا درحقیقت اُسکا امتیاز کرنا صحابہ غیر معصوم کو اصل قرآن سے نہایت دشوار تھا یہ معاملہ کیونکر نازک نہ ہو کہ صحابہ غیر معصوم اصل قرآن اور اُسکی تفسیر ایک زبان پیغمبرؐ سے سنتے تھے وہ بغیر تعلیم خاص پیغمبرؐ کے کیونکر سمجھ سکتے تھے کہ بیان پیغمبرؐ میں کس قدر اصل قرآن ہے اور کس قدر

تفسیر اور یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ بیان پیغمبرؐ کی نسبت متروک رہے کہ وہ اصل قرآن ہی یا تفسیر۔

لیکن شیعہ امامیہ اثنا عشریہ بموجب تعلیم ائمہ اہلبیت کے کہ جو معصوم یا محفوظ عن الخطائے قدیم سے ہر زمانہ میں یہ سمجھتے چلے آتے ہیں کہ اصل قرآن تو وہ تھا جو پیغمبرؐ نے ابتداء لکھا دیا اور جب کسی آیت کی متعلق کسی صحابہ کے دریافت پر پیغمبرؐ نے الفاظ ناؤں اشاریہ فرمائے یا ہر ایک آیت کی مراد اور منشا علی مرتضیٰ کو تعلیم کیا اور علی مرتضیٰ نے اُسکو لکھ لیا وہ تفسیر تھی اور وہی تفسیر دیگر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے پاس برابر چلی آئی اور اُسی تعلیم اور تفسیر کے بموجب علی مرتضیٰ سے لیکر حضرت صاحب العصر تک جس آیت کے جو معنی اور مراد جس امام نے فرمائے وہ مثل قرآن اور حکم قرآن میں تھا۔

یہ اعتقاد شیعوں کا ایسا ہے کہ جس پر نہ مثل مذہب معزلی کے کہ صحابہ کو نسبت غلط فہمی کی دی جانی نا پسندیدہ ہے۔ اور نہ مثل مذہب مصنف نجاتی کے کہ مذہب معزلی سے جو نحو لازم غلط فہمی فائدہ پہنچے صحابہ پر اختلاف کیا جاتا ہے یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ وہ مذہب خلافت واقع اور مخالف حقیقت ہے۔

درحقیقت ہی صحیح اعتقاد مذہب شیعہ کا شیعوں کو قدیم سے
برانگیختہ کرتا تھا کہ انہیں الفاظ تفسیری بغیر سے کہ جو روایات کتب
اہلسنت اور اہل تشیع میں منقول ہوئے ہیں امامت علی مرتضیٰ و
ائمہ اہلبیت کی بمقابلہ ان کے ہم عصر خلفائے مخالف کے ثابت اور
قائم کرین چونکہ وہ الفاظ تفسیری بغیر کے مثل قرآن اور حکم قرآن میں
تھے۔ اور آیات قرآنی کے معنی ظاہر کر نیوالے تھے بعینہ اسی شان
سے کہ جیسے وہ الفاظ بغیر تفسیر جزو قرآن ہوتے اور جبکہ نہ قبول
کرنے سے معنی آیات قرآن میں تحریف لازم آتی ہر اس لیے عموماً وقت
استدلال کے ان الفاظ تفسیری کو قرآن بولا گیا۔

ثقة الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے وہ روایات جن میں معنی
آیات قرآنی کے بطور تفسیر بیان ہوئے تھے اپنی کتاب کافی میں
جمع کیں کہ جسے بیشک تحریف بالمعنی قرآن کی ثابت ہوتی ہر اُس پر
یہ کہا گیا کہ شیخ علیہ الرحمۃ معتقد تحریف اور نقصان قرآن کے ہیں
اور یہ حجت پیش کی گئی کہ وہ ان روایات کی بابت معترض نہیں ہو
ظاہر ہوتا کہ شیخ باعتبار الفاظ ناکد تفسیری کے قائل تحریف یعنی
قرآن کے تھے اور خود ان روایات سے صریح ظاہر ہوتا تھا کہ ان الفاظ
ناکد سے معنی اور منشا و آیت کا بیان کیا گیا ہر اس لیے ان کو بھی جتنی

کی کسی روایت کی نسبت ضرورت نہیں تھی اگر انکو یہ شبہ ہوتا کہ ان الفاظ زائد سے تحریف لفظی قرآن کا شبہ پیدا ہوتا ہے تب انکو موقع کسی قدح کا ہوتا اور جبکہ انہوں نے تمام وہ احادیث ائمہ جمع کی ہیں جسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن موجودہ میں کوئی تحریف لفظی نہیں ہے تو شیخ کی نسبت کسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تحریف لفظی کے قائل تھے اور جیسے کہ شیخ نے کتاب کافی میں ان کو پایا کو جمع کیا دیسے ہی علی بن ابراہیم قمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو ملو کیا۔ اور شیخ احمد بن ابیطالب بطریق حتم السدا اپنی کتاب احتجاج میں اُسی منوال پر چلے۔

مگر اہل خلاف نے بمقابلہ اثبات امامت علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے بجواب شیعوں کے یہ کہنا شروع کیا کہ ”شیعہ تحریف لفظی قرآن کے قائل ہیں۔“

لیکن درحقیقت مذہب علماء شیعہ کا ایسا نہیں تھا کہ جیسا انکی نسبت گمان کیا گیا اور کہا گیا کہ وہ تحریف لفظی اور زیادتی اور نقصان قرآن کے قائل ہیں حالانکہ انکا صحیح مذہب اسکے خلاف تھا اور وہ اصل قرآن میں لفظی تغیر یا نقصان کے قائل نہیں تھے۔

البتہ بلحاظ الفاظ تفسیری آیات کے جو کتب فریقین میں مندرج ہیں اور باوصفت اسکے جو لوگ کہ ان معنی کو قبول نہیں کرتے انکی نسبت کفر بالغنی قرآن کے قائل تھے۔

اسی لیے سید شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے پورے طور پر جو اسباب اہل طرابلس کے اصلی مذہب شیعہ کا بتا دیا اور اسی صحیح مذہب کو ان کے جتادیا۔ اور شیخ صدوق محمد بن علی بن بابوی قمی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی اپنے رسالہ اعتقاد یہ میں ظاہر کر دیا کہ اعتقاد ہمارا قرآن کی نسبت یہ ہے کہ جو کچھ در بیان دو دفتیون کے لوگوں کے ہاتھ میں ہو اس سے کچھ زیادہ نہیں ہے اور جو کوئی ہماری طرف یہ منسوب کرے کہ ہم اسکے زیادہ ہونے کے قائل ہیں پس وہ جھوٹا ہے۔ اور یہ اشارہ ان کا ان اہل خلاف کی طرف ہے کہ جو شیعوں کی نسبت تہمت اعتقاد نقصان قرآن کی کرتے تھے۔

اور شیخ الطائفة محمد بن حسن طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب بیان میں صاف لکھ دیا کہ مذہب صحیح ہمارا یہی ہے کہ قرآن میں زیادتی اور نقصان نہیں ہے۔

ان علما کے اس اعتقاد کے ظاہر کرنے سے کہ قرآن میں کچھ کم و بیش نہیں ہے مراد انکی نہ قائل ہونے تحریف لفظی قرآن سے صاف

وضوح و واضح ہے۔

اور اگر خلاف حقیقت اور واقعہ کے یہی کسی عالم شیعہ کا تفسیر
معنی احادیث کے یہ اجتہاد سمجھ ہی لیا جائے کہ وہ قرآن میں لفظی
تحریف کا قائل ہو یا نہ ہو اور کسی عالم شیعہ کی نسبت یہ قبول ہی کیا
جائے کہ اس نے خلاف اس کے اجتہاد کیا تو اس سے کوئی اعتراض
مذہب شیعہ پر وارد نہیں ہو سکتا اس لیے کہ مذہب شیعہ میں یہ
قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جب کوئی منفی مر جائے تو اس کا فتویٰ ہی
مر جاتا ہے اور مجتہد حجتی کا قول ہمیشہ قابل پابندی کے ہے۔

مصنف مخاطب نے جیسا کہ ایک غلط اعتراض خلاف
حقیقت اور خلاف واقعہ تحریر قرآن کا مذہب شیعہ کی نسبت
ظاہر کیا ہے ویسے ہی انہوں نے سید شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ اور
شیخ صدوق ابن بابویہ قمی علیہ الرحمہ کو متاخرین شیعہ میں قرار دیا ہے
اور جنکی نسبت کہا ہے کہ وہ موجود مسئلہ عدم تحریر قرآن کے ہیں
حالانکہ ۳۲۹ ہجری تک زمانہ موجودگی ائمہ اثنا عشر علیہم السلام
کا رہا کہ جس میں غیبت کبریٰ امام دوازدهم علیہ السلام کی واقع ہوئی
ہے۔ اور سید شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ ۱۲۸۱ ہجری میں پیدا ہوئے
اور ۱۳۲۹ ہجری میں انہوں نے وفات پائی اور وہ حضرت امام

موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہ جو ساتویں امام تھے چھٹی پشت میں تھے اور شیخ صدوق رئیس المحدثین ابن بابوی قمی سید شریف مرتضیٰ سے بھی مقدم تھے وہ حضرت صاحب الامر کی دعا سے پیدا ہوئے تھے اور سال ۳۵۵ھ میں جوان تھے جبکہ بغداد میں آئے تھے اور ۳۸۱ھ میں انہوں نے بندہ رہی میں وفات پائی (فرست طوسی) اور شیخ سفید علیہ الرحمہ جو استاد سید شریف مرتضیٰ کے تھے وہ شاگرد ابن بابوی قمی کے تھے جس سے بخوبی اندازہ تقدم ابن بابوی قمی کا ہو سکتا ہے۔

ان دونوں کی نسبت یہ کہنا مصنف مخاطب کا کہ وہ فرقہ جدید تاخرین شیعہ میں سے تھے ایک امر عجیب ہی بنظر تحقیق اور واقعیت کے۔ مصنف مخاطب کو اس کہنے سے کہ وہ متقدمین شیعہ کا تحریف قرآن پر اجماع تھا اور تاخرین شیعہ نے اہلسنت سے یہ مسئلہ سیکھا کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی اور سید شریف مرتضیٰ اور شیخ صدوق ابن بابوی قمی علیہما رحمہما تاخرین شیعہ میں سے تھے اور فرقہ جدیدہ نے ائمہ کے اقوال کو رد کر دیا اور اپنے متقدمین کو اس مسئلہ میں گمراہ بتایا کہ شرم کرنی لازم تھی کیونکہ یہ تمام بیانات غلط اور خلاف واقعہ ہیں۔ نہ کہہی متقدمین شیعہ نے تحریف لفظی قرآن پر

اجماع اور اتفاق کیا اور نہ کبھی متاخرین شیعہ کا کوئی نیل فرقہ خلاف اس کے پیدا ہوا البتہ باعتبار الفاظ تفسیری کے اہل خلافت کی نسبت قیام رکھتے چلے آتے ہیں کہ وہ تحریف بالمعنی قرآن کو کرتے ہیں کبھی انہوں نے ائمہ کے اقوال کو ایسی حیثیت سے رد نہیں کیا جیسا کہ مصنف نے ظاہر کیا ہے۔

بلکہ ایسی حیثیت سے قبول کیا ہے کہ وہ تفسیر ان آیات کی ہیں جن آیات کے جو معنی ائمہ نے فرمائے ہیں کبھی اپنے متقدمین کو انہوں نے اس مسئلہ میں گمراہ نہیں بتایا بلکہ ان اہل خلافت کو جو شیعوں پر تحت تحریف قرآن کی رکھیں (اس موقع پر مراد تحریف لفظی قرآن سے ہے) البتہ جوتاہمتا سکتے تھے۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد مصنف مخاطب یا مبین کہ عالم شیعہ جنکو مصنف نے کاذب کہا ہے اس میں کون داخل ہوتا ہے مصنف مخاطب یا شیعہ۔

شیعہ اس مسئلہ میں ہرگز مذہب نہیں ہیں جیسا کہ مصنف مخاطب ظاہر کرتے ہیں۔ مطاعن صحابہ کی بحث میں وہ ایک میل جو قدیم سے اختیار کیے ہوئے ہیں اور اختیار کرتے ہیں کہ وہ الفاظ تفسیری کو قرآن سے خارج کرنے کی وجہ سے تحریف بالمعنی ہو

اور حضرت عثمان پر اس نوع سے اعراض نہیں کرتے ہیں کہ انہوں نے مسئلہ امامت، قرآن سے نکال دیا بلکہ ان کے اعراض کی نوعیت یہ ہے کہ ان الفاظ تفسیری پیغمبر کو جس سے آیات قرآن کے معنی ایسے ظاہر ہوتے تھے کہ امامت علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے حق میں منحصر ہی اور جس کا کچھ حصہ اپنے اپنے قرآن میں بعض صحابہ غیر اہلبیت نے لکھ لیا تھا اور جس کو وہ مثل قرآن اور حکم قرآن میں مانتے تھے اُس کو ترک کیا اور شامل قرآن نہ کیا یا جو قرآن مجید نزول سے کامل تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کے عہد خلافت اول میں علی مرتضیٰ نے پیش کیا تھا اور اُس کو نہ لیا خلافت اول میں اُس کے بدلنے سے اور خلافت سوم میں دیگر صحابہ کے قرآن میں جو الفاظ تفسیری پیغمبر کے تھے اُس کے ترک کرنے اور شامل نہ کرنے سے قطعی تحریف معنی قرآن کی لانگم آئی۔

مجلسی علیہ الرحمہ نے حق الیقین میں مطاعن حضرت عثمان میں جو یہ لکھا ہے جس کو مصنف مخاطب سند نقل کرتے ہیں ”طعن بیستم“ آنکھ جمع کرد مردم را بر قرائت زید بن ثابت و بس برائے آنکہ عثمانی بود دشمن امیر المومنین و چون خواست مناقب اہلبیت و شایع اعدائے ایشانرا بیندازد اورا برائے جمع قرآن اختیار کرد“

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ مسئلہ امامت قرآن سے نکال
ڈالا گیا یا کوئی عالم شیعہ تحریف لفظی قرآن کا قائل ہے بلکہ سی عبارت
سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نے یہ چاہا کہ منہ قلم بہت
اور مشالب ان کے اعدا کے نکال ڈالے جائیں۔

مناقب اہلبیت اور مشالب ان کے اعدا کے انہیں الفاظ تفسیری
پیغمبر سے ظاہر ہوتے تھے کہ جنکو صحابہ نے قرآن میں لکھ لیا تھا
جو مثل قرآن اور حکم قرآن میں تھے۔

چنانچہ ملا مجلسی نے اپنے اسی قول محل کی کہ جو بطور ہیڈنگ کے
ہر تفصیل اسی فصل میں بخوبی کتب اہلسنت سے دکھائی ہے کہ صحابہ
عہد پیغمبر میں کیونکر اور کس طرح سے اور ایک دوسرے سے مختلف الفاظ
زائد پڑتے تھے اور جسکو پیغمبر فرماتے تھے کہ ایسی ہی ہے اور زیادہ
عظمت قرأت قرآن ابن مسعود کی ان صحابہ میں تھی اور اس میں
بہت کچھ مناقب اہلبیت اور مشالب ان کے اعدا کے لکھے ہوئے
تھے جسکا نشان اخبار و احادیث مذہب شیعہ میں بھی ہے اسی کو
زید بن ثابت نے نکال ڈالا اور اسی تفسیر پیغمبر کے نکل جانیکا
الزام بنزله تحریف لفظی قرآن کے ہے کہ جن لفظوں تفسیری پیغمبر کے

ترک اور شامل نہ کرنے سے تحریف معنوی قرآن کی لازم آئی ۔
 شیعہ ہمیشہ سے اسی امر کے قائل چلے آتے ہیں کہ قرآن موجو
 میں تحریف لفظی نہیں ہوئی البتہ از روے الفاظ تفسیری پیغمبر کے
 اور ان کے نہ شامل رہنے اور ترک کی وجہ سے تحریف معنوی کے قائل
 ہیں ۔ اور جسکا ہر ایک مسلمان کو قائل ہونا چاہیے جس جس آیت کی
 جو تفسیر پیغمبر ثابت ہو ۔

شیعوں نے جب تحریف لفظی قرآن کی تمست کی گئی خواہ غلط فہمی
 سے خواہ عمدتاً تبلیغی طرف سے کہا گیا کہ قرآن میں لفظی تحریف نہیں
 ہوئی ہے ۔ یہ امر نہیں ہی جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ ”
 جب تحریف قرآن کے قول پر بے اعتباری قرآن کا اعتراض پیش
 ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہرگز تحریف نہیں ہوئی“

انکا برابر یہ اعتقاد رہا ہے کہ قرآن میں تحریف لفظی نہیں ہوئی
 اور انہوں نے اُسی وقت یہی جواب دیا ہے جب ان پر تمست تحریف
 قرآن کی کی گئی ہے ۔ سید شریف مرتضیٰ سے پہلے کہ وہ بھی متقین
 علمائے شیعہ اور قریب نسل امام موسیٰ کاظم علیہ السلام میں سے تھے
 کبھی کسی نے شیعوں پر ایسی تمست نہیں کی تھی اسلیے وہ اول جواب
 دینے والے اُس اتہام کے ہیں ۔

اور اسی وجہ سے شیعہ اُنکے جواب کو اور اُنکے ماقبل اور مابعد کے علما کے عقائد اور اجتہادات تحریری کو اس وقت تک برابر دیکھتے چلے آتے ہیں کہ تحریف لفظی قرآن کا کوئی قائل نہیں ہے۔ سید شریف مرتضیٰ سے قبل یا بعد اگر کوئی عالم شیعہ تحریف لفظی قرآن کا قائل ہوا ہوتا تو ممکن نہیں تھا کہ مصنف مخاطب اُسکے نام کے ظاہر کرنے سے دریغ کرتے تعجب ہی کہ مصنف نے کسی موقع پر یہ نہیں دکھایا کہ کون شیعہ عالم قائل لفظی تحریف قرآن کا تھا اُنکو اس امر سے شرم کرنا چاہیے تھا کہ جو غلط سمت تحریف قرآن کی خود اہل خلافت نے شیعوں کی نسبت کی ہے اُسکو یہ کہا جائے کہ شیعہ اُسکے قائل ہوئے ہیں۔ شیعوں سے اس بات کے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ۱۔ ابن بابویہ وغیرہ کو ائمہ کے قول کے رد کر نیا کیا اختیار تھا؟ اس لیے کہ کسی عالم شیعہ نے ائمہ کے قول کو اس حیثیت سے کبھی رد نہیں کیا ہے جس حیثیت سے کہ مصنف مخاطب بیان کرتے ہیں بلکہ علماء شیعہ نے قول ائمہ کو تفسیر قرار دیا ہے۔

اور اگر کسی زمانہ کا کوئی عالم کسی روایت قول کسی امام علیہ السلام کو اپنے اجتہاد میں ضعیف یا غیر صحیح قرار دیکر منظور نہ کرے تو کیا یہ اس سے زیادہ عجیب تر ہو گا کہ علماء اہلسنت نے اپنے یہاں

کتاب کی لاکھون احادیث کو وضعی قرار دیا اور سیکڑوں احادیث
 پیغمبر کو ابتدائے خلافت میں جلادیا۔ اور جن احادیث تفسیری پیغمبر
 کی صحت کو قبول کرتے ہیں ان پر نہ عمل کرتے ہیں نہ ان کے بوجہ اعتقاد
 قائم کرتے ہیں۔

اگر کوئی شیعہ عالم کسی زمانہ میں کسی مصلحت اور کسی وجہ سے نظر
 تنقید صحت روایات کے کسی روایت کو قطعی الصدور نہ قرار دے
 تو وہ فرقہ شیعہ سے خارج نہیں ہو سکتا اور نہ شیعوں کا یہ دعوے
 ٹوٹ سکتا ہے کہ ان کا تمام مذہب اللہ سے ماخوذ ہے۔

ہم اقوال ائمہ سے ابی ثابت کرتے ہیں کہ قرآن موجود ہیں
 کوئی کمی نہیں ہوئی وہ سب اسی قدر ہی جو مسلمانوں کے پاس ہے
 اور ائمہ کی کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ تحریف لفظی موجود
 قرآن میں ہے اور نہ اہلسنت ایسا ثابت کر سکتے ہیں۔ ہاں اقوال
 ائمہ ایسے بیشک موجود ہیں۔ اور جنکی تصدیق خود کتب اہلسنت
 سے ہوتی ہے کہ تحریف بالعرفی قرآن کی غیر شیعہ کرتے ہیں۔

و حقیقت حضرات اہلسنت سے یہ بات قابل استفسار کے
 ہے کہ جن الفاظ تفسیری پیغمبر کی صحت کے تم قائل ہو اسکے بوجہ عمل
 کیوں نہیں کرتے اور اسکے بوجہ اپنا اعتقاد کیوں نہیں قرار دیتے؟

تاکہ جو اختلاف اعتقادی مسئلہ امامت اور خلافت میں درمیان شیعوہ
اور سنی کے ہر مع دیگر مسائل کے وہ رفع ہو جائے۔ اور جو عقائد
کہ شیعوں کا ہی وہی اعتقاد اہلسنت کو قبول کرنا لازم آئے اگر انہیں
اتفاقیہ روایات کے بموجب جو تھوڑی سی ہم سے شروع بحث میں
دکھائی ہیں اور جو پیغمبر سے کتب اہلسنت میں منقول ہیں اور
وہ تفاسیر قرآن میں لکھی ہوئی نہیں۔ اہلسنت اعتقاد اپنا قائم
کریں۔

مصنف مخاطب اب بیان سے یہ بھی ارادہ کرتے ہیں کہ شیعوں
کے بیان کی روایات سے یہ ثابت کریں کہ قرآن موجودہ میں کمی ہوئی
ہو لیکن جن روایات کو مصنف مخاطب نے منتخب کیا ہے ان روایات
کو ہم ہی بشمول ان روایات کے دکھا آئے ہیں کہ جو تعلق قرآن
کے ہم سے اور نقل کی ہیں اور جن سے یہ بتا دیا ہے کہ ائمہ علیہم
السلام کے پاس ایک قرآن ہی موجودہ قرآن تھا کہ جو اب تک
لوگوں کے پاس ہے اور دوسرا وہ قرآن تفسیری تھا جس میں پیغمبر
کی بتائی ہوئی تفسیر علی مرتضیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھ لی تھی۔
مصنف اول اصول کافی سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں کہ جو جبرئیل نے جو قرآن نازل کیا تھا وہ میں

سترہ ہزار آیتیں تھیں اور اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بہت سی
قرآن ساقط ہو گیا کہ قرآن موجودہ میں پوری سات ہزار آیتیں ہی
نہیں۔

مصنف نے ترجمہ ارشاد امام علیہ السلام کا غلط کیا ہے اصل
ارشاد امام علیہ السلام کا یہ ہے۔

مد قال ان القرآن الذی جاء
بجبرئیل علیہ السلام الی محمد
صلی اللہ علیہ والہ وسلم سبعۃ عشر
الف آیتہ

ترجمہ صحیح و تحقیق کہ قرآن ایسا کہ
لائے اسکو جبرئیل طرف محمد صلعم کے
سترہ ہزار آیت ہے۔

اس ارشاد امام علیہ السلام سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ قرآن
موجودہ متداول بین الناس میں کچھ کمی ہے البتہ اس ارشاد امام سے
قرآن موجودہ کی نسبت شمار آیات میں اختلاف پیدا ہوگا اس تعداد
سے جو کوئی کہ تعداد آیات کا شمار خلافت اُسکے بیان کر گیا۔ اگر امام
علیہ السلام یہ فرماتے کہ جبرئیل نے جو قرآن نازل کیا تھا اُس میں
سترہ ہزار آیتیں تھیں اور قرآن موجودہ میں الناس میں منجملہ ان کے
اس تعداد سے کم ہیں تو البتہ یہ مانا جاسکتا تھا کہ قرآن موجودہ کم
ہو قرآن منزہ سے۔ لیکن امام علیہ السلام نے جو شمار عدد آیات

قرآن کا فرمایا ہے اُسکے مقابل میں مصنف جو یہ کہتے ہیں کہ دو قرآن موجود ہیں پوری سات ہزار ہی آیتیں نہیں ۱۱۱ اُنکو بیان کرنا چاہیے
 تھا کہ یہ تعداد شمار آیات کی کس کی مقرر کی ہوئی ہے؟ اگر یہ تعداد
 آیات کسی امام اہلبیت کے قول میں ہوئی یا کسی عالم شیعہ کی اس حدیث
 پر ایسی تحقیق ہوئی تو یہی کچھ مضائقہ نہ تھا کہ ایسا اعتراض کیا جاتا۔
 مصنف مخاطب نے قرآن موجودہ میں تعداد آیتوں کی یوں ظاہر
 کی ہے کہ دو پوری سات ہزار ہی آیتیں ہیں ۱۱۱ جس سے ایک ٹھیک تعداد
 معلوم نہیں ہو سکتی اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سات ہزار میں کس قدر کم ہیں
 اور وجہ اُسکی یہ ہے کہ تعداد آیتوں میں خود علماء اہلسنت کے
 باہم اختلاف ہے کوئی کسی قدر قبول کرتا ہے کوئی کسی قدر اور صرف تعداد
 آیات ہی میں اختلاف نہیں ہے بلکہ مجروح تعداد آیات کے علم اور غیر
 علم میں بھی اختلاف ہے۔ ہڈی نے اپنی کتاب کامل میں کہا ہے ۱۱۱
 تحقیق کہ قوم جاہل رہی عدد سے اور اُس میں کچھ فائدہ نہ تھا۔ یہاں
 تک کہ زعفرانی نے کہا کہ عدد معلوم نہیں ہے ۱۱۱

اور وجہ اختلاف تعداد آیات کی یہ ہے کہ تعداد آیات معین نہیں
 ہو سکتی ہے جب تک کہ حدیث کی معلوم نہ ہو اور حدیث کی مقرر

کرتے میں اختلاف واقع ہوا ہے کسی نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید میں سے
مکسب ہے اور جملہ آیت ہے۔ جملوں میں ابتدا مقدر ہو سکتا ہے اور کوئی اس
موقع پر ابتدا مقدر مانے اور کوئی نہ مانے (اور جملہ کے اندر جملہ ہوتا ہے
آیا جملہ مع اپنے جملوں اندرونی کے ایک جملہ سمجھا جائیگا یا جملہ اندر
علیحدہ)

کسی نے یہ کہا ہے کہ آیت اندک اندک ہے قرآن سے جدا کی
گئی ہے اپنے ماقبل اور مابعد سے (اس میں بھی اختلاف ہو سکتا
ہے کہ ایک عبارت سے اسکے ماقبل کو کوئی جدا مانے اور کوئی جدا نہ
مانے)

بعض نے کہا ہے کہ وہ ایک ہی ہے معدودات سے سورتوں
میں نام رکھا گیا ساتھ اسکے اس واسطے کہ علامت ہے اور صدق لگانے
والے کے اور اور پر عجز اسکے کہ جس سے تحدی کی جائے (اس تعریف
سے انسان کا کام نہیں ہے کہ ابتدا اور انتہا کسی آیت کی مقرر کر سکے)
کسی نے یہ کہا ہے کہ میں سوا مذمتان کے اور کسی کلمہ واحد کو
آیت نہیں جانتا۔ کسی نے غیر اسکے کہا ہے کہ مثل والنجم واضمحی ہجر کے
شمار آیت میں ہیں۔ بعض نے کہا یہاں شارع نے ٹھٹھا کیا ہو
۱۰ آیت ہے! (لیکن ثبوت توقف شارع کا کہ کمان کمان شارع

نے توقف کیا تھا مکان سے باہر ہی۔

بعضوں نے فقط یلیس اور حروف مقطعات کو آیت بتانا ہی اور بعض نے کسی کسی کو نہیں مانا۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ تمام آیتیں قرآن کی چہ ہزار چہ سولہ ہیں۔

دانی نے کہا ہے کہ اجماع کیا گیا اور اس کے کہ عدد آیات قرآن کا چہ ہزار آیت ہی بہر اختلاف کیا گیا۔ بعضوں نے اُس پر کچھ زیادہ نہ کیا۔ بعض نے کہا کہ دو سو اور چار آیت زیادہ ہے۔ بعض نے کہا کہ چودہ۔ کسی نے کہا اونیں کسی نے کہا پچیس۔ کسی نے کہا چتیس۔ ابن عباس سے دوسری روایت ہے کہ درجہ جنت کے بعد آیات قرآن کے ہیں پس وہ چہ ہزار دو سو سولہ آیت ہیں اور بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ شمار درجات جنت شمار آیات قرآن کا ہے جو کوئی داخل ہوا جنت میں اہل قرآن سے پس نہیں ہے اور پھر اس کے درجہ اگر ہر مسلمان جو اہل قرآن سے ہے داخل جنت ہوگا تو آیات قرآن لا تعداد ہوں گی اور صنفہ محاطہ ام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد سے جو نتیجہ کی قرآن کا نکالتے ہیں ان کو ارشاد حضرت عائشہ کے بموجب یہ نتیجہ نکالنا پڑے گا کہ قرآن ہنتر لہ قطرہ کے ہے

اور کی بنزلہ دریائے

شمار آیات میں اختلاف ایک ایسا بہاری اختلاف ہے کہ

اہل مدینہ اور مکہ اور شام اور بصرہ اور کوفہ ایک دوسرے سے مختلف

ہیں۔ اور اہل مدینہ میں ہی دو گنتیاں ہیں۔ ایک ابو جعفر ثمالی

بن قیس کی اور دوسری اسمعیل انصاری کی۔ پھر ہر سورۃ میں کتنی

کتنی آیتیں ہیں اور اس کی کم و بیشی کا ہی بیان ہوا ہے (دیکھو اتقان)

مخشری نے تفصیل آیات قرآنی کی لکھی ہے کہ کس کس قدر آیا

کس کس بارہ میں اور کس کس قسم کی ہیں جس کی میزان چہ ہزار چہ

چہ سٹھ ہوتی ہے؟

بنظران اختلافات کے کیا مصنف مخاطب یہ قبول کر سکتے ہیں

کہ بمقابلہ تعداد کی اور بیشی آیات مقبولہ ایک دوسرے کے قرآن

موجودہ کم ہے۔

اصل امر یہ ہے کہ مصنف مخاطب نے جو تعداد آیات قرآنی کی

کم سات ہزار سے بیان کی ہے یا جو مختلف تعداد میں علمائے اہلسنت

نے ظاہر کی ہیں ان میں سے کوئی تعداد نفی نہیں ہے قرآن جب

نازل ہوا تو عرب اس کو اپنے لہجہ میں پڑھتے تھے کسی لفظ پر

دیتے تھے اور کسی لفظ پر وقفہ کرتے تھے قرآن جب لکھا گیا تو اُس میں

کوئی علامت آیت کی تھی نہ وقفہ کی۔ حضرت عثمانؓ کے بہت زمانہ کے بعد مسلمان عالموں نے پہلے پانچ نشانیاں وقفہ کی جہاں نہ مقصود قرار دیں جنہیں ایک نشان آیت کا ہر اور ویسے ہی نشان پر حرف لاءؑ بھی لکھا ہر جسکو یہ سمجھا ہر کہ بیان صورت توقف کی بہتر آیت کے ہر لیکن آیت ختم نہیں ہر جسکو آیت لاءؑ کہتے ہیں۔

پہر ان کے بعد دوسرے متاخرین علمائے سات نشانیاں وقفہ کی اور اختلاف وقفہ کی اور قرار دیں۔ نسخہ جات قرآن جو اب لوگوں کے ہاتھ میں ہیں ان میں یہ تمام نشانیاں موجود ہیں۔ نشان آیت کے سوا آیت لاءؑ اور دیگر نشانات وقفہ کے اعتبار سے اگر آیات قرآنی کی تعداد شمار کی جائے تو اسپر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکے گا۔ اسلیے بعض علمائے اہلسنت نے ہر محل توقیفی کو حد آیت سمجھا ہر۔

کسی معترض کو جو ارشاد امام جعفر صادق علیہ السلام سے نتیجہ کمی قرآن کا ٹھکانے والا ہو پہلے وہ ہر مقام توقیفی کو آیت سمجھ کر شمار آیات کا کرے اور دیکھے کہ تعداد آیات کس قدر ہوتی ہر اور تعداد آیات جو امام علیہ السلام نے فرمائی ہر اس سے مقابلہ کرے اور ہر سوچے کہ کمی قرآن کا کچھ استدلال ہو سکتا ہر یا نہیں لیکن شیعہ ہر آیت

کئی ابتدا اور انتہا اس قرآن موجودہ میں قرار نہیں دے سکتے اس لیے کہ ارشاد امام علیہ السلام میں کوئی ایسی تفصیل نہیں ہے لیکن اعتقاد محکم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن موجودہ میں سترہ ہزار آیتیں ہیں۔

مگر شیعہ ایک اور ترکیب سے مصنف مخاطب کا اطمینان کر سکتے ہیں کہ جس سے سترہ ہزار آیات قرآن موجودہ کی قرار پاسکے۔

اتقان میں کلمات قرآن کی تعداد مختلف بیان ہوئی ہے مگر جو اول تعداد بیان کی گئی ہے وہ سترہ ہزار نو سو چونتیس کلمے میں بنجملہ ان کلموں کے چار چار کلموں اور کسی جگہ پانچ کلموں سے ایسا کلام بن سکتا ہے کہ جس کا مفہوم تمام ہو سکے اور اس حالت میں اس عبارت نامہ کو ایک آیت سمجھا جاسیے کہ جس سے اسی قرآن موجودہ میں سترہ ہزار آیتیں پوری ہو جائیں گی۔

بسیب اختلاف مفہوم کے تعداد آیات میں اختلاف چند قابل تعجب کے نہیں تھا مگر تعداد کلمات میں اختلاف کا ہونا قابل سخت تعجب کے ہے اگرچہ حد کلمہ کے مفہوم سے تعداد کلمہ میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے مگر قرآن کے متعلق اس کا رفع کرنا دشوار تھا جب تعداد کلمات کا اختلاف قرآن کے متعلق ایک فرقہ مذہب اسلام میں ہو چکا ہے تو یہ مذہب اسلام میں مختلف فرقوں کا ہو جانا ایک ہی قرآن کی نسبت

کچھ جاسے تعجب نہیں ہر اور یہ امر اس قول اور اعتقاد کی خرابی کو ظاہر کرتا ہے جس کی رو سے کہا گیا اور مانا جاتا ہے کہ "حسنینا کتاب اللہ" اگر بعد پیغمبر کے علی مرتضیٰ اعلم قرآن اور سنت رسول کو اور اس اہلبیت کو جسکو قرآن کے ساتھ پیغمبر چھوڑ گئے تھے امام اور خلیفہ قبول کیا جاتا تو وہ خرابی جو اختلاف سے پیدا ہوئی ہرگز پیدا نہ ہوتی کیونکہ پیغمبر کے متروکہ روحانی اور جسمانی میں باہم اختلاف نہیں ہو سکتا تھا متروکہ روحانی کیا ہے قرآن۔ اور متروکہ جسمانی کیا ہے ان کے اہلبیت۔

لیکن ایک کے لینے اور ایک کے چھوڑنے سے قرآن کی جیسا کہ آیات اور کلمات کی تعداد میں الہ سنت کے بیان اختلاف ہوا ہے ویسے ہی تعداد سورتوں میں بھی اختلاف کیا گیا ہے جو سب سے زیادہ قابل تعجب کے ہے۔ اجماع معتد بہ سے یہ مانا گیا ہے کہ قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ لیکن بعض ایک سو تیرہ کے قائل ہوئے ہیں جنہوں نے سورہ انفال اور سورہ براءہ کو ایک مانا ہے۔ مگر مصحف ابن مسعود میں سورہ براءہ کے لیے "بسم اللہ" تھی الا ان کے مصحف میں ایک سو بارہ سورتیں تھیں انہوں نے معوذتین کو قرآن میں نہیں لکھا تھا۔ اور مصحف

ابی مین ایک شوسولہ سورتیں تین انون نے اپنے قرآن کے
آخر میں الحمد اور الخلع دو سورتیں اور لکھی تھیں۔

اور ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں فاتحہ الكتاب اور
معوذتین اور اللهم انا نستعینک واللهم یا ایہ نعیدہ لکما تھا اور
ابن مسعود نے اسکو چھوڑ دیا تھا۔ اور قتادہ نے ان میں سے
فاتحہ الكتاب اور معوذتین کو لکھ لیا۔

عبد اسد بن زریر فافعی کتاہی کہ یہ کہا مجھے عبدالملک بن مروان
نے ہر آئینہ جانا تو نے کس چیز نے اڑھایا تھمکوا اور محبت ابو تراب
کے گریہ کیہ تحقیق تو گنوار ہو گا ہر کما میں نے قسم خدا کی ہر آئینہ جمع کیا
میں نے قرآن کو قبل اسکے کہ جمع کریں مان باپ تیرے اور بیشک
سکھایا تمکو اس سے علی بن ابیطالب نے دو سورتیں کہ سکھائی تھیں
وہ دونوں سورتیں رسول صلعم نے نہیں جانا ان دونوں کو تو نے
تیرے باپ نے۔“

اللهم انا نستعینک ونستغفرک ونلثی علیک ونخلع ونلثی
من یفجرک۔ اللهم یا ک نعبد ویاک نصلی ونسجد والیک
نسعی ونخفل نرجو رحمتک ونخشى عذابک ان عذابک
بالکفار ملحق۔“

ترجمہ ۲۰: اے دنیا، تیرے ہم مدد مانگتے ہیں تجسے اور ماہر زلف مانگتے ہیں تجسے اور دنیا کہہ دے کہ میں ہم تیری اور جدا ہوتے ہیں ہم اور چوڑے ہیں ہم جو کوئی نافرمانی کیے تیری۔ اے خدا تجھی کو پوجتے ہیں ہم لو۔ تیرے لیے نہ بڑھتی ہے ہم اور سجدہ کرتے ہیں ہم اور تیری طرف دوڑتے ہیں ہم اور کتاب پلٹتے ہیں ہم امید رکھتے ہیں ہم تیری رحمت کی اور ڈرتے ہیں ہم عذاب تیرے سے تحقیق کہ عذاب تیرا کافروں کے ساتھ ملحق ہونیوالا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ تحقیق عمر بن خطاب قنوت کرتے تھے بعد رکوع کے اور کہتے تھے بسم اللہ کے ساتھ (یہی) ابن جریج نے کہا ہے تحقیق کہ وہ دو سورتیں ہیں پچھلے بعض صحابہ کے۔ اور محمد بن نصر نے کتاب الصلوٰۃ میں کہا ہے ابی بن کعبؓ کہ وہ قنوت کرتے تھے ساتھ ان دونوں سورتوں کے اور کہتے تھے وہ ان دونوں کو اپنے مصحف میں۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ مصحف ابن عباس میں پڑھتا

مع بسم اللہ کے (یہی)

ایک اور روایت میں یہ ہے کہ خراسان میں پڑھتے یہ دونوں

سورتیں۔

اور خالد بن ابوعمران سے ہر کہ ”تحقیق نازل ہوے جبریلؑ
ساتھ اُسکے اور پرنبی صلعم کے درمیانکہ وہ نماز میں تھے مع اس
آیت کے ”لَیْسَ لَکَ مِنْ اَمرِ شَیْءٍ“ (اتقان)

پر صاحب اتقان لکھتے ہیں کہ ”اسی طرح نقل کیا گروہ نے
مصحف ابی سے تحقیق کہ ایک سو سولہ سورتیں ہیں اور صواب
یہ ہے تحقیق کہ ایک سو پندرہ سورتیں ہیں اس واسطے کہ سورۃ الفیل
اور سورۃ لایلاف قریش ایک سورہ ہے“

اور کامل ہذلی میں یہ روایت ہے کہ ”الضحیٰ اور الم نشرح ایک
سورہ ہے نقل کیا اُسکو امام رازی نے اپنی تفسیر میں“
(واضح ہو کہ بوجیب احادیث ائمہ علیہم السلام کے مذہب شیعہ
میں یہ مانا گیا ہے کہ سورۃ الفیل اور لایلاف قریش ایک سورہ
ہے اور سورۃ الضحیٰ اور الم نشرح ایک سورہ ہے۔)

کیا یہ روایات کم و بیشی سورتوں قرآن کے متعلق ظاہر نہیں
کر سکتیں کہ قرآن موجودہ میں کمی سورتوں کی ہے۔ ہاں ہاں۔ یہ
روایات ثابت کرتی ہیں کہ بعض سورتیں ایسی کہ جو مصحف بعض صحابہ
میں تھیں قرآن موجودہ میں شامل نہیں ہیں اور بعض سورتیں جو
قرآن موجودہ میں شامل ہیں وہ قرآن بعض صحابہ میں موجود نہیں تھیں

جس سے ازدیاد اور نقصان قرآن موجودہ میں اچھی طرح سے قبول کیا جاسکتا ہے اور ان روایات کتب اہلسنت سے تحریف قرآن موجودہ میں لازم آتی ہے مگر افسوس ہے کہ مصنف مخاطب اس علانیہ تحریف کے رفع کرنے کے لیے وہ پہلو تفسیر کا اختیار کر رہا ہے جو روایات کتب مذہب شیعہ میں علانیہ تفسیر آیات کا موجود ہے اور جو نسبت روایات کتب اہلسنت کے صادق نہیں آسکتا ہے اور احادیث ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے کہ جو علانیہ بیان مقصود آیات کی وجہ سے مصداق تفسیر کی ہیں ان سے مصنف مخاطب پہلو تحریف کا نکالیں۔

پھر مصنف مخاطب ذکر اُس روایت کا لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک صحیفہ محمد بن ابی نصر کو دیا تھا اور اُس نے اُس میں سورہ "لم یکن الذین کفروا" جو پڑھا تو اُس میں قریش کے شر آدمیوں کے نام مع ولدیت کے موجود تھے اور مجھے کیا تھا کہ اُس کو دیکھتا ہوں پھر وہ قرآن منگا لیا۔

اُس پر مصنف مخاطب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "یہ شخص کیسا نافرمان تھا کہ امام علیہ السلام نے اُس قرآن کے دیکھنے سے منع کیا تھا پس میں ایک سورہ پڑھ لی۔"

یہ روایت ہم اوپر ایک موقع پر لکھ آئے ہیں اور خود اُس وقت سے ظاہر ہے کہ وہ مصحف تفسیری تھا جس میں تحت اُس سورہ کے جسکا ذکر روایت میں ہے ستر مرد قریش کا نام لکھا ہوا تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ تفصیل نام قریش کی از روئے تفسیر کے تھی اور ایسی دو کتابوں کا رب العالمین کی طرف سے کہ جن میں نام اہل جنت اور دوزخ کے مع اسماء آباء ان کے کے تھے پاس پیغمبر کے موجود ہونا روایت ترمذی سے بمطابقت اس روایت مذہب شیعہ کے ہم دیکھا آئے ہیں اور وہ روایت ترمذی مصنف مخاطب نے اپنی تفسیر کسیر اعظم میں بھی لی ہے۔

اُسی موقع سے یہ بھی ظاہر ہو گا کہ مصنف نے جو یہ مطلب اشارہ امام کا لکھا ہے کہ ”اُس قرآن کو دیکھنا مست“ غلط ہے۔ اُس روایت میں لفظ ”لا تنظر“ ہی جسکے معنی نہ دیکھنے کے مصنف نے غلط لیے ہیں بلکہ اُسکے معنی از روئے لغت کے یہ ہیں کہ ”تاخیر کرنا“ یا ”نظر اُسکے اسی مثل اُسکے نہ کر لینا۔ اور عبارت آئندہ روایت کی کہ امام علیہ السلام نے اُس مصحف کو منگوا بھیجا اُسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اور مصنف کو اس امر صیح پر خیال کرنا لازم تھا کہ جب تک مصحف امام نے ایک شخص کو دیدیا تو عقل یہی چاہتی ہے کہ وہ اُس کو

دیکھنے کے لیے دیا گیا ہے یہ بات کیونکر سمجھ میں آسکتی ہے کہ اُس سے کہا گیا کہ اسکو دیکھنا مست -

ان حقیقی امور سے نافرمانی کا اعراض مصنف مخاطب کا غلط ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف مخاطب نے غلط اعتراض قائم کرنے کے لیے غلط معنی لیے ہیں -

پھر مصنف وہ روایت نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے الفاظ قرآن کے پڑھے وہ اُس قرآن کے مطابق نہ تھے جسکو لوگ پڑھتے ہیں تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس قراءت سے باز رہ اُسی طرح پڑھ جیسے کہ اور لوگ پڑھتے ہیں اُس وقت تک کہ قائم ظاہر ہو تو جب قائم ظاہر ہوگا تو اسد غر و جل کی کتاب کو اُسکی حد کے مطابق پڑھے گا اور اُس قرآن کو نکالے گا جسکو علیؑ نے نکالا تھا اور فرمایا امام علیہ السلام نے کہ نکالا تھا اُس قرآن کو علیؑ علیہ السلام نے آدمیوں کی طرف جبکہ اُس سے فارغ ہوئے تھے اور لکھ چکے تھے پھر علیؑ نے اُسے کہا کہ یہ اللہ عز و جل کی کتاب ہے جس طرح اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل کی تھی میں نے اُسکو دو لوحوں سے جمع کیا ہے (یعنی لوح مکتوب سے اور لوح دل سے)

تو انہوں نے کہا کہ وہ چارے پاس مصحف ہی جمع ہر اسمین قرآن ہم
کو اسکی حاجت نہیں تو علی نے فرمایا کہ والدہ اسدن کے بعد تم اسکو
کبھی نہ دیکھو گے بیشک مجھ پر واجب تھا کہ میں تمکو آگاہ کر دوں جبکہ
میں نے اسکو جمع کر لیا تھا تاکہ تم اسکو پڑھو۔

اس روایت کو ہم اول ہی دیکھا آئے ہیں اور اسی موقع پر بتایا
ہی کہ یہ مصحف وہی مصحف تھا جسکو علی مرتضیٰ نے بتدریب زو
مع تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کے لکھا تھا اور جسکا وجود روایات کتب
المسنّت میں بھی موجود ہے مگر مصنف نے اس روایت میں
ترجمہ صحیح نہیں کیا کہ جو سوقت قائم ظاہر ہوئے بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ
جسوقت قائم ہو قائم ہو نیوالا یعنی جسوقت کہ خلافت فی الارض
کسی امام کے حق میں قائم ہوتا کہ بذریعہ سیاست مدن کے وہ
قانون شریعت کو اور قرآن کو اس کے اصلی معنی میں جو پیغمبر نے
بموجب وحی کے تفسیر فرمائی تھی جاری کر سکے۔

مصنف مخاطب جو امور کہ اس روایت سے پیدا کرتے ہیں
وہ بالکل بے اصل ہیں اس روایت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ
حضرت علیؑ کو اپنے حفظ پر اعتماد تھا اور اس لیے مکتوب سے اسکی
مطابقت کرتے تھے۔

اس روایت میں علی مرتضیٰؑ کے ارشاد میں صرف یہ لفظ ہیں کہ میں نے اُسکو دو لوحوں سے جمع کیا ہے، جس کے صریح معنی یہ ہیں کہ لوح دل پیغمبرؐ سے اور لوح دل اپنے سے۔ اور بیشک یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”لوح مکتوب سے“ یعنی جو کچھ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا اور اسوقت علی مرتضیٰؑ نے اُسکو لکھ لیا تھا اُس سے اور اپنی لوح دل سے۔ علی مرتضیٰؑ نے یہ کلمہ صرف اس توثیق کے لیے فرمایا تھا کہ لوگو کو اُسکی صحت پر شبہ نہ ہو اور اس میں اشارہ تھا اُس ارشاد اور دعا کے پیغمبرؐ کا کہ علیؑ کسی چیز کو بولیکا نہیں جیسا کہ ہم خود روایت کتب اہلسنت سے پہلے ایک موقع پر لکھ آئے ہیں۔

حضرت علیؑ پر بیشک واجب تھا کہ اپنا جمع کیا ہوا قرآن لوگوں کو دین اس لیے نہیں کہ لوگ زبان سے اُسکو پڑھا کرین بلکہ اس لیے کہ لوگ اُسپر عمل کرین اور جو کچھ اُس میں تفسیر پیغمبرؐی از روئے وحی کے تھی اُسکو لوگ قبول کرین اور آیات قرآنی کو اُسی معنی میں مانیں عمل اور صحیح عمل کی ہدایت کا راہ نام ہے اور اگر سیاست مدن اُسکے ہاتھ میں ہو تو بالجبر لوگوں سے اُسکی تعمیل کرا سکتا ہے۔

قرأت کا لفظ جو اس روایت میں آیا ہے اُسکے یہی معنی ہیں کہ آل محمدؑ سے قائم ہونیوالا خلافت فی الارض پر قرآن کو لوگوں پر مبنی

معنی میں پڑھ گیا جو اس میں لکھے ہوئے ہیں اور اُس کے بموجب وعظ اور تہجد کرتا اور عمل کر لیا لیکن اُس صحیف تفسیری کو باوصف اسکے کہ علی رضی نے عند خلافت اول میں پیش کیا اور افسوس ہے کہ نہ لیا گیا جس کی نسبت افسوس سے علماء اہلسنت نے رے دی ہے کہ ”اگر وہ قرآن لیا جاتا تو اُس سے نفع کثیر حاصل ہوتا“

اور جیسے اُس کے نہ لیے جائیگا افسوس ہی ویسے ہی یہ افسوس ہے کہ آل محمدؐ سے باوصف گذر جانے بارہ اماموں کے کسی کے ہاتھ میں خلافت فی الارض نہ آئی اگر زمانہ گذشتہ میں کسی امام اہلبیت کے ہاتھ میں خلافت فی الارض آ جاتی تو معلوم ہو جاتا کہ وہ اُس صحیف تفسیری کو لوگوں کے وعظ اور ہدایت کے لیے کیونکر پڑھتا ہی اور کیونکر عمل کرتا ہی۔

یہ قرآن تفسیری اُسی قسم کا تھا مگر کامل جیسے کہ ابن مسعود اور ابی بن کعب کے قرآنوں میں کم کم تفسیریں تھیں جن کے وجود کو تمام علماء اہلسنت نے قبول کیا ہے اور مصنف مخاطب نے ہی اپنی تفسیر میں الفاظ نائد کو تفسیر قرار دیا ہے جس کو تفصیل سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

مگر افسوس ہے کہ خلافتوں مخالف آل محمدؐ نے اُن صحابہ کے قرآنوں تفسیری کو بھی نابود کر دیا اور اُس صحیف تفسیری علی مرتضیٰ کی بھی ایسی حالت کر دی کہ جس کا درجہ نابود ہونے سے کم نہیں رہا۔ اگر صحیف

ابن مسعود اور ابی بن کعب کی وجہ سے قرآن موجودہ محرف سمجھا جاسکتا
ہی تو مصحف علی سے ہی۔ اور جب یہ قبول کیا گیا ہی کہ ان صحابہ کے
مصحف قرآن تھے تو ضرور ہی کہ پڑھنا اُنکا ہی واجب تھا اور اس اعتبار
سے یہ لازم آئیگا کہ اہلسنت کے نزدیک قرآن موجودہ محرف ہی اور
اُسکا پڑھنا ہی واجب نہیں ہی۔

ہم پہلے چند مرتبہ کہ آئے ہیں کہ تمام ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے
وہ قرآن تفسیری شیعوں کو دیا اس اعتبار سے کہ اُسی قرآن تفسیری کے
بموجب ائمہ نے معنی اور مقاصد آیات قرآنی کے بیان کیے اور شیعوں
نے اُسکو لیکر اپنی کتابوں میں لکھ لیا۔ لیکن عام طور پر اُسکے پڑھنے کو جو منع
فرماتے تھے اُسکی وجہ یہ تھی کہ خلافت فی الارض مخالف اُسکے مقاصد
اور مراد کے قائم ہو گئی تھی اگر اُسی معنی میں وہ قرآن عام طور پر پڑھا جاتا
تو پڑھنے والا دشمن خلافت قرار پا کر قتل ہو جاتا۔ اور ائمہ کو اپنے
دوستوں اور سچے دین اسلام کے معتقدوں کی حفاظت ضروری تھی
یہ ایک اصولی مسئلہ ہی کہ غلبہ مخالف کے وقت اُسکے مقابل کو
لازم ہی کہ اپنے ہمراہیوں کو محفوظ رکھے۔

ائمہ اہلبیت تارک واجب نہیں ہوئے جیسا کہ مصنف مخاطب
کتے ہیں بلکہ اُس قرآن کے نہ لینے والوں نے کہ جو مخالف اُسکے تھے

ترک وجوب اور ارشاد رسول ﷺ انی تا ساک فیکم الثقلین سے عدو
کیا جائے اہلبیت نے وہ راہ مستقیم اختیار کی کہ جن لوگوں نے اُن سے
اصلی معنی میں قرآن لیا اُنکو اُس معنی میں وہ قرآن دیا ہی اور اُن لینے
والو کو اُس قرآن کے نہ لینے والوں مخالفوں سے بچا یا ہی۔

یہ امر ایسا دشوار نہ تھا کہ اہلبیت میں تھا کہ جس سے زیادہ
کوئی انفرسٹل نہیں ہو سکتا اور اُس مر کے تمام ہو جائیگی حیرت یقین
دلانی ہو کہ اُس امر کا اتمام حقیقی معجزہ تھا۔

علی مرتضیٰ کے پاس بیشک پہلے سے موافق ترتیب نزول کے
آیات قرآنی کی یادداشت اور تفسیر تائی ہوئی پیغمبر کی مکتوب دے
القرطاس) اور محفوظ (فے القلب) تھی لیکن اس روایت سے نہیں
ثابت ہوتا ہے کہ وہ مجموعہ بصورت کتاب تھا بلکہ اس روایت میں جو
ذکر ہے کہ جب وہ اُسکی کتابت اور جمع سے فارغ ہوئے اور لکھ چکے
تو لوگوں سے کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے جو سطح اسد نے محمد صلعم پر نازل کی
تھی میں نے اُسکو دلو جوں سے جمع کیا ہے اس سے صاف ظاہر
ہے کہ پہلے جو کچھ اُنکے پاس مکتوب و محفوظ تھا وہ بیشکل کتاب جمع تھا لیکن
اُسی مکتوب و محفوظ کو بصورت کتاب لکھا اور جمع کیا۔

ایسی حالت میں نہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر قرآن پہلے سے

مکتوب یا محفوظ تھا تو حضرت علی نے پہلے کیا جمع کیا اور اگر موافق ترتیب نزول کے مکتوب اور محفوظ نہ تھا تو پہلے ترتیب نزول کیونکر معلوم ہوئی جو قرآن کے عدد پیغمبر میں نازل ہونا تھا اسکو صحابہ لکھ لیتے تھے اور حفظ کر لیتے تھے جیسا کہ محقق علماء اہلسنت قائل ہوئے ہیں۔

بس میں پوچھتا ہوں کہ اگر پہلے سے موافق ترتیب نزول کے قرآن مکتوب یا محفوظ تھا تو ضرور ہے کہ وہ پہلے سے مرتب تھا تو پہلے بعد وفات پیغمبر محمد حضرت ابو بکر میں اور بعد خلافت سوم میں کیا جمع کیا گیا اور چند آیات کی نسبت جو یہ بیان ہوا ہے کہ اُسکے بعد وہ آیت نازل ہوئی وقت جمع کرنے کے وہ اسقدر ترتیب نزول کیونکر معلوم ہوئی اور کس طرح یہ معلوم ہوا ہے کہ اکثر قرآن موجودہ خلاف ترتیب نزول کے ہے۔

شیعہ ادرسی میں اس قسم کے مباحثہ جہین بحث تحریف اور ترتیب اور اجتماع قرآن کی ہو محض لغو اور غیر ضروری ہیں البتہ جو کچھ بحث کیجا وہ اس امر پر بحث ہونی چاہیے کہ علی مرتضیٰ کو کامل اور بعض دیگر صحابہ کو کچھ پیغمبر نے تفسیر قرآن بتائی تھی اور وہ انہوں نے اپنے اپنے صحائف میں لکھ لی تھی۔ اور جس جس قدر ثابت ہوا سید کل سلمان کو عمل کرنا چاہیے نہ خلاف اُسکے۔

پرمصنف ایک روایت تفسیر صفائی سے نقل کرتے ہیں جسکا ترجمہ
یہ کیا ہے کہ محمد علی بن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں اپنی اسناد سے امام جعفر
صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے
علی سے کہا تھا اے علی (قرآن میرے بستر کے نیچے ہے)

خط ہالی میں جو ترجمہ ہے وہ ہے ان القرآن خلف فراشی " کا ہے
خلف کے معنی نیچے کے نہیں ہیں بلکہ پیچھے چوڑے نیچے ہیں اور "فراش" کے
کے مراد ہی معنی اگرچہ بستر کے آئے ہیں لیکن اصل معنی نگندہ ہونیکے ہیں
اس لیے صحیح معنی یہ ہوتے ہیں کہ "محقق قرآن بعد میرے پیچھے چوڑا ہوا
اور پڑا ہوا ہے" صحیفوں میں اور کپڑوں اور کاغذوں میں (تم سب اسکو
یجیو اور جمع کجیو اور ضائع مت کیجیو جیسے کہ یہود نے توریت کو ضائع
کر دیا ")

اس خط ہالی میں بھی جب قدر ترجمہ ہے وہ ٹیک نہیں ہے سچا اُسکے
یہ ہونا چاہیے (پس لو تم اُسکو اور جمع کرو تم اُسکو اور نہ ضائع کرو تم اُسکو)
مصنف مخاطب نے یہ ٹکڑا اس روایت کا چوڑا دیا ہے پس
کشادہ روی سے متوجہ ہوئے علی ساتھ جمع کرنے اُسکے کے سچ کپڑے
زرد کے پھر قمی کی ادھر اُسکے اپنے گھر میں در حالیکہ فرمایا نہیں ردا اور ٹنگا
میں بیان تک کہ جمع کروں میں اُسکو فرمایا آتا تھا اگر کوئی شخص پس

سکتے تھے وہ طرف اُسکے بغیر ردا کے یہاں تک کہ جمع کیا اُسکو۔“

مصنف مخاطب یہ حجت کرتے ہیں کہ ہم اس روایت سے ظاہر ہے کہ پیغمبر نے ترتیب نزول نہیں بتائی تھی۔“

بیشک اُسوقت ترتیب نزول کے بتانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ ارشاد رسول علی سے اُسوقت کا ہے کہ جب پیغمبر اپنے مرض موت میں بستر پر پڑے ہوئے تھے اور زمانہ وفات نہایت قریب تھا اور اُسوقت قرآن نوشتون میں اور کپڑوں میں اور کاغذوں میں لکھا ہوا تھا اُسکے جمع کرنے کو پیغمبر نے فرمایا اور ترتیب نزول کی یادداشت اور اُسکے معنی اور مقاصد بتانے کا اور علی مرتضیٰ کے اُسکے لکھنے کا وہ وقت تھا کہ جب آیات قرآنی وقفا فوقتاً نازل ہوتی تھیں یہ وقت ترتیب نزول بتانے کا نہیں تھا کہ ترتیب نزول پہلے معلوم ہو چکی تھی پھر مصنف مخاطب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کا مختلف پرچوں میں ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ متفرق اور غیر مرتب تھا۔“

اس سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ وقت وفات رسول صلعم قرآن متفرق اور غیر مرتب نہیں تھا ایسی حیثیت سے کہ جو بصورت کتاب ہو مگر وہ متفرق غیر صورت کتاب کسی نہ کسی چیز پر لکھا ہوا اور ایک جگہ تھا لیکن بصورت کتاب جمع تھا۔

اس روایت میں کوئی امر ایسا نہیں ہے کہ جو منافی اس حقیقت کا ہو بلکہ اس روایت سے جو حالت قرآن کی تھی اُسکی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

پھر مصنف مخاطب یہ اعراض کرتے ہیں کہ وہ خطاب فقط ایک علیؑ سے تھا بلکہ تمام صحابہ سے تھا اس لیے کہ پیغمبرؐ نے جمع کے صیغہ بولے ہیں اور ضائع نہ کر نیکی تاکید بھی اسیکی دلیل ہے کہ جناب امیرؓ کو متعمد تھے اُن سے تاکید کی ضرورت کیا تھی؟

مصنف مخاطب اس روایت کے یہ معنی بتاتے ہیں کہ وہ علیؑ کو یہ حکم تھا کہ سب صحابہ کے ساتھ ملکر قرآن کو جمع کریں مگر علیؑ نے اس حکم کی پوری تعمیل نہ کی بلکہ مخالفت کی کہ اصل قرآن کے چھ صحابہ کو نہ دیے اور نہ جمع قرآن میں اُنکو شریک کیا بلکہ بطور خود تھا تمام قرآن کو مرتب کر کے اُنکے سامنے پیش کیا پھر پہلا ایک شخص کی را پر صحابہ کیسے اعتماد کرتے؟

جو کوئی فن بلاغت اور علم معنی اور بیان سے آگاہ ہو وہ کہی اس روایت کے وہ معنی نہیں لے سکتا کہ جو مصنف مخاطب نے لیے ہیں وہ الفاظ یہی ہیں کہ پیغمبرؐ خدا صلعم نے فرمایا علیؑ سے اے علیؑ تحقیق کہ قرآن چھپے میرے چوڑا ہوا انگنڈہ ہے نوشتوں اور جاموں میں اور

کاغذ و نین پس لو تم اُسکو اور جمع کرو تم اُسکو اور نہ ضائع کرو تم اُسکو
 جس سے صاف ظاہر ہے کہ خطاب پنجم صلعم اس وصیت میں ابتداء
 حرف علی مرتضیٰ علیہ السلام کی طرف ہے اور بعد کو وصیت کی تعمیل میں
 جو صیغہ جمع کا بولا گیا ہے اُس میں وہی لوگ شامل ہو سکتے ہیں کہ جو اس
 وصیت کے لیے شریک علی مرتضیٰ کے ہو سکتے ہوں اور سوا
 علی مرتضیٰ جو دیگر اہلبیت پنجم تھے وہی شریک علی مرتضیٰ کے (کہ جن
 میں علی مرتضیٰ بعد پنجم سردار اور امام تھے) سمجھے جاسکتے ہیں اور سوا
 اہلبیت کے صحابہ کو اس وصیت سے کچھ تعلق نہیں ہے اور نہ رفا
 میں کچھ ذکر صحابہ کا ہے اور نہ ہو سکتا تھا اس لیے کہ یہ آخری وصیت پنجم
 کی اسوقت کی ہے کہ جب وہ مرض موت میں اپنے گھر میں پڑے ہو
 تھے اور سوا اہلبیت کے کوئی ملازمت حاضری کے وقت نہیں ہو
 سکتا تھا۔

اس بنا پر اس روایت کے یہ معنی ہونگے کہ امی سردار اہلبیت
 تحقیق کہ قرآن میرے بعد میرا چوڑا ہوا اور اگلندہ ہے نوشتون اور
 کپڑوں اور کاغذوں میں پس لو تم اہلبیت اُسکو اور جمع کرو تم اُسکو
 اور نہ ضائع کرو تم اُسکو۔

یہ ظاہر ہے کہ خلف کے معنی چچے رہنے والے یا چچے چوڑی ہوئی

خیر کے ہیں اور پیغمبرؐ نے اپنے بعد قرآن اور اپنے اہلبیت کو چھوڑا تھا پس بالکل قرین عقل ہی کہ پیغمبرؐ نے ایک خلف سے دوسرے خلف کے لیے وصیت کی اور مقصود اس وصیت سے یہ تھا کہ میں نے اپنی زندگی میں جیسے قرآن کو گوئید پوچھا یا ویسے ہی تم اس قرآن کو جسکو کہ میں چھوڑے جاتا ہوں لو تم اور جمع کرو تم اور جو معنی کہ میں نے تم کو بتائے ہیں اور لکھا دے ہیں اُس معنی میں اُسکو ضائع نہ کرنا تم اور عیساٰ معنی میں لوگو پورا سکو قائم رکھنا۔

اس وصیت کی ضرورت صرف علی مرتضیٰ اور اہلبیت سے ہو سکتی ہے اس لیے کہ پیغمبرؐ صحابہ کو پہلے ہی وصیت فرما چکے تھے جو اُن سے متعلق تھے کہ میں درمیان تمہارے دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں قرآن اور اہلبیت اپنے اُن سے تسک کرنا کہ ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ آپس سے قیامت تک جدا نہ ہوں گی۔

صحابہ سے کچھ تعلق وصیت ترتیب اور جمع کرنے قرآن کا علاقہ نہیں رکھتا تھا اور نہ ہو سکتا تھا اُن کے متعلق جو کچھ وصیت ہو سکتی تھی وہ وہی ہو سکتی تھی کہ جو چیزیں اُن کے واسطے واجب العمل ہوں اور جو چیزیں کہ واجب العمل نہیں وہ چیزیں باہم تعلق رکھتی تھیں اُن کے لیے وصیت حفاظت کی باہم اُن کے ہو سکتی تھی اور اس بنا پر صرف یہی

لازم آتا ہے کہ اہلبیت کو وصیت جمع اور ترتیب قرآن کی کی جائے۔
 نہ کسی اور کو جن لوگوں سے کہ تعلق جسمانی پیغمبر کا تھا وہی لوگ مخاطب امر
 روحانی پیغمبر کی کر سکتے تھے نہ ان کے غیر۔ وہ غیر قیامت تک حرف ان
 دونوں چیزوں پر عمل کر نیوالے تھے اور اسی کی وصیت ان غیروں کو
 ہو چکی تھی۔

(خلف فراشی) کے جو معنی مصنف مخاطب نے لیے ہیں
 کہ قرآن میرے بچپن کے نیچے ہے وہ خلاف واقع اور خلاف حقیقت
 ہے مذہب اسلام کا کوئی فرقہ اس بات کا قائل نہیں ہوا اور نہ کسی فرقہ
 کے بیان کوئی ایسی روایت وارد ہوئی ہے کہ پیغمبر کے بستر مرگ کے
 نیچے قرآن متفرق نوشتوں اور کپڑوں اور کاغذوں میں پڑا ہوا تھا بلکہ
 اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ قرآن موجودہ متفرق صحابہ کے پاس
 متفرق چیزوں پر لکھا ہوا تھا کسی کے پاس کسی قدر اور کسی کے پاس کسی
 قدر جو جمع کر لیا گیا تھا بغیر ان تفاسیر کے کہ جو پیغمبر نے بتائی تھیں اور
 جس کے سبب سے امت رسول میں اختلاف واقع ہوا اور مذہب اسلام
 منتشر ہو گیا۔

اس روایت میں اس قرآن تفسیری سے مراد ہے کہ جو اصل قرآن
 بترتیب نزول مع تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کے وقتاً فوقتاً جدا گانہ چیزوں پر

علی مرتضیٰ لکھا لیتے تھے جسکے جمع کرنے اور ضائع نہ کرنیکی وصیت پیغمبرؐ نے اپنے آخر وقت پر علی مرتضیٰ کو کی۔

جب پیغمبرؐ نے صحابہ کو قرآن اور اہلبیت کے ساتھ تسک کی وصیت کی تو ضرورتاً کہ عترت اور اہلبیت کو یہ وصیت کی جاتی کہ لو تم قرآن کو اور جمع کرو تم اسکو اور نہ ضائع کرنا اسکو۔ تاکہ صحابہ اسپر تسک کریں اور گمراہ نہ ہوں۔

اور پیغمبرؐ نے جو صحابہ کو آگاہ کر دیا تھا کہ علی قرآن کے ساتھ ہر اور قرآن ساتھ علی کے اور اہلبیت میرے تم سے زیادہ عالم ہیں۔ “
اُسکے ہی یہی معنی ہیں کہ سنا علی قرآن جمع کریگا اس تفصیر کے جو اسکو بتا دی گئی ہے اور جسکو اُس نے لکھ لیا ہے اور قرآن پر اسی معنی میں اہلبیت پر اسی معنی میں صحابہ کو تسک کرنیکی وصیت کی گئی ہے۔

ان سب روایتوں کو جمع کرنے سے یہ نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ علی مرتضیٰؑ کو کہ جو سردار اہلبیت کے بعد پیغمبرؐ رہنے والے تھے اور اہلبیت اپنے کو پیغمبرؐ نے یہ حکم دیا کہ تم قرآن کو لو اور جمع کرو اور اسکو ضائع نہ کرو اور صحابہ کو یہ حکم دیا کہ تم قرآن اور اہلبیت پر تسک کرو۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد وہ اعراض مصنف مخاطب کا کسی پہلو سے ہو اس روایت پر وارد نہیں ہو سکتا۔

پیغمبر کی ایسی وصیت اور ہدایت علی مرتضیٰ کی عصمت کے منافی نہیں ہو سکتی، ایسے کہ علی مرتضیٰ نے جو کچھ پایا اور کیا وہ پیغمبر کی تعلیم اور ہدایت کے بموجب پایا اور کیا ہی۔

شاید علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت کی عصمت کے جو قائل ہوئے ہیں اُسکے یعنی نہیں ہیں کہ وہ ایسے معصوم تھے کہ بغیر تعلیم و ہدایت پیغمبر کے خود ہی مثل رسول کے احکام دین جاری کر نیوالے تھے بلکہ شیعہ اُنکی نسبت اس بات کے قائل ہیں کہ پیغمبر سے جو ہدایت اور تعلیم پاتے تھے اُن میں اُن سے کہی خطا اور غلطی نہیں ہوتی تھی اور نہ کوئی امر قبیح اور فاحش اُن سے سرزد ہوتا تھا اور اُنکے ایسے معصوم ہونے میں یہ لفظ محفوظ عن الخطا اہلسنت شیعین کے ہم زبان ہوئے ہیں۔

اس روایت میں جہاں قرآن کے لینے والوں اور جمع کر نیوالوں اور نہ ضائع کر نیوالوں کے لیے صیغہ جمع کا بولا گیا ہے اور جسکے معنی میں ہم نے علی مرتضیٰ کے ساتھ دیگر اہلبیت پیغمبر کا شمول نظر کیا ہے اگر اُس جگہ ہم دیگر صحابہ غیر اہلبیت رسول سے بھی مراد لیں تو بھی نہ ظفر غبت اور علم معانی اور بیان کے اُسکے وہ معنی قرار نہیں پاسکتے جو مصنف مٹاب نے لیے ہیں۔

کیونکہ اس روایت میں جو وصیت پیغمبر خدا صلعم کی منقول ہوئی ہے

اسمین خطاب اول صرف علی مرتضیٰ کی نسبت ہی اور اپنے ارشاد کی تعمیل کے لیے جہان پیغمبرؐ نے صیغہ جمع کا بولا ہی اُسمین اگر قبول کیا جائے کہ صحابہ ہی شامل تھے تو یہی ضرور ہے کہ اس المومنین اور سردار صحابہ علی مرتضیٰ مانے جائیں اور اُس وصیت کے بموجب اول تعمیل کرنے والے اُس وصیت کے علی مرتضیٰ قرار پائیں اور دیگر صحابہ باتباع علی مرتضیٰ کے تعمیل اُس وصیت میں شریک ہوں اس حیثیت سے کہ جو کچھ تعمیل اُس وصیت کی علی مرتضیٰ کریں اُسی کے بموجب صحابہ علی بن لائین جو کچھ علی نے لیا ہو اُسی کو وہ ہی لین جو کچھ علی نے جمع کیا ہو اُس سے انکار نہ کیے اُسی کی تائید کریں جو کچھ علی نے ضائع نہ کیا اُسی کو وہ ضائع نہ کریں اور اس نوعیت سے شریک تعمیل وصیت پیغمبرؐ کے ہوں جن الفاظ سے اور جس نوعیت سے کہ وصیت کی گئی ہو (کہ خطاب وصیت میں خاص علی سے ہی اور تعمیل وصیت میں اگر صحابہ شریک کیے گئے) اسکے یہ معنی کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ جو قرآن کہ علیؑ نے لیا اور جو قرآن کہ علی نے جمع کیا اور جو قرآن کہ اُسمین سے علی نے کچھ ضائع نہ کیا تھا کہ جس میں کل تفسیر بتائی ہوئی پیغمبرؐ کی از روے وحی کے موجود تھی) وہ قرآن علی سے کہ جس نے خاص خطاب اُس وصیت کا تہا نہ لیا جائے۔ اور صحابہ اپنی خود سری سے بغیر شرکت علی مرتضیٰ

کے اُنکے جمع کیے ہوئے کے خلاف اپنی مرضی کے موافق دوسری کتاب سے غیر ترتیب نزول کے اور تبرک نفسیہ پیغمبری کے جمع کر لین اور جبکہ نتیجہ یہ ہو کہ جو معنی پیغمبر نے از روئے وحی بتائے تھے اور لکھائے تھے اُسکو ضائع کر دین جیسا کہ توریت میں یہودیوں نے کیا تھا کہ آیات کتاب آسمانی کے معنی کو تاویل کیے بدل دیا تھا اور جبکہ خبر خدا قرآن میں دیتا ہے وہ بھی فون الکلم عن مواضعہ کہ تحریر کرتے ہیں کلام کو بعض جگہ اُسکی سے۔

مفسرین علمائے اہلسنت نے اس موقع پر تحریر سے مراد تاویل کی لی ہے اور کہا ہے یہ بھی فون اہی یا ولون، تحریر کرتے ہیں یعنی تاویل کرتے ہیں۔

اس وصیت پیغمبر میں جو خطاب خاص علی کی ذات سے ہے اور فرض کیا جائے کہ اس وصیت کی تعمیل میں سب صحابہ شامل تھے جسکے معنی اور مراد ہم نے یہ بتائے کہ علی اول اس وصیت کی تعمیل کرنے والے ہوں اور صحابہ اُنکی پیروی سے اُس وصیت کی تعمیل میں شریک ہوں۔

اس معنی کے سمجھنے کے لیے ہم دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن میں جہان کہیں خدا نے مومنین کے لیے کچھ فرمان نازل

نازل کیے ہیں ہم مفسرین نے قبول کیا ہے کہ پیغمبر مومنین میں داخل ہیں
تو آیا پیغمبر بسبب سردار مومنین ہونے کے اول اُس فرمان کی تعمیل اپنے
اد پر واجب جانتے تھے اور دوسرے لوگ اُس فرمان کی تعمیل میں اتباع
پیغمبر کا کرتے تھے یا کیا۔

کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ دراصل اُس فرمان خدا میں خطاب پیغمبر
کی طرف ہوتا تھا کہ جسکے پاس وہ فرمان نازل ہوتا تھا اور دوسرے مومنین
کو اُسکی تعمیل میں شامل کیا جاتا تھا لیکن اُس فرمان کے عمل میں لالے
والے اول پیغمبر خدا صلعم ہوتے تھے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلعم جب کسی غزوہ میں یا سرزمین
میں کوئی لشکر بھیجتے تھے اور کسی کو اسکا سردار مقرر کر دیتے تھے اور
اُس سردار سے خطاب کر کے لشکر کو تمام ہدایتیں فرما دیتے تھے تو
ان ہدایتوں پر عمل کرنے والا اول سردار لشکر اور اُسکے اتباع میں لشکر ہوتا
تھا یا عمل سردار لشکر سے قطع نظر کہ خود وہ لشکر عمل کرنے لگتا تھا
اذا گر کوئی لشکر بغیر عمل سردار کے کہ جسکی لشکر کو تائید و رطاعت
کرنی چاہیے خود سر ہو کر فرض کرو کہ جنگ شروع کر دے تو وہ خلافت
ہدایت عمل کرنے والا اور نافرمان قرار پایا یا نہیں۔

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ علی مرتضیٰ سے بہتر پیغمبر کی

وصیت اور ارشاد کے معنی اور مقصود کو سمجھنے والا نہیں ہو سکتا تھا اور اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر کے حکم کی تعمیل میں کہ جو حقیقت حکم خدا تھا علی مرتضیٰ نے کہی کوتاہی کی اور بلا خوف و جرات طاقت انسانی کے سمجھا جاتا ہوا احکام پیغمبر کی تعمیل کی -

ان دونوں امروں کے لیے واقعات اور درایتیں خود کتب اہلسنت میں اس قدر موجود ہیں کہ جس سے کسی کو مخالفت کی مجال نہیں ہو سکتی اور جبکہ کچھ کچھ حصہ ہمارے رسالہ جات میں منقول ہے ایسی حالت میں اور ایسے شخص کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ”علیؑ کو یہ حکم تھا کہ سب صحابہ کے ساتھ ملکر قرآن کو جمع کرین مگر علیؑ نے اس حکم کی پوری تعمیل نہ کی بلکہ مخالفت کی کہ اصل قرآن کے پرچہ صحابہ کو نہ دیے اور نہ جمع قرآن میں انکو شریک کیا بلکہ بطور خود تمام قرآن کو مرتب کر کے انکے سامنے پیش کیا پھر پہلا ایک شخص کی راس پر صحابہ کیسے اعتماد کرتے ؟ و سوسہ شیطانی سے کچھ کم نہیں ہو سکتا۔

علی مرتضیٰ نے وصیت پیغمبر کی پوری تعمیل کی کہ قرآن کو چاروں حصوں میں تقسیم کیا اور جس کے وہ مخاطب تھے اور جسکو ان سے بہتر کوئی سمجھ نہ سکتا تھا اور جسکا غیروں کو نہ علم تھا اور نہ ہو سکتا تھا جمع کر کے صحابہ کے سامنے پیش کیا بنظر تعمیل وصیت پیغمبر کے اگر صحابہ اس وصیت

میں شریک نہ تھے تو انکو لازم تھا کہ اُس قرآن مجتہد علی کو لیتے اور دیکھتے کہ وہ قرآن صحیح طور پر علیؑ نے جمع کیا ہی یا نہیں۔

لیکن درحقیقت صحابہ کو علی مرتضیٰ کی صداقت پر یقین تھا اس لیے وہ جانتے تھے کہ پیغمبرؐ کی وصیت کی تعمیل علی مرتضیٰ نے پوری پوری کی ہے کہ جو مخالف ہمارے مقاصد کے ہے اس لیے انہوں نے اُسکے جمع اور ترتیب کی صحت پر تو کچھ شبہ نہیں کیا مگر اُسکے نہ لینے پر یہ حجت ظاہر کی کہ ہم نے خود جمع کر لیا ہے تمہارے قرآن کی ہلکوا جت نہیں ہے۔

ایسی حالت میں غور کرنا چاہیے کہ تعمیل وصیت پیغمبرؐ میں علیؑ کے ساتھ شرکت سے خود صحابہ نے انکار اور قصور کیا یا علی مرتضیٰ نے۔

لیکن صورت واقعہ صاف دکھاتی ہے کہ صحابہ نے درحقیقت شرکت تعمیل وصیت پیغمبرؐ میں قطعی انکار اور قصور کیا اور علی مرتضیٰ نے ذرا ہی تعمیل وصیت پیغمبرؐ میں دریغ نہیں کیا۔

میرے اس تمام سخن کی تائید اُس بقیہ حصہ روایت کے نتیجہ سے ہوتی ہے کہ جب کو مصنف مخاطب نے ترک کر دیا تھا اور جب کا نشان خود کو متبہ اہلسنت میں موجود ہے یعنی اُس سرگرمی علی مرتضیٰ سے قرآن کے جمع کرنے میں کہ جو اُسے تعمیل وصیت رسولؐ میں ظہور میں آئی کہ بعد تجنیز و تکفین کے جو سب سے پہلا کام اٹھاتا وہ قرآن کا جمع کرنا تھا

اور انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک قرآن جمع نہ کرونگا رد اس نے دوسرے پر نہ ڈالوگا جس سے مقصود یہ ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کرونگا کسی اور کام کے لیے گھر سے باہر نہ نکلونگا۔

ایسا اہتمام تعمیل وصیت پیغمبر میں صرف اسی وجہ سے تھا کہ تعمیل وصیت پیغمبر میں ذرہ برابر فرق نہ آجائے اور جیسا کہ انہوں نے عہد کیا تھا اسے نہایت حزم اور احتیاط سے پورا کر دیا تاکہ جب تک قرآن جمع نہ کر لیا اور وصیت آخری پیغمبر کو بجا نہ لائے خود کسی اور کام کے لیے گھر سے باہر تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ اگر ان کے پاس کوئی آتا تھا تو بغیر رد اوڑھے ہوئے اُس سے ملتے تھے۔

جو شخص کہ تعمیل احکام خدا اور رسول میں ایسا سرگرم ہوا جیسے صدق مقال پر کسی کسی کو شبہ نہوا ہوا اور سنی شیعہ دونوں قائل ہوں کہ اُس سے خطا سرزد نہیں ہوئی اُس کی نسبت یہ کیونکر گمان ہو سکتا ہے کہ اُس نے پیغمبر کی وصیت کے معنی نہیں سمجھے اور اُس نے خلافت وصیت پیغمبر کے عمل کیا ایک حیرت انگیز اگر بات نہیں ہو تو کیا ہے۔ اور خلافت وراثت کے تیرہ سو برس بعد تازہ معنی طبع زاد مصنف مخاطب کے ہم نہیں جانتے کہ کیا وقعت رکھ سکتے ہیں۔

جب علی مرتضیٰ نے بموجب وصیت پیغمبر کے قرآن جمع کر کے

روبرو صحابہ کے پیش کیا تو اُس وقت صحابہ نے علی مرتضیٰ پر یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ تم نے خلافت و صِدِّیقِ پیغمبرِ صلعم کے بغیر ہمارے شرکت کے یہ قرآن جمع کیا ہے۔ نہ انہوں نے اُسکے لینے پر یہ عذر کیا تھا کہ اصل قرآن کے پرچہ ہلکے کیون نہیں دیے اور بطور خود تنہا تمام قرآن کیون مرتب کیا اور نہ علی مرتضیٰ کے سامنے یہ کہا گیا کہ ہم ایک شخص کی رائے پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں۔

بلکہ بجائے ان وساوس کے جو مصنف مخاطب کو پیش آئے ہیں اُن صحابہ نے یہ جواب دیا ہے کہ ہلکے اُسکی حاجت نہیں ہے ہم اُس سے مستغنی ہیں بسبب اُسکے کہ جو ہمارے پاس ہے۔

جو دوسو سو کہ مصنف مخاطب پیش کرتے ہیں وہ وساوس اُن صحابہ کے دل و نہیں نہیں تھے ورنہ وہ اُنکو ضرور روبرو علی مرتضیٰ کے ظاہر کرتے اُنکے اُن امور کے پیش نہ کرنے سے یقین کرنا چاہیے کہ اُن صحابہ کو آئین کچھ شبہ نہیں تھا کہ پیغمبر نے تنہا علی مرتضیٰ کو جمع کرنے قرآن کا حکم دیا ہے نہ وہ و صِدِّیقِ پیغمبر کے یہی سمجھتے تھے کہ علی سب صحابہ کے ساتھ ملکر قرآن جمع کریں یا وہ صحابہ جمع قرآن میں اپنی شرکت کا کوئی حق خاص سمجھتے ہوں۔

نہ اُنکو یہ شبہ تھا کہ علی نے اُس حکم کی پوری تعمیل نہیں کی یا علی نے

اُسکی مخالفت کی۔ نہ اُنہوں نے اصل قرآن کے پرچہ علی مرتضیٰ سے طلب کیے۔ اور اُن کے نہ طلب کرنے سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ خود وہ اصل قرآن کے پرچہ ہی بصورت کتاب کے جمع اور مرتب کیے ہوئے موجود تھے اور اُنکو کچھ شبہ نہ تھا کہ اُن اصل قرآن کے پرچوں کے مطابق وہ قرآن بصورت کتاب لکھا ہوا اور مرتب اور جمع کیا ہوا ہے۔ نہ اُنکو علی مرتضیٰ ایک شخص کی رائے پر بے اعتمادی تھی۔ اگر علی مرتضیٰ تنہا واحد کی رائے پر اُنکو بے اعتمادی ہوتی تو بار بار جو علی مرتضیٰ سے مسائل قرآنی دریافت کیے ہیں کہی اُنے دریافت نہ کرتے نہ کہی اُنکی تنہا رائے پر عمل کرتے۔

افسوس ہے کہ عین اسوقت اور موقع پر مصنف مخاطب موجود نہ تھے ورنہ اُنہوں نے جو جواب علی مرتضیٰ کے قرآن نہ لینے کا اپنی ذہانت طبع سے پیدا کیا ہے۔ مین قبول کرنا ہوں کہ یہ جواب طبعی مصنف مخاطب کا اُن صحابہ کے جواب سے اعلیٰ اور برتر ہے اور دانائی مصنف مخاطب کی مافوق دانائی اُن صحابہ کے ظاہر ہوتی ہے۔

وہ اس قابل تھا کہ بجائے جواب صحابہ کے یہی جواب مصنف مخاطب کا علی مرتضیٰ کے سامنے پیش کیا جاتا۔ یا جن وسادس سے یہ جواب وضع کیا گیا ہے وہ وسادس مصنف مخاطب اُن صحابہ کے دہین ڈالتے اور اُن صحابہ کو اُنکی غلطی سے بچاتے۔

لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ اُن وساوس کو جس پر یہ جواب بہ صنف
مخاطب کا مبنی ہے یا اس جواب کو کہ جو نتیجہ اُن وساوس کا ہے نہ کسی کا
دل قبول کر سکتا تھا نہ کسی کی زبان اُسکے اقرار پر یاری کر سکتی تھی۔
وہ زمانہ نہایت قریب زمانہ وفات پیغمبر سے تھا اور عہد پیغمبرؐ لوگوں
کی نظروں میں چایا ہوا تھا اور ہر قسم کے فضائل علی مرتضیٰ کے جو پیغمبر
سے سننے تھے اور علی مرتضیٰ کے آنکھوں سے دیکھتے تھے وہ لوگوں کے
کانوں اور دلوں میں موجود تھے اور جس سے علانیہ کوئی انکار نہیں کر سکتا
تھا۔

میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ سب صحابہ علی مرتضیٰ کو امام اور قابل
ہاشمی پیغمبر کے دل میں جانتے تھے مگر خلافت فی الارض ایک ایسی
دل خوش کن پیر تھی کہ جو اُنکے دل میں سوا اپنے علی مرتضیٰ کے واسطے
رنگ نہیں بنے دیتے تھے۔

اُسوقت کی پالیسی یہ تھی کہ جس پر صحابہ عمل کرتے تھے کہ علی مرتضیٰ
کی کسی فضیلت اور وصف سے علانیہ انکار ہی نہ کیا جائے اور دوسرے
حیلہ سے اُنکے اُس سخن کو جس سے صحابہ کا منصوبہ خلافت غلط قرار پائے
یا حق خلافت علی کے لیے حجت ہو جائے اُسکو مالدیا جائے۔
اُسوقت کی یہ حکمت عملی نہیں تھی کہ علی مرتضیٰ کی نسبت یہ کہا جائے

کہ وہ انہوں نے پیغمبر کی وصیت کو غلط سمجھا یا پیغمبر کی وطیت کی پوری تعمیل نہیں کی یا اُس سے مخالفت کی ۔

چکرت علی جبکہ مصنف مخاطب نے جواب ظاہر کیا ہے اُس زمانہ کے موافق بیشک ہے کہ زمانہ پیغمبر صلعم کو عرصہ دراز گزر گیا اور فضائل اوصاف علی کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے موجود نہیں ہیں اور جو کچھ فضائل اور اوصاف علی مرتضیٰ کے کتابوں میں مندرج ہیں وہ اساطیر الاولین سمجھے جاسکتے ہیں اور اُسپر بھی مخلوق خدا کو پورا علم اور عبور نہیں ہے لیکن میں یہ امر ضرور قبول کرتا ہوں کہ اُسی پاس اولین نے اس دوسری پالسی کا دن دکھایا ہے۔

اُن اولین صحابہ نے علی مرتضیٰ کے پیش کیے ہوئے قرآن کے نہ لینے کا جو یہ جواب دیا ہے کہ ہم کو اُسکی حاجت نہیں ہے ہم اُس سے مستغنی ہیں بسبب اُسکے کہ جو ہمارے پاس ہے۔

یہ جواب بنظر حکمت علی اُسوقت کے نہایت موزون تھا کہ جس میں نہ علی مرتضیٰ کی کسی فضیلت اور وصف سے انکار تھا اور نہ اُن کے جمع اور مرتب کیے ہوئے قرآن کا نہ لینا بظاہر عیوب ہوتا تھا۔ اور جو اندیشے اُس قرآن تفسیری کے لینے اور جاری کرنے سے لاحق تھے اُن سے محفوظ ہی ہو گئی اور ہر آیت قرآنی کی تاویل کر لیا اپنی مرضی

کے موافق موقع ہی مل گیا۔ اور آئندہ سلسلین مسلمانوں کی جو صحابہ غلطی اور خطاؤں کا صحیح معنی آیات قرآنی میں تفسیر پیغمبری سے الزام لگائیں گئے ہی اپنے آپ کو بچا لیا اور مسلمانوں میں اختلافات اور تفرقہ پیدا ہو جانیکی پروا نہ کر کے اور مذہب اسلام میں رخنہ ڈال کر مسلمانوں کو بحالت نازل میں پہنچا دیا۔

جب نتیجہ ما بعد واقعات پیغمبر سے ایسی حالت صحابہ کی ظاہر ہوتی ہے تو یقین کرنا چاہیے کہ پیغمبر اُن کے قلوب اُن کی نیتوں اُن کے ادا دوں سے بخوبی آگاہ تھے اور جس پر آگاہی بنظر حالت زمانہ کے کیا حلیم اور خیر کو لازمی ہے پیغمبر کی اُن پیشین گوئیوں سے واضح ہے جنکو ہم چند موقعوں پر اپنے رسالہ جات میں کتب عمدہ اہلسنت سے لکھ آئے ہیں اور جبکا مقصود یہ ہے کہ صحابہ بعد پیغمبر کے کیا کیا احداث کریں گے اور شرک کی طرف کس چال سے چلین گے۔

ایسی حالت میں کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا ہے کہ پیغمبر جن صحابہ کی نسبت ایسا یقین رکھتے ہوں انہیں صحابہ کی نسبت پیغمبر جمع کرنے قرآن کا حکم دین۔

اس بنا پر یہ لازم آتا ہے کہ جمع کرنے قرآن کی وصیت سرور اہلبیت کو بشرکت اہلبیت کے کی جائے اور صحابہ کے لینے یہ حکم دیا جائے

کہ تم قرآن ادا اہلبیت پر تسک کرو تا کہ گمراہ نہو جاؤ۔ اگر جمعیت قرآن کی صحابہ کے لیے وصیت کی جاتی تو ہرگز ضرور نہیں تھا کہ ان کے واسطے تسک اہلبیت کا حکم دیا جاتا۔

پہر اگر وصیت پیغمبر کے یہ معنی لیے جائیں کہ صحابہ جمع کرنے قرآن میں علی کے ساتھ شریک ہوں تو تعمیل وصیت پیغمبر کی محال ہو جاتی ہر اس لیے کہ جب صیغہ جمع کا لحاظ نسبت صحابہ کی کیا جاتا ہے تو یہ لازم آتا ہے کہ کل صحابہ شریک جمعیت قرآن کے ہوں اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ بعض صحابہ کے لیے شرکت جمعیت قرآن سمجھی جائے اور بعض صحابہ اُس سے مستثنیٰ ہوں۔

صحابہ کی جو تعریف اہلسنت کے بیان قرار دی گئی ہے اُس کے بموجب کل وہ مسلمان جو پیغمبر صلعم کے سامنے ایمان لائے داخل صحابہ ہوتے ہیں اور عہد پیغمبر میں کہ جنہوں نے پیغمبر کو دیکھا تھا اور پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ہزاروں تھے۔

یہ امر غیر ممکن تھا کہ کل صحابہ جن میں کہ اکثر ملک دور و دراز میں آؤ راہ صعب گذار میں تھے شریک جمع قرآن میں ہو سکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایک صحابی ہی شریک ہو سکتا تو تعمیل وصیت پیغمبر کی نا جائز ہوتی کیا کسی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ پیغمبر جمع قرآن کی وصیت کیا

شان سے گریں جو ناممکن التعمیل ہو۔

اس بنا پر ہی یہی امر لازم آتا ہے کہ جمع قرآن کی وصیت سردار اہلبیت کے لیے اور اہمیں شرکت کا منشاء بقیۃ اہلبیت کے لیے تھا کہ جنکی تعداد مع علی مرتضیٰ کے چار سے زیادہ بنتی اور سردار اہلبیت کے باقی تینوں اہلبیت مطیع تھے اور وہ چاروں اہلبیت اسی ایک گہر میں تھے کہ جہاں پیغمبر نے قرآن نوشتون اور حریر اور کاغذ و غیرہ چھڑا تھا جسکو سردار اہلبیت نہایت آسانی سے بصورت کتاب جمع کر سکتا تھا اور دیگر اہلبیت اہمیں شریک ہو سکتے تھے اور اسکا یہ نتیجہ ہے کہ صحاح سے یہ کام متعلق نہیں ہو سکتا تھا۔

انہیں صحابہ کی نسبت مصنف مخاطب لکھتے ہیں کہ وہ انکو تو نینٹوں
تھا کہ سب متفق ہو کر اس کام (جمع قرآن) کو کریں تاکہ کوئی غلطی باقی
نہ رہے تمام صحابہ کو انہوں نے اس کام میں شریک کیا تھا اور سب
تحقیق کرتے تھے۔

اور تفسیر صفائی میں جو ایک طویل حدیث جناب امیر کی منقول
ہے جس میں ایک زندیق کے مقابلہ میں قرآن کے متعلق بہت سے
مطالب ارشاد فرمائے ہیں اور اہمیں صحابہ کا جس طور پر قرآن جمع
کر لیا تذکرہ ہی اسکو سند لائے ہیں جسکا یہ ترجمہ کیا ہے کہ وہ تو پکارا

سناد ہی اُنکا کہ جسکے پاس قرآن میں سے کچھ ہو وہ ہمارے پاس لاؤ
 حقیقت میں جن صحابہ کو کہ جنکی غرض متحد تھی یہ منظور تھا کہ وہ
 سب متفق ہو کر جمعیت قرآن کا کام کریں مگر خلافت وصیت بغیر
 کے وہ جمع کرنا صحابہ کا قرآن کو اس غرض سے نہیں تھا کہ کوئی غلطی
 باقی نہ رہے بلکہ وہ صحابہ کہ جنکی دوسری غرض تھی خود فضائل اور علم
 اور اوصاف علی مرتضیٰ کو جانتے تھے اور وسیلہ اُنکے علم کا جو تعلیم
 پیغمبر سے حاصل ہوا تھا کسی پر مخفی نہیں تھا اگر اُنکی یہ غرض ہوتی کہ قرآن
 میں کوئی غلطی باقی نہ رہے اور جس معنی اور مراد میں ہر ایک آیت اُنکی
 نازل ہوئی ہو اُسی صحیح معنی اور مراد میں قائم رہے تو قرآن مجتہد
 علی مرتضیٰ کے لینے پر عذر نہ کرتے اور نہایت خوشی سے کہ بغیر کسی
 تکلیف کے مجموعہ قرآن اُنکو ملتا تھا نہایت شکر گزاری کے ساتھ
 اُسکو لے لیتے لیکن اُنکی غرض خلافت اُس مجموعہ قرآن کے تھی کہ
 جسے ایسے عمدہ اور صحیح مجموعہ کو نہ لینے دیا۔

اور علی مرتضیٰ علیہ السلام نے جو اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے تو کچھ
 سناد ہی اُنکا کہ جسکے پاس قرآن میں سے کچھ ہو وہ ہمارے پاس لاؤ
 اس سے یہ نتیجہ نہیں پیدا ہو سکتا کہ تمام صحابہ کو اُنہوں نے اس
 کام (جمع قرآن) میں شریک کیا تھا اور سب سے تحقیق کرتے تھے

بلکہ اُس ذکرِ واقعہ سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ جن صحابہ نے جمع کرتے قرآن کا
امداد کیا تھا وہ دوسرے صحابہ سے بسطوتِ خلافت (کہ جس پر بنا دیا
کا بکروانا اور ابن مسعود مغزِ صحابی کو اُنکے قرآن نہ دینے پر ایسے کوڑے
لگوائے کہ جسکے سبب سے اُنکی جان جاتی رہی دلیل ہی جس کا
قدر جس میں کے پاس قرآن تھا طلب کر کے اپنے قبضہ میں کرنا چاہا
ہی جسکے بعد وقت جمع کرتے قرآن کے بصورتِ کتاب واحدیہ
اختیار باقی رہتا ہے کہ اُس جزو جزو قرآن سے جس جس قدر چاہیں لیں
اور جس جس قدر چاہیں چھوڑ کر اُن اجزا کو نابود کر دیں۔

چنانچہ اُن روایات سے جو روایتاً ثابت ہو گئی ہیں اور اتفاقاً
سے کچھ ہم ابھی اوپر لکھ آئے ہیں اور کچھ دوسرے موقعوں پر دوسری
کتب معتمدہ اہلسنت سے دکھایا گیا ہے۔

یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ بعض بعض اجزاء قرآن بعض بعض
قرآنوں سے نہیں لیے گئے۔ جن اجزاء کو کہ وہ صحابی قرآن سمجھتے
تھے اور ہر کو مصنف مخاطب نے ہی اپنی تفسیر میں بتقلید علما کے
مشیہ تفسیر پیغمبری ظاہر کیا ہے۔

کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں ہی وہ تفسیر پیغمبری مثل
قرآن اور حکم قرآن میں تھے جسکو وہ صحابہ اگر قرآن سمجھتے تھے تو کیا

یجا کرتے تھے کہ وہ نص قرآنی کے برابر درجہ رکھتے تھے اور حدیث پیغمبرؐ کو جو نص قبول کیا جاتا ہے اُس سے کم رتبہ میں نہیں ہو سکتی تھی۔
 جب صحابہ کے قرآن بسطوتِ سلطانی طلب کیے گئے اور وقت ترتیب اور جمع کے بعض اجزاء ان قرآنوں کے خارج کر کے ان قرآنوں کو ناپود کر دیا گیا تو کیا اس ترکیب جمع قرآن سے یہ صحیح نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کو منظور یہ تھا کہ سب متفق ہو کر اس کام کو کریں تاکہ غلطی باقی نہ رہے اور تمام صحابہ کو انہوں نے اس کام میں شریک کیا تھا اور سب سے تحقیق کرتے تھے۔

نہیں۔ بلکہ یہ نتیجہ صحیح پیدا ہوتا ہے کہ ان صحابہ کو جنکی غرض متحدی منظور یہ تھا کہ جن جن دوسرے صحابہ کے پاس قرآن میں سے جو کچھ ہے اُسکو بسطوتِ سلطانی طلب کر کے جو چیزِ امین مخالف انکی غرض اور سفرائے حق کے ہے اُنکو وقت جمع قرآن بصورت کتاب واحد کے نہ لیکر تلف کر دیں۔

ایسی حالت میں جن نوعیت سے کہ صنعتِ مخاطب نے یہ کہا ہے کہ ان صحابہ کو تو یہ منظور تھا کہ سب متفق ہو کر اس کام کو کریں تاکہ کوئی غلطی باقی نہ رہے تمام صحابہ کو انہوں نے اس کام میں شریک کیا تھا اور سب سے تحقیق کرتے تھے بالکل غلط ہے۔

اور علمائے اہلسنت کا آیات اور سورتوں قرآن کی بابت قرآن
موجودہ میں تحریف کا قائل ہونا اور قرار دینا ہی صرف نہیں ہر بلکہ
مصنف مخاطب ترکیب اور صوت جمع قرآن میں ہی تحریف کرتے
ہیں۔

قرآن موجودہ پر تحریف کا طعن شیعوں کے اصول و روایات
کے بموجب کسی طرح وارد نہیں ہوتا ہے جیسا کہ مصنف مخاطب خیال
کرتے ہیں شیعوں کے بیان ایک ہی روایت معتدا ایسی ائمہ
معصومین سے منقول نہیں ہے کہ جس سے اثبات تحریف نفی قرآن
کا ہو سکے اور نہ کسی متأخر غیر معصوم نے اخراعی قول سے اُسکو رد کیا
ابن ابوجہ فی اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کو جو مصنف مخاطب نے
متاخرین علمائے شیعہ ظاہر کر کے یہ قرار دیا ہے کہ وہ موجود اس مسئلہ
کے تھے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی اور پورا قرآن یہی ہے جو اب
موجود ہے۔

اُسکی حقیقت یہ ہے کہ وہ متقدمین علمائے شیعہ
سے ہیں مصنف جو انکو متاخرین علمائے شیعہ سے قرار دیتے ہیں
علاوہ غلط ہے اور مصنف مخاطب کے ذمہ باقی رہا ہے کہ ان دونوں
علمائے شیعہ سے ما قبل بتائیں کہ کون علمائے شیعہ ایسے تھے جو

تحریر لفظی قرآن کے قائل ہوئے ہوں۔

یہ بیان مصنف کا کہ ”جن صحابہ نے قرآن موجودہ کو جمع کیا ہے وہ شیعوں کے اعتقاد میں ثقہ نہ تھے بلکہ فائض تھے اور تمام صحابہ ارتداد میں اُنکے ساتھ شریک تھے (معاذ اللہ منہا) حضرت علیؑ کو جرأت نہ تھی کہ اُنکی خیانت کو روک سکتے“ جس حیثیت سے ظاہر کیا ہے صحیح نہیں ہے شیعہ اُن صحابہ کو مرتد مطلق نہیں جانتے ہیں البتہ اُنکی نسبت کامل الایمان ہونیکا اعتقاد نہیں رکھتے اور جس نوعیت سے کہ اُنکو غیر کامل الایمان سمجھتے ہیں اُسی نوعیت سے اُنکا درجہ غیر ثقاہت اور خیانت میں مانتے ہیں۔

قرآن موجودہ بذریعہ سطوت خلافت کے جمع کیا گیا ہے اور قرآن موجودہ کی جمعیت کی شان یہ ہوئی تھی کہ دیگر قرآؤں میں جو تفسیر پیغمبری تھی اور جسکو صحابہ مثل قرآن اور حکم قرآن میں سمجھتے تھے وہ نکال ڈالا گیا اور اُسکو قرآن موجودہ میں شامل نہیں کیا گیا ایسی حالت میں بمقابلہ سطوت خلافت کے علی مرتضیٰؑ کو ضرورت نہیں تھی کہ تفسیر پیغمبری کے قرآن موجودہ میں شامل ہونے کے لیے تلوار کینچنے اگر سیاست مدین علی مرتضیٰؑ کے ہاتھ میں تھی تو وہ بیشک ایسا کر سکتے تھے کہ قرآن کسی مسئلہ صحیح کی تعمیل کرائیں

اور جیسے بوجہ ہاتھ لپیڑ نوٹے سیاست من کے کہ سی غلط مسئلہ شرعت کے عمل کو بجز ہدایت کرنے کے قرآن میں روک سکتے تھے ویسے ہی قرآن موجودہ میں تفسیر پیغمبر جی کے نہ شامل کر نیکیا اسکے ترک کو جس سے غیر صحیح تاویل اور غلط مسائل قرار دینے کا موقع ہر ایک شخص کو حاصل ہو گیا روک نہیں سکتے تھے۔

البتہ بوجب وصیت پیغمبر کے علی مرتضیٰ کا صرف یہ فرض تھا کہ قرآن کو بوجب تعالیم اور ہدایت اور تفسیر پیغمبر جی کے جمع کرتے چنانچہ ویسا ہی انہوں نے جمع کیا اور خافا کے سامنے کہ جبکہ ہاتھ میں خلافت تھی پیش کیا علی مرتضیٰ نے جس قدر انکا فرض تھا ادا کر دیا دیگر صحابہ نے جو اسکو قبول نہ کیا انکی بابت وہ مشغول الذمہ رہے اور دنیا کہ وہ صحابہ کامل الایمان نہیں تھے ویسا ہی انہوں نے ایسا قرآن جمع کیا کہ بلحاظ نہ شامل ہونے تفسیر پیغمبر جی کے کامل نہیں سمجھا جاسکتا قرآن موجودہ کے کمال میں یہ نقص رہا کہ ہر لفظ اور ہر آیت کے معنی اور مقصود کو ہر مسلمان اپنے ذہن اور مرضی کے موافق لگانا ہی جسکے سبب سے مذہب اسلام میں صراط مستقیم چوٹ کر سیکر رہا رہیں پڑ گئیں اور باہم مسلمانوں کی نوبت جنگ و جدال کی پہنچی اور قوت انکی منتشر ہو گئی۔

اگر وہ تفسیر پیغمبری جو مثل قرآن اور حکم قرآن میں تھی قرآن موجودہ میں شامل کی جاتی یا بموجب وصیت پیغمبر کے جو قرآن علی مرتضیٰ نے جمع کیا اہل لے لیا جاتا یا وہ تفسیر پیغمبری قرآن مجتبعہ علی مرتضیٰ سے یا قرآن ابن مسعود یا ابی بن کعب سے شامل قرآن موجودہ کی جاتی جس قدر کہ ان میں تھی کہ وہ بھی تیشیح مسئلہ امامت اور نام علی مرتضیٰ کے لیے کسی قدر کافی تھی یا قرآن موجودہ کے معنی وہی لیے جاتے جو اہلبیت پیغمبر کے جن میں علی مرتضیٰ داخل ہیں فرماتے کہ چکے تسک کے لیے پیغمبر حجۃ الوداع میں آخری وصیت تمام صحابہ سے فرما گئے تھے۔

نو کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ ایسا قرآن بمقابلہ قرآن موجودہ کے ایسا کامل ہوتا کہ جس سے وہ راستہ اختلاف مسلمانوں کا بند ہو جاتا کہ جو غنہ مذہب اسلام کے لیے ہوا ہے اور جس کے باعث سے باہم مسلمانوں کی ذہبت کشت و خون کی پہونچ کر قوت مسلمانوں کی تباہ اور برباد ہو گئی ہے۔

ایسا قرآن کامل نہ جمع کرنے سے بیشک ان صحابہ سے خطا ہوئی کہ جنکی مرضی کے موافق وہ جمع ہوا اور ایسی خطا کا واقع ہونا اُن سے کچھ قابل تعجب کے نہیں تھا کہ خود اہلسنت اُنکو معصوم قرار نہیں دیتے ہیں اور جس کسی کو کہ معصوم قرار نہ دیا جائے اُس سے خطا کا سرزد ہونا

خارج امکان سے نہیں ہی اور شیعہ اسی قسم کی انکی خطاؤں کے سبب سے
انکو ناکام لانیاں مانتے ہیں اور اسی اعتبار سے انکو غیر ثقہ اور خائن سمجھتے
ہیں۔

مگر غیر معصوم کو ایسا سمجھنا کچھ شیعوں پر موقوف نہیں ہی بلکہ خود علما
اہلسنت ہی غیر معصوم فاسق اور فاجر کو مسلمان مانتے اور جانتے ہیں
اور اسکے فسق و فجور کے باعث سے کہ جو مخالفت امور اسلامی میں اس
سے ظاہر ہوتی ہی تمام دیگر امور اسلامی سے اسکے جو مطابق احکام
شرعیات کے صادر ہوتے ہیں قطع نظر نہیں کرتے۔ لیکن بمقابلہ
ایسے شخص کے کہ جس سے کوئی خطا یا فسق و فجور سرزد نہ ہو کہ درجہ
ضروری کہ رکبین۔

لیکن مصنف مخاطب افسوس ہی کہ شیعوں سے یہ چاہتے ہیں
کہ غیر معصوم صحابہ کو جن سے خطا سرزد ہوئی اور خطا سرزد ہونے کا
امکان تھا ایسا ثقہ اور غیر فائن مان لیں کہ جیسے معصوم ہونا ہی۔
یہ بات نہیں ہی جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ ”اتنا
پتہ تو صاف صاف مل گیا کہ مسئلہ امامت اور اسمائے ائمہ اور اسمائے
اعدائے ائمہ اٹھین سے خارج کر دیے گئے اسکے سوا اور ارکان ہیں
خدا جانے کیا کیا نکل گئے ہوں گے“

بلکہ یہ بات ہے کہ مسئلہ امامت کی تصریح اور اسے ائمہ اور اس کے
اعدائے ائمہ جو تفسیر پیغمبری سے انزویہ بہ مستظاہر ہوتا تھا وہ
قرآن موجودہ میں شامل نہ کرنے کی حیثیت سے خود خارج کر دیے
گئے جسکی حقیقت خود کتب اہلسنت اور روایات مسلمہ مصنف
مخاطب سے ہم اوپر دکھا آئے ہیں۔

اور اسکے سوا دیگر ارکان دین خدا جو علماء اہلسنت نے
اپنی اپنی رائے سے خلاف تفسیر پیغمبری تائیل کر کر کے قائم کیے ہیں
وہ بھی سب معلوم ہو گئے ہیں اور جنکا تعین وہ اختلاف ظاہر کرتا
ہی جہان جہان ہر قسم کے مسائل میں سنی اور شیعہ کے درمیان
اختلاف ہے اور جسکا ذکر مفصل کتب فرقہ بین میں موجود ہے اور جس
صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مذہب اہلبیت کیا رہا ہے اور مذہب
غیر بیت کیا ہو گیا ہے۔

یہ احتمال مصنف کا کہ شاید مسئلہ امامت کو اللہ نے بطور بد
منسوخ کر دیا ہو اور حکم نسخ اس قرآن میں ہو جو ساقط ہو گیا
مسئلہ بدایا غلط فہمی کی وجہ سے ہی کسی قدر مسئلہ بدایا بیان ہم
پہلے ایک موقع پر کر آئے ہیں۔ درحقیقت مسئلہ بدایا قانون قدرت
انہی کے مطابق ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قانون قدرت انہی زمین سے قدرت

او گاتا ہی اور کبھی وہ درخت ایک مدت تک وجود اور قائم رہتا ہی اور کبھی دوسرے قانون قدرت الہی کی وجہ سے کبھی جلد ہی اور کبھی دیرین فناء ہوتا ہی اور دوسرا درخت اسی جگہ پیدا ہو جاتا ہی اور جب تک کوئی دوسرا درخت پیدا نہ ہو جس کے مفید خلائق ہونیکا یقین ہو یا اگر کسی درخت کو قبل از وقت قطع کر دیا جائے اور اسکی شاخ پھوٹ کر درخت ہو جانے کی حالت پیدا نہ کرے اسکا انتظار کیا جاتا ہی۔

یہ مثال مسئلہ ہلاکی وجود امام سے متعلق ہو سکتی ہی جب تک امام زندہ رہے یا اپنے منصب کو ترک یا معطل کر دے۔

لیکن اعلیٰ امامت کو اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں ہی امامت کا ایسا مسئلہ ہو کہ جیسے کسی زمین سے جو قابلیت روئیدگی کی رکھتی ہو اس سے روئیدگی کا نونا محال ہی اسلیئے مسئلہ امامت نہ منسوخ ہوا نہ ہو سکتا تھا اور نہ اسکا حکم ناسخ قرآن میں تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔
قرآن موجودہ میں جو کچھ بموجب تفسیر پیغمبری کے تشریح میں شامل ہونے سے مقصود قرآن البتہ ساقط ہو گیا جو اس امر کو شامل تھا کہ تاکہ سبیلان میں اختلاف اور تفرقہ پیدا نہ ہو۔

مسئلہ امامت کے منسوخ نہ ہو سکنے کی وجہ یہ ہی کہ مخلوق خدا کو چارہ نہیں ہی بخیر اسکے کہ ایک اعلیٰ درجہ کا مقام اس کے لیے ایسا ہو کہ جو عدالت

کی نوعیت سے اُنکا انتظام اور اصلاح کر کے اور وہ مقام اعلیٰ درجہ عدالت کا مخلوق کے انتظام کے لیے اس لیے ضروری ہو کہ انصاف اُس جگہ ختم ہو سکے۔ اس لیے ضروری ہو کہ ہر زمانہ میں ایک امام مقرر فی لفظہ مانا جائے۔

قرآن صرف موعظت پر محدود نہیں ہے بلکہ احکام انتظامی جو مخلوق کے لیے ضروری ہیں اُس میں شامل ہیں۔ اس لیے ضروری ہو کہ کوئی امام ایسا مقرر کیا جائے کہ جو نفاذ اور تعمیل قرآن کی کر سکے اور اسی موقع پر عقل یہ چاہتی ہو کہ وہ امام ایسا ہو کہ جو اپنے ہم عصر مخلوق میں سب سے زیادہ عادل ہو تاکہ اُس کی عدالت کے سبب سے اُس کے حکم میں خواہ وہ انتظام اندرونی سلطنت سے تعلق رکھتا ہو خواہ بیرونی سلطنت کے جنگ اور صلح سے۔

اور اسی عدالت پر نظر کرنے سے صاف نظر آتا ہے کہ سلطنت میں عصمت مضمون لازم ہو کہ رعایا کو یقین ہو کہ قانون بخٹیا ہے اور جیسے کہ قانون بخٹیا ہے ویسے ہی حکم امام بھی بخٹیا ہے ورنہ حکم اور قانون چلا نہیں جاسکتا اگر شخص عمل کر نیوالا یہ تردد کرے کہ حکم صحیح ہے یا نہیں تو اندرون سلطنت بالقلب اُس پر کوئی عمل کر سکتا ہے اور بیرون سلطنت دس کیونکر کوئی جنگ کرنے کے لیے جاسکتا ہے اور جنگ میں کیونکر کوئی کسی

کو قتل کر سکتا ہے۔

کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب تک قانون اور حکم امام پر بیخیا ہوں یقین حاصل ہو جائے بغیر اسکے امام کو منقرض الطاعہ مانا جاسکتا ہے۔ یہی معنی ہیں: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے۔

خدا قانون بیخیا کا الفا کر نیوالا ہے اور رسول بیخیا اُس قانون کو لوگوں پر پہنچا نیوالا اور اولی الامر بیخیا اُسکا تعمیل کرنا نیوالا کہ جسکے ہاتھ میں کاروبار ہو اور دراصل سی کاروبار کے چلانیکو امامت کہتے ہیں اور اُسی کاروبار والیکو خدا نے اولی الامر کہا ہے جسیا کہ معنی لفظ امر سے ظاہر ہے جسکی مراد کاسے لی جاتی ہے مگر ضرور ہے کہ ایسی امامت تابع خلافت نہواور نہ ایسا امام مطیع خلیفہ قرار دیا جائے ورنہ مخلوق خدا کو ضرر پہنچے گا کیونکہ امامت تابع خلافت ہونے سے دین کامل طور پر نہیں چل سکتا ہے اور خلافت تابع امامت ہونے سے تعمیل دین کی صحیح طور پر ہو سکتی ہے۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ ایسی امامت کی قابلیت سوا علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ الہدیت کے بمقابلہ انکے ہم عہد خلفاء کے کسی کو نہیں ہو سکتی تھی جسکی بنا اُسی وقت پڑی ہے کہ جب وقت پیغمبر نے اول دعوت اسلام اپنے قریب تر کنبہ والوں پر کی ہے اور جب وقت کہ پیغمبر نے مبعوث ہو کر اظہار دعوت اسلام کا کیا اُسی وقت علی مرتضیٰ نے نکھرے ہوئے پیغمبر

کے امر تبلیغ رسالت کی نصرت اور اعانت کو اپنے ذمہ لیا اور جیسے کچھ پیغمبر
منجانب امیر رسالت پر بیعت ہوئے ویسے ہی علی مرتضیٰ منجانب
امام امت پر بیعت ہوئے جنکا کام امر تبلیغ رسالت کو تسیل کرنا تھا
اور یہ دونوں امر عین ایک ہی وقت پر ظہور میں آئے۔

یعنی عین امام منجانب امیر کے امت کے لیے جسکے تابع خلافت
ہی۔ شرافت نسبی۔ قوت جسمانی۔ شجاعت۔ فصاحت۔ علم۔ عدالت
فردی ہیں۔

یہ تمام اوصاف حسن اتفاق قدرتی سے اور لیاقت ذاتی بحیثیت
کسب کے بوجہ تعلیم اور تربیت اور استمراری معیت پیغمبر کے اور خدا
اسلام کے بجالانے سے (جن میں محض مرادات امیر کے سوا کہ جنکے
بدلہ میں اپنا نفس بیچ ڈالا تھا اور کچھ مقصود نہ تھا) حاصل ہو کر علی مرتضیٰ
میں جمع ہو گئے تھے۔

میں پوچھتا ہوں مجھ کو کوئی بتاے کہ ان اوصاف میں سے کونسا
وصفت ایسا ہے کہ جو بمقابلہ دوسروں کے علی مرتضیٰ میں اعلیٰ اور برتری
تھا اور کون امر مانع ہوا کہ انکی امامت کو برقرار نہ رکھا گیا کہ جو عند پیغمبر
سے چلی آتی تھی اور بعد پیغمبر انکو خلیفہ قبول نہ کیا گیا۔

یہ مسئلہ امامت کا جسکو مسئلہ بدائے کوئی تعلق نہیں اور نہ

یہ مسئلہ امامت کا نسوخ ہو سکتا تھا اور یہی مسئلہ امامت کا قرآن موجود
میں اب بھی موجود ہے (وکیو بحث امامت از صفحہ ۷۷، جلد دوم رسالہ
روشنی)

البتہ مسئلہ امامت کی تشریح جو تفسیر بغیر بی میں تھی وہ قرآن موجود
میں شامل نہونے سے بیشک ساقط ہو گئی۔

مصنف مخاطب بجائے اسکے کہ مسائل متنازعہ پر کوئی محققانہ
لکھیں شیعوں پر مطاعن قائم کر نیکی کوشش میں بطور طنز کے یہی فرض
کرتے ہیں کیا عجیب ہے کہ انہوں نے (صحابہ غیر ثقہ نے) قرآن میں
کچھ بڑا ہی دیا ہو جیسے اہل کتاب نے توریت انجیل وغیرہ میں بڑا
اور بہر خود ہی اُسپر تفریع کر کے اپنے قیاسات گذشتہ دو راز کا
کا اعادہ کرتے ہیں جبکی بابت اس موقع پر ہکوسوا اسکے اور کچھ کہنے کی
ضرورت نہیں ہے کہ مصنف نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ کتب میں
شیعہ سے انہر اعتراض کرینگے لیکن کتب شیعہ سے انہر اعتراض تو
ام محال تھا خود اپنی کتب سے ہی کوئی طعن اُنسے نہوسکا۔ تب
انہوں نے یہ دتیرہ اختیار کیا ہے کہ محض وسوسہ اپنے دل میں اُلکھ
شیعوں پر الزام لگانے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ کیا عجیب ہے کہ انہوں
(صحابہ غیر ثقہ) نے قرآن میں کچھ بڑا ہی دیا ہو۔

اور جب اس تخیلہ کی کوئی بنیاد نہیں تو اُس پر جو کچھ تصریح کی گئی ہے وہ خود بے بنیاد ہے کہ جسکی کوئی حقیقت ہو کہ وہ کہا نیکی ضرورت نہیں ہے۔

یہ غلطہ مصنف مخالف کا کہ جناب امیر کو اپنی خلافت کے زمانہ میں ہی اصلی قرآن ظاہر کر نیکی جرات نہیں ہوئی۔ ائمہ کو بھی شاید خوف کی وجہ سے یہ موقع نہ ملا علی مرتضیٰ کی اور ائمہ معصومین کی حالت پر بے پروائی کر نیکی وجہ سے ہے۔

علی مرتضیٰ کا زمانہ خلافت کم مدت تک رہا اور جو وقت کہ زمانہ خلافت شروع ہوا تھا اس وقت حالت خلافت کی نہایت اتر ہو گئی تھی اور ایک فتنہ عام پھیل گیا تھا جو حضرت عثمان کی جان لے چکا تھا۔ وہ وقت ایسا سخت اور مشکل تھا کہ سوا علی مرتضیٰ کے کسی کو جرات خلافت قبول کر نیکی نہ ہو سکتی تھی۔ جب علی مرتضیٰ نے اُس پر فسادِ حالت خلافت کو قبول کیا تو قدم قدم پر فتنہ برپا ہو گئے جسکا اصلی باب خلافتِ مرضی خدا اور سنتِ رسول کے خلافت کو بے محل مقامِ جبر پر قائم کرنا تھا۔

پیغمبر نے جس کسی کو اپنے ہمدین کا پروردگار مذہب اسلام قبول کر لیا تھا وہی مرضی خدا اور سنتِ رسول کی تھی بر خلاف اُس کے بعد

پنچبر دوسروں کو یکے بعد دیگرے خلفاً قبول کیا گیا اسی بات سے ہر ایک شخص کو حصول خلافت کا حوصلہ ہو گیا تھا اور اُسی حوصلہ نے اُنہیں خلیفہ (علی مرتضیٰ) کو میدان جنگ جمل اور صفین کے دکھائے۔ جنگ جمل کی فتنہ پردازی کو علی مرتضیٰ نے فرو کر کے کامیابی حاصل کی اور جنگ صفین میں بھی فتحیابی ہو ہی چکی تھی کہ عین معرکہ جنگ میں لشکر علی مرتضیٰ کے ایک گروہ نے ایک نیا فتنہ برپا کیا جس کا نتیجہ جنگ کا بند ہو جانا لازمی تھا اگر اُس وقت جنگ بند نہ کی جاتی تو خود باہم شکر علی مرتضیٰ کے کشت و خون شروع ہو جاتا اور دشمن حملہ کر کے لشکر مطیع علی مرتضیٰ کو قطعی تباہ کر دیتا۔

ایسی حالت میں امام یا جو افسر علی اُس وقت فوج کا ہوسکا فرض ہے کہ وہ اپنے مطیع لشکر کو دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھے اور ایسی تدبیر کرے کہ اُن کے مطیع لشکر کی قتل سے حفاظت ہو جائے تاکہ وہ ہر کسی دوسرے وقت پر کام آئے۔

چنانچہ علی مرتضیٰ نے اپنے اُسی محفوظ لشکر سے دوسرے وقت پر اُسی گروہ فتنہ پرداز لشکر کو تہ تیغ کر کے فتحیابی حاصل کی لیکن بمقابلہ سعدیہ بن ابی سفیان علی مرتضیٰ دوبارہ لشکر اور سامان جنگ ہیا کرتے تھے کہ وہ واقعہ ناگہانی پیش آیا جس کا نتیجہ علی مرتضیٰ کا قتل خانہ خلد میں

حالت نماز کے ابن لمجم کے ہاتھ سے ہوا۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو خود
علی مرتضیٰ شامی فتنہ کو فرو کر دیتے۔

جس شخص نے کہ عہد پیغمبر میں اپنی قوت بازو سے ہر جنگ جہل
میں دشمنوں کو قتل کر کر کے دین اسلام کو جاری اور قائم کر دیا اور
عہد خلافت حضرت عمر میں ہی اسی شخص کی رائے پر عمل کرنے سے ملک
شام اور ایران فتح ہوا۔ اور اپنے قلیل زمانہ خلافت میں ہی فتح
حاصل کیں کیا اسکی نسبت یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ بمقابلہ فتنہ شام
کے کامیاب ہو سکتا ہے نہیں۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

علی مرتضیٰ کا ہر فعل اور قول خواہ اُنکا زمانہ خلافت کا تھا یا نہ تھا
بالکل مطابق قرآن کے رہا ہر اندر روئے اُس تفسیر پیغمبر کی جسکی
اُنکو تعلیم دی گئی تھی۔

قبل اُنکے زمانہ خلافت کے جس سئلہ اور جس معاملہ میں خلفاء
ہم عہد اُسے رائے لیتے تھے جسکی بابت کتب اہلسنت مالا مال ہیں
وہ ارشاد علی مرتضیٰ کا اُسی تفسیر پیغمبر کی رو سے ہوتا تھا اور اُسی
کی بنا پر علی مرتضیٰ مسائل کو حل اور امور کو طے کرتے تھے اور اُنکو اپنے
اُس قلیل زمانہ خلافت میں جو امور پیش آئے اُنکا ہر قول اور فعل عہد
اسلام میں سند لیا جاتا ہے اور یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اگر علی مرتضیٰ کی

نظر موجود نہ ہوتی تو مذہب اسلام اس سلسلہ ہی سے خالی نہ تھا کہ باغیوں کے ساتھ کیا عمل کرنا چاہیے۔ (دیکھو سیرۃ النعمان)

دھقیقت علی مرتضیٰ نے اگرچہ مسئلہ بغاوت قرآن میں لیکن اُس کے متعلق بہت تشریحیں اپنے قول اور فعل سے کر دیں اور اچھی طرح سے بتا اور بتا دیا کہ امام کا کیا حق اور اختیار ہے اور قرآن موجودہ کو کدیا کہ یہ قرآن صامت ہے اور سنا دیا کہ میں قرآن ناطق ہوں۔ یہ تہی جرات اجراء اس قرآن تفسیری پیغمبری کی۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ علانیہ طور پر بعد وفات پیغمبر ہر زمانہ میں اپنے دم مرگ تک اُسی قرآن تفسیری کو اپنے زمانہ خلافت اور غیر خلافت میں جب جب موقع ہوا اور جب جب کسی نے دریافت کیا علی مرتضیٰ جاری کرتے رہے اور آئندہ اجراء کے لیے وہ قرآن تفسیری اور اپنا عمل اپنے گیارہ جانشینوں کے لیے چھوڑ گئے جو یکے بعد دیگر ہوئیو اے تہ جسکو ہر زمانہ کا جانشین جاری کرتا رہا۔

بیشک اللہ اہلبیت نے ایسا خوفناک زمانہ پایا تھا کہ ہر دم ہر قسم کا خوف لگا رہتا تھا مگر اُسمین انکی بخوبی آزمائش ہو گئی کہ وہ ذرا ہی خوف نہیں ہوئے اور امرار حق برابر کہتے رہے اور سچے دین کی ہدایت اور تعلیم دیتے رہے اور طریقہ علی مرتضیٰ پر جو عین طریقہ پیغمبر کا

تعاقل کرتے رہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے جو صلحا ترک خلافت کی فکریا
تھا جنگ کا بند کر دینا اپنے دوستوں کی حفاظت کے لیے کہ دشمن کے
ہاتھ سے قتل ہو جائیں جیسا کہ خود ان کے ارشاد میں موجود ہی یہ طریقہ حفاظت
کا وہی تھا کہ جو علی مرتضیٰ نے صفین میں جنگ کا کو بند کر کے اپنے دوست
لشکر کو دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھا تھا۔

کسی کو یہ شبہ نہونا چاہیے کہ ترک خلافت سے حضرت معاویہ
کے لیے حق خلافت پیدا ہو گیا نہیں ترک سے استقلال لازم نہیں آتا
ہو کہ خلافت حق حضرت معاویہ کا سمجھا جاسکے۔ امام نے جب خلافت
کو ترک کیا تو مستحق قبضہ اسپر وہی ہو سکتا تھا کہ بسکا اسپر حق تھا حضرت
معاویہ نے جو اسپر قبضہ کیا اُسکے وہ مستحق نہیں تھے اُنکا قبضہ اسپر حق
سمجھنا چاہیے۔

حضرت امام حسین نے شب عاشورہ جو اپنے ہمراہیوں کے
مقابلہ میں یہ خطبہ فرمایا تھا کہ میں تم لوگوں کو جس نیت اور ارادہ سے
ساتھ لایا تھا وہ صورت باقی نہیں رہی ہے (یعنی اسید فح) اور میں
دشمنوں میں گھر گیا ہوں اور یہ قوم سوا میرے کسی اور کی طلبگار نہیں
ہے میں تم لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ شب تاریک ہو کر تاکہ لوگوں کو

ندامت و اسگیر نو) جس طرف جسکا جی چاہے چلا جائے اُسپر کچھ لوگ چلے گئے اور جو لوگ پوج و محبت رسول کے امام سے عشق رکھتے تھے انہوں نے امام علیہ السلام کو تنہا دشمنوں میں چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو اپنے ہمراہیوں کو اختیار چلے جانیکا دیا وہ اُنکا فرض منصبی امامت کا تھا۔ جب اُنکو یقین ہو گیا کہ میں ہی قتل ہو جاؤنگا اور میرا ہمراہی بھی کوئی زندہ نہیں رہیگا تو پھر لازم تھا کہ وہ اپنے ہمراہیوں کی حفاظت کی تدبیر کریں اور اُنکے اسی بیان تدبیر حفاظت نے ثابت کر دیا کہ وہ امام برحق تھے اور امام برحق کا ہی درحقیقت یہ کام ہے کہ کون موقع دشمن سے جنگ کا ہے اور کون موقع دشمن کے ہاتھ سے اپنے ہمراہیوں کو محفوظ رکھنے کا۔ اور اسی بنا پر مذہب شیعہ میں مسئلہ جہاد قرار دیا گیا ہے۔ اور جب تک عصمت امام یعنی اُسکے بچپا ہو نیکا یقین نہ ہو کہ کسی کوئی ارشاد امام پر عمل نہیں کر سکتا ہے اور اسی لیے اُن ائمہ کو جو معصوم تھے معصوم ماننا ضروری ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے جو طریقہ حفاظت اپنے ہمراہیوں کا اختیار کیا تھا درحقیقت یہ وہی طریقہ ہے کہ جو علی مرتضیٰ نے جنگ صفین میں اور امام حسن نے وقت ترک خلافت بمقابلہ اہل شام کے اختیار کیا تھا۔

اگرچہ یہ تینوں واقعے مجسب اپنے اپنے موقع کے صورت جدا گانہ رکھتے ہیں لیکن اصول اُن سب کا وہی ایک ہے کہ فعل ہو جانے سے ائمہ کے دوست اور ہمارے ہی محفوظ رہیں۔

یہ اصول علی مرتضیٰ نے درحقیقت پیغمبر سے سیکھا تھا مقام حدیبیہ پر جب پیغمبر کو کفار کی جنگ سے اندیشہ شکست اور غلوب ہونیکا ہوا کہ بغیر ارادہ جنگ کے قلیل ہمارے ہیونکے ساتھ بارادہ طواف خانہ کعبہ کے تشریف لائے تھے اور سامان کافی جنگ کا ہمارا نہیں تھا اور اُسکے ساتھ اس بات کا اندیشہ ہی تھا کہ موجودہ ہمارے ہیون میں سے لوگ وقت جنگ کے اپنی اپنی راہ اختیار کرینگے جسکا چند مرتبہ پیغمبر کو تجربہ ہو چکا تھا اور اس اندیشہ پر مضمون تجدید بیعت اشارہ کر رہا ہے۔

مگر جو لوگ کہ وقت جنگ کے قائم رہنے والے تھے اُنکے خطرہ میں پڑنے کے اندیشہ نے پیغمبر سے صلح کرائی اور اُسی تدبیر نے پیغمبر کے سچے وفاداروں کو محفوظ رکھا اور وقت تحریر صلح نامہ کے پیغمبر نے علی مرتضیٰ کو بتا دیا تھا کہ مکہ بھی ایک ایسا ہی وقت آئیگا۔

شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ پیغمبر نے بعض موقعوں پر ایسا ہی کیا ہے کہ جب قلیل ہمارے ہی اُنکے ساتھ تھے بمقابلہ کفار کے جنگ کی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ جنگ کے لیے دو صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک دشمن کی طرف

جانا اور دوسرے دشمن کا اپنی طرف آنا۔ اول صورت کو حملہ اور دوسری صورت کو دفع کہتے ہیں۔ اور بحالت دفاع کے جنگ پر مجبوری ہوتی ہے۔

پنچم پیر نے جہان کمین ایسی حالت میں اجازت جنگ کی دی ہے کہ جہان ان کے ہمراہی قلیل تھے وہاں صورت دفاع اور حملہ کفار کے روکنے کی ہے۔ اور مقام حدیبیہ میں پیغمبر کا تشریف لیجانا گو دوسری نیت سے تھا مگر ظاہر صورت حملہ کی تھی اور جب حملہ کے وقت اندیشہ شکست اور مغالوبی کا ہوتا تو سوقت میں قتل سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے ہمراہیوں کے لیے کوئی تدبیر لازم ہوتی ہے۔

پیغمبر کے تمام افعال اور اقوال حجت ہیں جن سے تفسیر قرآن کی ہوتی ہے جو قرآن علی مرتضیٰ نے مرتب کیا تھا وہ ہر قول اور فعل پیغمبر کی رد سے تفسیر تھی اور اسی کے بموجب علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت عمل کرتے رہے اور دوسروں کو بتاتے رہے جن لوگوں نے کہ ان سے لیا ان کے پاس موجود ہے اور اسی صراط مستقیم پر قائم ہیں اور جن لوگوں نے کہ ان سے نہیں لیا وہ لوگ شلخ درشاخ راہونین حیران اور سرگردان ہیں۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونیکے بعد دیکھو کہ جناب امیر کو اصلی قرآن

کے ظاہر کر نیکی جرات ہوئی یا نہیں اپنی خلافت میں یا غیر کی خلافت میں اور ائمہ کو بھی خوف کی وجہ سے اُسکے جاری کر نیکا موقع ملایا نہیں۔
 شیعہ اسکے قائل نہیں ہیں کہ صحابہ نے قرآن میں تصرفات کیے
 البتہ بتدریب نزول قرآن موجودہ جمع نہیں ہوا ہر جسکے خود علماء
 اہلسنت بھی قائل ہیں اور تفسیر پیغمبری بیشک اہمیں شامل نہیں کی
 گئی کہ جسکے بعض بعض حصہ کا وجود خود کتب اہلسنت میں موجود ہے
 اور جبکہ وہ آیات نسخ التلاوة یا وحی سوائے قرآن کے قائل ہوں
 ہیں جسکی تشریح ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

اصل قرآن میں کہ جس میں کوئی تصرف نہیں ہوا بیشک آج تک
 اُسطح موجود ہے جس طرح کہ جمع کیا گیا اور ائمہ اہلبیت برابر اسی قرآن
 موجودہ پر عمل کی ہدایت فرماتے رہے ہیں لیکن ان روئے علم اور تفسیر
 پیغمبری کے ائمہ اہلبیت جو معنی اور منشا بتاتے رہے ہیں اور
 اپنے آپ کو اور غیر دنگو جن جن آیات کا مصداق قرار دیتے رہے ہیں
 شیعہ بنظر ارشاد پیغمبر کے ارشادات ائمہ کو اُسی حیثیت سے آیات
 قرآنی کے معنی اور منشا اور مصداق کو قبول کرتے ہیں جس حیثیت سے
 کہ انہوں نے فرمایا ہے۔

مثل اہلسنت کے شیعوں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ معافی اور

منشا اور مصداق آیات کو اپنی رائے سے قرار دیکر خلاف وصیت رسول کے صرف قرآن سے ظاہری تمسک کرین اور اہلبیت عترت رسول کی قطعی جھوٹ دین۔

مہاجرین اور انصار اور ازدواج اور آیت غار اور بیعت رضوان کی نسبت شیعوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ کیا عجب ہے کہ وہ آیات تصدیقاً صحابہ سے ہوں، لیکن جیسے مہاجر اور انصار اور صحابہ کے متعلق قرآن میں اگر ایسی آیتیں موجود ہیں کہ جن سے ان کے اس وقت کے افعال کی پسندیدگی پائی جاتی ہے تو ایسے آیات ہی موجود ہیں کہ جن سے ان کے افعال سے ناخوشی اور ان کی مذمت ہی مخصوص جہاد کے وقت میدان جنگ میں قائم نہ رہنے کے متعلق ثابت ہوتی ہے۔

ازواج رسول بیشک اموات المؤمنین ہیں جبکہ مقصود یہ ہے کہ بعد پیغمبر کے اُسے کوئی نکاح نہیں کر سکتا جس سے اور کوئی شرف اُن کا جس سے برتر پایا جاتا ہو۔ اُن کے متعلق ہی آیات عتاب اور غیر خوشنود خدا کی موجود ہیں۔

اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ ان کی حالت اُن کے اختیار میں تھی اور وہ ہر حسن اور قبیح کے عمل میں لانے کی غمخوار تھیں۔ جس بی بی نے جیسا عمل کیا بیشک وہ اُسکی مستحق ہے کیا از روے قرآن اور کیا از روے

احادیث پیغمبر کوئی بی بی انکی امت رسول کے لیے نمونہ قرار نہیں سکتی
اور نہ قرار پائی ہے۔

کیا علی مرتضیٰ کی خلافت برحق میں بی بی عائشہ نے علم بغاوت
بلند نہیں کیا کیا میدان جنگ میں اونٹ پر سوار ہو کر گرسے باہر
خلافت نص صریح قرآنی کے نہیں نکالیں۔ کیا وہ اسمین مرتکب امر
فجیح کی نہیں ہوئیں۔ کیا وہ مستحق اُسکے نتیجہ کی نہیں ہو سکتیں۔
ایسے امر کے عمل میں لانے سے کیا اہلسنت اپنے طرفدار و گونہوں
نے شرمندہ نہیں کیا؟

اسی طرح آیت غار سے کوئی شرف حضرت ابو بکر کے لیے پیدا نہیں
ہوتا ہے اسمین حضرت ابو بکر کے ساتھ ہونیکا حکایتاً ذکر ہے۔

اور آیت بیعت رضوان سے جب تک کہ ایفائے عہد ظہور میں
نہ آئے جیسے کہ خود اُسی آیت میں اُسکا اشارہ ہے کیا شرف کسی کو
حاصل ہو سکتا ہے جبکہ بعد اُسکے نکتہ عہد بیعت جنگ خیبر و حنین
میں پیغمبر کو چوڑ کر پیٹھ دکھا گئے جسکا ذکر قرآن میں موجود ہے نصف
مخاطب نے بطر زنا اس موقع پر جو ان امور کا اعادہ کیا ہے سو انکی
حقیقت ہم اد پردہ کر آئے ہیں۔

افیر میں مصنف یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب تک جامعین قرآن کو

تلقہ نہ مانا جائے اس وقت تک کیونکہ یہ مانا جائے کہ انہوں نے قرآن میں کچھ
 بڑا یا نہیں وہ اپنی حکومت کے زمانہ میں سب کچھ کر سکتے تھے۔
 میں مصنف مخاطب سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا انکا مقصود یہی کہ
 ان یا معین قرآن کو معصوم مانا جائے اگر مقصود یہی تو خود اہلسنت
 کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ معصوم نہ تھے اور جو معصوم نہ ہو اس سے خطا کا وقوع
 ممکن ہے لیکن غیر معصوم سے یہ ضرور نہیں ہے کہ تمام افعال اُسکے سرتاپا خطا
 بلکہ ضرور ہے کہ کوئی فعل اُسکا خطا کا ہوا اور کوئی فعل غیر خطا کا اور اس سے فعل کے
 کسی حصہ میں خطا ہوا اور کسی حصہ میں نہ ہو۔ قرآن میں کچھ بڑا یا نیکی اُنکو حاجت
 نہیں تھی تفسیر وغیرہ کو قرآن سے خارج رکھنے سے اُنکی غرض حاصل پہچانی تھی
 تفسیر وغیرہ سے جو امور شرح ہو گئے تھے انہیں کسی اختلاف کی گنجائش باقی
 نہیں رہی تھی معنی اور تصدیقات میں خود رائی کا اختیار تفسیر وغیرہ کے
 شامل نہ رکھنے سے قرآن میں حاصل ہو گیا اور اس قدر اُنکو اپنی غرض کے لیے کافی
 تھا انہوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں جو کچھ کیا وہ کیا کم ہے جو مصنف مخاطب
 قرآن میں نہ بڑا یا نیکی خطا سے اُنکی برائت کے لیے دلیل لاتے ہیں۔ قرآن
 میں کچھ بڑا یا نیکی نظر اُسکی فصاحت اور بلاغت کے غیر ممکن تھا اور ایک
 طرز بیان سے دوسرا طرز بیان خود بخود بتا دیتا کہ کچھ بڑا یا گیا ہے وہ لوگ
 ایسے نادان نہیں تھے کہ اپنی خطا کی خود اپنی خطا سے گرفت کر دے۔

نام معارفین	تعداد	نام معارفین	تعداد
عالمگیراب قاضی سید نور الدین علی خان	۱	عالمگیراب نواب سید محمد علی انصاری بہادر	۱
صاحب بہادر بالقابہ وزیر بھوپال -	۱	گورنمنٹ پبلیشر -	۱
عالمگیراب خواجہ محمد جعفر علی انصاری -	۱	عالمگیراب شیخ ولایت حسین صاحب القادر دیکن	۱
عالمگیراب قاضی بندہ عالمگیراب صاحب بریل	۱	عالمگیراب سید آل احمد صاحب کمال -	۱
عالمگیراب مرزا عبد علی ریگ صاحب قزلباش	۱	عالمگیراب مولوی سید غلام حیدر خان صاحب بہادر	۱
عالمگیراب سید باغ علی صاحب لکھنؤ	۱	سب صحیح -	۱
عالمگیراب مولوی ریتھت علی صاحب کمال	۱	عالمگیراب نواب سید دوست علی خان صاحب بہادر	۱
عالمگیراب آغا قاسم حسین صاحب قزلباش	۱	بالقابہ رضوی سکندر قلعہ دار ضلع ملتان	۱
انسپیکٹر پولیس -	۱	عالمگیراب سید بیاض علی صاحب سانی ڈپٹی کلکٹر	۱
عالمگیراب سید ذوالحسین صاحب بہادر سیر	۱	عالمگیراب سید حیدر علی خان صاحب آریزی مجسٹریٹ	۱
عالمگیراب حکیم احمد زامداری صاحب تحصیلدار	۱	عالمگیراب حاجی سید جعفر حسین صاحب ممبر کونسل	۱
عالمگیراب حاجی مولوی سید شام علی صاحب	۱	عالمگیراب آغا صفدر علی ریگ صاحب قزلباش	۱
سپرٹنڈنٹ کتب خانہ مرشد آباد -	۱	اکسٹرنل سٹنٹ کاشنر -	۱
عالمگیراب سید بیاض علی صاحب تحصیلدار	۱	عالمگیراب سید حمزہ علی صاحب امین -	۱
عالمگیراب سید ابوبکر صاحب انکپٹر	۱	عالمگیراب منشی محمد حسین خان صاحب کپڑا	۱
عالمگیراب سید غلام حسین صاحب شہر منصف	۱	عالمگیراب نواب مولوی زوار علی انصاری	۱
عالمگیراب سید غلام حسین صاحب پولیس	۱	عالمگیراب نواب برار علی خان صاحب بہادر -	۱
عالمگیراب مولوی سید کمال صاحب کاشنر خٹک	۱	عالمگیراب نواب سید اسماعیل خان صاحب بہادر	۱
عالمگیراب مولوی سید غلام حسین صاحب	۱	عالمگیراب نواب سلطان حسین خان صاحب کپڑا	۱
عالمگیراب سید بیاض علی صاحب کمال	۱	عالمگیراب سید بیاض علی صاحب کمال کپڑا	۱
عالمگیراب سید محمد حسین صاحب کمال	۱	عالمگیراب سید محمد حسین صاحب کمال	۱
عالمگیراب سید محمد حسین صاحب کمال	۱	عالمگیراب سید محمد حسین صاحب کمال	۱
عالمگیراب سید محمد حسین صاحب کمال	۱	عالمگیراب سید محمد حسین صاحب کمال	۱

تعداد	نام معاونین	تعداد	نام معاونین
۱	عالمیغاب سید محمد صاحب رئیس کلینہ	۱	عالمیغاب سید محمد صاحب رئیس کلینہ
۱	عالمیغاب سید امیر کاظم صاحب مہر پور	۱	عالمیغاب سید امیر کاظم صاحب مہر پور
۱	عالمیغاب نواب لدار علی خان صاحب ببادر	۱	عالمیغاب نواب لدار علی خان صاحب ببادر
۱	عالمیغاب حکیم سید عبدالحسین صاحب	۱	عالمیغاب حکیم سید عبدالحسین صاحب
۱	عالمیغاب شیخ سخاوت علی صاحب سب رشتہ دار	۱	عالمیغاب شیخ سخاوت علی صاحب سب رشتہ دار
۱	عالمیغاب مولوی وزیر حسن احمد وکیل انجمن ہوا	۱	عالمیغاب مولوی وزیر حسن احمد وکیل انجمن ہوا
۱	عالمیغاب بابو وزیر حسن ممتاز حسن گنج ساران	۱	عالمیغاب بابو وزیر حسن ممتاز حسن گنج ساران
۱	عالمیغاب خلیفہ سید محمد کاظم صاحب ڈپٹی منسج	۱	عالمیغاب خلیفہ سید محمد کاظم صاحب ڈپٹی منسج
۱	عالمیغاب میر محمد حسین ممتاز از حیدر آباد	۱	عالمیغاب میر محمد حسین ممتاز از حیدر آباد
۱	عالمیغاب سید محمد حسین صاحب فون گو	۱	عالمیغاب سید محمد حسین صاحب فون گو
۱	عالمیغاب سید فضل حسین صاحب پور	۱	عالمیغاب سید فضل حسین صاحب پور
۱	عالمیغاب جوہری سر بلند صاحب	۱	عالمیغاب جوہری سر بلند صاحب
۱	عالمیغاب جوہری حسین بخش صاحب	۱	عالمیغاب جوہری حسین بخش صاحب
۱	عالمیغاب حکیم مرزا محمد رضا خان صاحب	۱	عالمیغاب حکیم مرزا محمد رضا خان صاحب
۱	عالمیغاب نجف اشرف	۱	عالمیغاب نجف اشرف
۱	عالمیغاب حکیم فضل علی صاحب عرف حکیم	۱	عالمیغاب حکیم فضل علی صاحب عرف حکیم
۱	سید میرن صاحب	۱	سید میرن صاحب
۱	عالمیغاب قاضی فقیر علی صاحب انکار پورٹ	۱	عالمیغاب قاضی فقیر علی صاحب انکار پورٹ
۱	مرزا عبدالمعنی قزلباش ڈپٹی	۱	مرزا عبدالمعنی قزلباش ڈپٹی

نام معاونین جنہوں نے جدید معاون بہم پہنچائی

بیشمار	نام معاونین	تعداد
۱	عالمیغاب شاہ علی مددی صاحب رئیس سابق تحصیلدار سنے	۲
۲	عالمیغاب سید طاہر علی صاحب حکیم قیوم حیدر آباد سنے	۱
۳	عالمیغاب سید محمد حسین صاحب قانون گو سنے	۳
۴	عالمیغاب تاج محمد علی سید علی حسین صاحب پورٹ سنے	۲
<p>حقائق الانوار علیہ اول حدیث تعلیم</p> <p>تکلیفیں سے تسک کر کے اسے خرید کر نواب سارین حاصل کر کے اسے</p> <p>مرزا صاحب اور پورٹ سنے تکلیفیں سے تسک کر کے اسے خرید کر نواب سارین حاصل کر کے اسے</p>		



فی دار کمال الثقلین

نور علی نور



رسالہ روشنی

جلد ثالث سہ ماہی چہارم یعنی بابت ماہ - اکتوبر - نومبر - دسمبر

۱۸۹۶ء

باہتمام

مرزا عبدالتقی قنبر لہاس اڈیٹر

فیض محمدی پریس مین طبع ہوکر

دفتر رسالہ روشنی چوک صنوی شایع ہوا



مجھے امید تھی کہ

جن بزرگواروں نے جلد ثالث کا چندہ نہیں بھیجا ہے وہ سب ہی ہم
 کے نمبر پہنچے تھے ہیرو انٹرنیٹ پر مگر افسوس ہے کہ بہت کم چندہ آیا
 جسکی رسید ذیل میں درج ہے اب یہ نمبر بذریعہ ویلو اکثر حضرات
 کی خدمت میں روانہ ہوتے ہیں اگر واپس آئے تو جلد چارم کا سلسلہ فنی
 خدمت میں نہ ہوگا۔ اور جن حضرات کی خدمت میں یہ روانہ نہیں کیا گیا
 اونکی بھی بڑی مہربانی ہو اگر وہ فوراً اپنا اپنا چندہ ارسال فرمادیں
 بقیہ رسید زرر بابہ ۹۹

نام معاونین	تقدیر
عالمیناب مرزا محمد عباس علیخان صاحب بہادر باقالبہ	۵۰
عالمیناب سید نور الحسن صاحب اہلحد	۵۰
عالمیناب منشی آغا حسین صاحب دفعہ نزول	۵۰
عالمیناب مرزا عابد حسین خان صاحب	۵۰
عالمیناب حکیم محمد امجد علیخان صاحب بق ڈپٹی کلکٹر	۵۰
عالمیناب حکیم محمد نیاز علیخان صاحب	۵۰
نام معاونین جنہوں نے جدید معاون ہم پہنچا	تقدیر
عالمیناب سید بشیر حسین صاحب انسپکٹر پولیس	۱
عالمیناب منشی محمد حسن خان صاحب انسپکٹر پولیس	۱

زیادتی قرآن کے معنی و مراد اور اہلسنت کے اتہام کی تردید

مصنف مخاطب اب بیان سے ارادہ کرتے ہیں کہ کتب شیعہ سے قرآن میں بڑبائی کا مضمون دکھائیں اور اس ارادہ کو یوں ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن میں کچھ بڑبائی کا احتمال محض فرضی نہیں ہے بلکہ اقوال ائمہ سے یہ خبر ملتی ہے کہ محرفین نے اپنی نظر سے ہی بڑبائی کی ہے لیکن مصنف اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں اور انہوں نے اس کے مفہوم کو متغیر کیا ہے۔

کتب شیعہ سے ہر قسم کی احادیث جو مقصود اور معانی میں کے بیان میں آئے ہیں اگر ان سب پر وہ نظر کرتے اور ارادہ اعتراض کا اپنی طبیعت میں خواہ مخواہ پیدا نہ کرتے اور یہ امر ہی ذہن نشین نہ کرتے کہ ہر فرقہ میں احادیث بلفظ منقول نہیں ہوتے ہیں بلکہ بالمعنی سوائے ان چند حدیثوں کے جو خاص طور پر لفظ ثابت ہوئی ہیں تو کسی طرح انکو جرات کسی اعتراض کی نہوتی مگر انہوں نے وہ چند حدیثیں اعتراض کے لیے منتخب کی ہیں کہ جس پر ہر بظاہر

اعراض کر سکیں چنانچہ وہ اول جو سوا تر نہیں ہیں اور اخبار احاد
ہیں بعض بغرض جو ظاہر الزام تحریف قرآن قائم کرنے کے سند لائے
ہیں اُسکا ترجمہ یہ کیا ہے کہ تفسیر صافی میں تفسیر عیاشی سے امام
باقر سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر نہ تو یہ امر کہ بڑایا گیا ہے
میں اور گٹایا گیا ہے تو ہمارا حق کسی عقلمند پر چپا نہ رہتا۔

یہ ارشاد امام علیہ السلام کا اُس زمانہ کا ہے کہ خلافتِ عت
اور اہلبیت رسول سے نکل چکی تھی اور ائمہ اہلبیت اپنے حق خلا
فیت
سے محروم کر دیے گئے تھے اور زمانہ خلافتِ بنی امیہ کا تھا۔

امام علیہ السلام نے جو یہ فرمایا ہے کہ اگر نہ تو یہ امر کہ بڑایا گیا
ہے قرآن میں اور گٹایا گیا ہے تو ہمارا حق چپا نہ رہتا، اُسکے معنی
اور مراد یہ ہے کہ علی مرتضیٰ اور عترت رسول کو جو تعلیم قرآن کی ارشاد
رسول سے ہوئی ہے خلافت اُسکے لوگوں نے اپنی رائے اور خواہش سے
قرآن کے ایسے معنی بیان کیے جو درحقیقت وہ معنی اُسکے نہیں
جو ایسے معنی کہ اُن لوگوں نے بیان کیے وہ قرآن میں بحیثیت بیان
معنی کے بڑایا گیا اور جو اصلی اور حقیقی معنی قرآن کے تھے اُسکو لوگو
نے بیان نہیں کیا اور اس اعتبار سے قرآن گٹایا گیا۔

اس حدیث میں مصنف نے لفظ "ذی حجتی" کا ترجمہ عقلمند

کا کیا ہے وہ ٹیک نہیں ہے بلکہ اُسکے معنی صاحب آہنگ اور قصہ کہ
ہیں اور جب اختلاف کو طوالت ہو جاتی ہے تو بول جانا ہے کہ فلاں نے
فلاں پر حجت کی۔

مصنف مخاطب نے یہ اخیر فقرہ بھی اُس حدیث کا چوڑ دیا ہے
کہ ۛ؎ ولو قد قام قائمنا فنطق صدق القرآن ۛ؎ ترجمہ۔ اور اگر
کبھی قائم ہو گا قائم ہمارا اور بات کریگا تصدیق کریگا اُسکی قرآن ۛ؎
اس پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ ۛ؎ فرمایا امام محمد باقر علیہ السلام
نے اگر نہوتا یہ امر کہ بڑایا جاتا کتاب اسد میں اور کم کیا جاتا نہ چپاؤ
حق ہمارا اور صاحب حجت کے (اختلاف کو طول نہوتا) اور اگر
کبھی قائم ہو گا قائم ہمارا اور بات کریگا تصدیق کریگا اُسکی قرآن ۛ؎
اس حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا یہ مقصود لیا جاسکے
کہ قرآن موجودہ میں لفظ کچھ بڑایا گیا ہے یا کچھ کم کیا گیا ہے بلکہ جس
بلاغت سے امام علیہ السلام کا ارشاد شوقول ہے اُسی اعتبار سے
دیکھا جاتا ہے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ کتاب اسد میں جو زیادتی آئی
کی کا بیان ہے وہ معنی اور مقصود سے علاقہ رکھتا ہے اور جسکی مراد یہ
ہوتی ہے کہ قرآن موجودہ کے معنی اور مقصود میں زیادتی کی جاتی ہے
اُس معنی اور مقصود سے جو پیغمبر نے بتائے اور جنکو علی مرتضیٰ نے

لکھ لیا تھا اور اپنے مجتہد قرآن میں شامل کیا تھا اور جو معنی اور مقصود پیغمبر نے فرمائے تھے اور علی مرتضیٰ کو بتائے تھے اور جو ان کے قرآن مجتہد میں موجود تھے اُسکی کمی جاتی ہر اگر ایسا نہ ہوتا تو ہمارا حق کسی حجت کریموالے پر پوشیدہ نہ رہتا اور محاورہ عرب میں حجت کا لفظ اُسی وقت بولتے ہیں کہ جب اختلاف کو طول ہو جائے اور ایک دوسرے کو حجت سے قائل کر دے جس سے امام علیہ السلام کی غرض یہ ہے کہ اُس زیادتی اور کمی سے جو طوالت اختلاف کو ہو گئی ہر اگر وہ زیادتی اور کمی نہ ہوتی تو وہ کتاب اسد حسنین تفسیر پیغمبر تھی ہمارے حق کے لیے حجت قاطع تھی۔

اور امام کا یہ ارشاد کہ میں اگر کہی قائم ہو گا قائم ہمارا اور سخن کر گیا تصدیق کر گیا اُسکی قرآن میں اسی پر دلالت کرتا ہے کہ کتاب اللہ میں زیادتی اور کمی معنی ہر اور جو اُسکے معنی میں اختلاف ہو گیا ہر اُس اختلاف کو وہ رفع کر دیا اس حیثیت سے کہ قرآن اُس قائم کے لفظ کی تصدیق کر گیا یعنی اُسکا لفظ مطابق قرآن کے ہو گا اُسی معنی میں اور اُسی حیثیت سے جو پیغمبر نے فرمایا اور بتائے تھے اور جب کو علی مرتضیٰ نے جمع کیا تھا اور جو علی مرتضیٰ سے اور ائمہ اہلبیت سے شیعوں نے لیا ہے۔

اس حدیث میں قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب ہم ائمہ میں سے کسی کے ہاتھ میں یا ائمہ کے کسی متبع کے جبکہ بذاتہ کوئی امام موجود یا حاضر نہ ہو خلافت فی الارض اور سیاست مدن آجائگی اُس وقت قرآن موجودہ کے مقاصد اور معنی کی زیادتی جو کی جاتی ہے اُس کے اصلی معنی اور مقاصد سے اور جو کمی کی جاتی ہے اُس کے اصلی مقاصد سے وہ کچھ باقی نہ رہے گا اور اُس کمی اور زیادتی سے جو اختلاف ہو وہ رفع ہو جائیگا۔

چنانچہ زمانہ ائمہ کی موجودگی میں تو ایسا وقت نہیں آیا لیکن اُنکی غیبت میں جبکہ وہ کسی نہ کسی درجہ سے غائب ہو گئے تو اُنکے متبعین کے لیے ضرورتاً ایسا وقت آیا جنکی سلطنت اور بادشاہت کا ذکر زمانہ کی تاریخ میں موجود ہے اور جن میں خود نسل ائمہ ممکن اُس خلافت اور سلطنت پر ہوئی ہے۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونیکے بعد اہل نظر جان سکتے ہیں کہ اس حدیث پر استدلال مصنف مخاطب کا کیسا غلط ہے۔

پھر مصنف مخاطب تفسیر صافی میں احتجاج طبری سے جو ایک طویل روایت منقول ہوئی ہے اُسکا ذکر کر کے اُسکے بعض مقامات کو سند لاکر اعراض کرتے ہیں۔

یہ روایت وہی روایت ہے کہ ایک زندقہ نے علی مرتضیٰ سے

قرآن کے متعلق چند سوالات کیے تھے ہم مناسب جانتے ہیں کہ اُس روایت کو پورا ترجمہ کر دین جس کے بعض بعض مقام کو مصنف محسن نے انتخاب کیا ہے اور دو میان ترجمہ کے مختصر تشریح مراد کی خطوط ہلالی میں کر دین تاکہ استدلال اور اعراض مصنف مخاطب کی حقیقت ظاہر ہو جائے۔

خدمت علی مرتضیٰ میں ایک زندیق آیا جو چند آیات قرآنی سے کہ جو متشابہ اور محتاج تاویل تھیں استدلال کرتا تھا اُس کے سوال میں یہ امر ہی تھا کہ ”میں پاتا ہوں کہ خداوند عالم نے لغزشیں انبیاء کی مشور کیں جیسا کہ فرماتا ہے ”وَعَصَىٰ آدَمُ سَبْعَ فُجُورٍ“ ترجمہ ”اور نافرمانی کی آدم نے پروردگار اپنے کی اور بک گیا“ اور حضرت نوح کی تکذیب جب اُنہوں نے یہ کہا تھا ”ان ابی من اہلی“ ترجمہ ”تحقیق کہ بیٹا میرا میرے اہل سے ہے“ اپنے قول سے کہ ”انہ لیس من اہلک“ ترجمہ ”تحقیق کہ وہ میرے اہل سے نہیں ہے“ اور حضرت ابراہیم کی یون صفت بیان کی ہے کہ ”انہون نے ایک مرتبہ ستارہ کی ایک مرتبہ چاند کی ایک مرتبہ آفتاب کی پرستش کی“ اور حضرت یوسف کے باب میں فرمایا ہے ”ولقد همت به وهم بها لولا ان رأی برہان سر بہ“ ترجمہ

اور قصد کیا اُس (زینجا) نے ساتھ اُس (یوسف) کے اگر نہ دیکھتا وہ دلیل پروردگار اپنے کی ۱؎ اور حضرت موسیٰ کی نبین (دفر وایگی) کی ہر اس طرح کہ کہا موسیٰ نے ۲؎ سراب امنانی انظار لیا ۱؎ ترجمہ پروردگار میرے دکھا دے مجھ کو کہ نظر کروں میں تیری طرف ۱؎ خدا نے یوں تواری ۱؎ ترجمہ ۲؎ ہرگز نہ دیکھ سکیگا تو مجھ کو ۱؎ اور حضرت داؤد کے پاس جبریل و میکائیل کو بھیجا کہ وہ محراب کو ہانڈ کر ان تک پہنچے الی آخر القصہ اور حضرت یونس کو شکم ماہی میں جس کیا جبکہ وہ حالت غضب میں گنہگار ہو کر چلے گئے تھے۔ اور حق تعالیٰ نے خطائے انبیاء کو اور انکی لغزشوں کو توظا ہر کیا اور وہ لوگ کہ جو فریب خوردہ ہوئے اور خلق خدا کو فتنہ میں ڈالا اور خود گمراہ ہوئے اور اور دن کو گمراہ کیا انکے اسماء سے کنایہ کیا جیسا کہ فرماتا ہے ۱؎ ویوم یعضل نظام علی ید یدہ ویقول یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلاً ۱؎ ترجمہ ۲؎ اور وہ دن کہ جس دن نظام اپنے دونوں ہاتھوں کو کاٹے گا اور کسی کا کاش میں نے رسول کے ساتھ راہ لی ہوتی ۱؎ ۲؎ لیتنی لم اتخذ فلان خلیلاً ۱؎ ترجمہ ۲؎ کاش میں نہ بنانا فلان شخص کو دوست ۱؎ لقل اضلنی عن اللہ کو بعد اذ جاءنی ۱؎ ترجمہ تحقیق کہ گمراہ کر دیا اسی شخص نے مجھ کو ذکر سے بعد اسکے کہ آیا وہ ذکر

جگہ تک پس یہ کونسا ظالم ہے کہ جسکا نام خدا نے ذکر نہ کیا اور انبیاء
کے نام ذکر کر دیے۔ پھر زندگی نے کہا کہ میں پاتا ہوں خداوند
عالم کو کہ اُس نے بیان کیا فضیلت کو اپنے نبی کی تمام انبیاء پر پہنچا
تھا میں اپنی کتاب میں تحقیر سے ہی خطاب کیا ہے جس سے انکار
پست معلوم ہوتا ہے اور انکی تعجبیں اور سرزنش کی ہر اس طرح سے کہ کسی
نبی سے اس طرح خطاب نہیں کیا جیسے کہ فرماتا ہے: "وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
لَجَعَلْنَاهُمْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ قَلْبًا مِّنَ الْغَايِلِينَ" ترجمہ: "اور اگر
چاہتا خداوند عالم تو ہر آئینہ جمع کرتا ان سب کو ہدایت پر پس نہ
تو جاہلوں سے" اور قول اُسکا: "وَلَوْلَا اَنْ ثَبَتْنَاكَ لَقَدْ كُنْتَ
تَرْكُنَ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا اِذَا اَذَقْنَاكَ ضَعْفَ الْحِيلَةِ وَ
ضَعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَعْتَدِلُ عَلَيْنَا نَصِيرًا" ترجمہ: "اگر
نہ تو ایہ امر کہ ہم نے ثابت رکھا تجھے ہر آئینہ قریب تھا کہ میلان کرے
تو طرف اُنکے توڑا سا اُس وقت ہر آئینہ چکھاتے ہم تجھے دو چندان
کی اور دو چندان کی پہر نہ پاتا تو اپنے لیے ہمارے اوپر کوئی
مددگار" اور قول اُسکا: "وَتَحْفَىٰ فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ
وَتَعْتَسِي لَنَا مِنِ اللَّهِ اِحْتِ اِنْ تَحْشَلْهُ" ترجمہ: "اور چھپاتا ہو تو
اپنے نفس میں اُس چیز کو جسکو خدا ظاہر کرے والا ہے اور ڈرتا ہے تو آدمیوں

سے اور اسدا حق ہوا اس بات کے ساتھ کہ ڈرے تو اُس سے ۱۱ اور
 قول اُسکا ۱۱ ما ادری ما یفعل بی ولا یلم ۱۱ ترجمہ ۱۱ نہیں جانتا
 میں کہ کیا کیا جائیگا میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ ۱۱ اور فرمایا کہ
 کہ ۱۱ وما فرطنا فی الکتاب من شیء ۱۱ ترجمہ ۱۱ اور نہیں کم کیا ہم
 نے کتاب میں کچھ ۱۱ وکل شیء احصینا لا فی امام مبین ۱۱ ترجمہ
 ۱۱ اور ہر چیز گن دی ہے امام مبین میں ۱۱ پس جبکہ اشیاء امام میں چھپا
 کی گئیں اور وہ وحی نبی ہیں پس نبی اولیٰ ہر یہ کہ بعید ہو اُس صفت
 سے جو اُنکے باب میں کہی ہے ۱۱ وما ادری ما یفعل بی ولا یلم ۱۱
 ترجمہ ۱۱ اور نہیں جانتا میں کہ کیا کیا جائیگا میرے ساتھ اور تمہارے
 ساتھ ۱۱ اور اُس زندقہ نے اپنے تمام سوال میں یہ ہی کہا کہ میں
 پانا ہوں خدا کو کہ وہ کتاب ۱۱ فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی
 فانکوا ما طاب لکم من النساء ۱۱ ترجمہ ۱۱ پس اگر ڈرو تم اس میں
 کہ نہ انصاف کر سکو گے یتیموں کے باب میں پس نکاح کرو ان عورتوں
 سے کہ جو پاکیزہ ہوں تمہارے لیے ۱۱ اور انصاف کو یتیموں میں
 نکاح نسوان سے کچھ مشابہت نہیں اور نہ جتنی عورتیں ہیں وہ
 سب یتیم ہیں پس اس کے کیا معنی ہیں ۱۱۔

پس فرمایا امیر المومنین علیہ السلام نے ۱۱ لیکن لغزشین انبیا

کی اور جو کچھ کہ خدا نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے اور کنایہ کا واقع ہونا ان لوگوں کے ناموں سے جنہوں نے قطع برید کی بڑکرائیں ہے کہ جسکی خبر انبیاء کی بابت دی گئی ہے اور جبکہ ظلم پر کتاب خدا شاہد ہے پس امر واضح تر دلائل سے ہے اور پر حکمت باہرہ اور قدرت قاہرہ اور عزت ظاہرہ خدا کے اس لیے کہ خدا نے جانا اسل مرکو کہ برہان انبیاء کے اُنکی است کے دلونین بہت بڑے معلوم ہونگے اور بعض اُنہیں سے ایسے ہونگے کہ جو بعضے انبیاء کو خدا قرار دینگے جیسے کہ نصاری نے ابن مریم کو خدا قرار دیا پس خدا نے اُن لغو شون کا بیان اس لیے کیا تاکہ دلائل ہو اور بخلف اُنکے کے کمال سے ایسا کمال کہ جسکے ساتھ خدا متغزو ہے کیا تو نے نہیں سنا قول خدا صفت ذات عیسیٰ میں جو اُنکے او اُنکی مان کے باب میں فرمایا **مَعَاذَ اللَّهِ مَا كُنَّا بِلُحُومٍ وَلَا دَمٍ** ترجمہ ”تسے وہ دونوں کہلاتے تسے وہ دونوں کسانا“ مراد یہ ہے کہ جو کوئی طعام کھائے گا اُسکے لیے سفل ضرور ہوگا اور جسکے لیے سفل ہوگا وہ بعید ہے اُس مرتبہ سے جسکا نصاری ابن مریم کے لیے دعوی کرتے ہیں اور (اسل مریم) نہیں کنایہ کیا اسمائے انبیاء سے اندوختہ اور لغزش کے (ای بزرگ قرار دینا اپنے آپ کو اور تنگ و کوچک قرار دینا انبیاء کو) بلکہ اہل بصیرت کے بتانیکے لیے تحقیق کہ کنایہ غلط کار لوگو

کے ناموں سے جو منافقین سے تھے قرآن میں یہ فعل حق تعالیٰ کا نہیں ہے بلکہ یہ فعل تغیر اور تبدیل کر نیا لونا کا ہے جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور دنیا کو دین کے عوض میں اختیار کیا (علی مرتضیٰ نے خطا کار لوگوں کو منافقین سے ظاہر کیا ہے جو یہ فرمایا ہے کہ انکا نام قرآن میں کنایہ سے ہے جس سے مراد یہ ہے کہ نصیح نام انکا قرآن میں لیا نہیں گیا اور اسکو فعل خدا تعالیٰ نہیں بتایا بلکہ فعل تغیر اور تبدیل کر نیا لونا بتایا ہے یہ ارشاد علی رضی اللہ عنہ کا مطابق اس حدیث کے ہے جو ترمذی کے باب القدر میں اور شافعی کے باب التقدير میں سند ہے اور صکو خود مصنف مخاطب نے اپنی تفسیر اکسیر اعظم میں لیا ہے اور جبکا ذکر ہم پہلے ہی کر آئے ہیں۔

وہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے ہے اور جس میں یہ بیان ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے دو کتا بن تین پس فرمایا آیا جانتے ہو تم کہ کیا ہیں یہ دو کتا بن پس کہا ہم لوگوں نے نہیں اے رسول اللہ ﷺ مگر یہ کہ خبر دین آپ ہمکو پس فرمایا کہ جو میرے واسطے ہاتھ میں ہے یہ کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے جو اس کے میں نام اہل جنت کے اور نام ان کے آباء کے اور ان کے قبیلہ کے اور اخیر پر جمع کیے ہوئے ہیں پس نہ نیا وہ ہوگا آمین کوئی اور نہ کم ہوگا

۱۷ جلد ۳ ص ۶۱۱ و تفسیر اکسیر اعظم معترض مخاطب جلد اول ص ۶۳۔

اُس سے کہی پہ فرمایا جو میرے بائیں ہاتھ میں ہے یہ کتاب ہے رب کا
 کپڑے اُس میں نام اہل دوزخ کے ہیں اور اُن کے آباء کے اور اُن کے قبیلہ
 کے پر جمع کیے ہوئے ہیں اخیر پر پس نہ زیادہ ہو گا اُس میں کوئی اور
 نہ کم ہو گا اُس سے کہی پس کہا اصحاب آنحضرت صلعم نے کس واسطے
 عمل کرنا ہے اسی رسول اللہ اگر یہ امر کہ تحقیق فراغت کی گئی اُس سے
 پس فرمایا کہ مضبوطی کرو عمل نیک کو نیکی اور نیک کو نیکی ڈھونڈ ہو واسطے
 کہ تحقیق صاحب جنت کا خاتمہ ہوتا ہے ساتھ عمل اہل جنت کے اگرچہ
 وہ کچھ ہی عمل کرے اور تحقیق کہ صاحب دوزخ کا خاتمہ ہوتا ہے ساتھ عمل
 اہل دوزخ کے اگرچہ وہ کچھ ہی عمل کرے۔ پہ فرمایا (عمل کیا) رسول صلعم
 نے ساتھ دونوں ہاتھوں اپنے کے اور پکدیا (ڈال دیا) اُن دونوں کو
 پیٹ پیٹ کر فرمایا کہ پروردگار تمہارا قاریغ ہو چکا بندو سے ایک فریق جنت
 میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں۔“

(علمائے اہلسنت نے یہ بحث کی ہے کہ پیٹنے سے اپنے دونوں
 ہاتھوں کو پکد دیا یا اُن دونوں کتابوں کو۔ وہ دونوں کتابیں پیٹنے کے
 وہ دونوں ہاتھوں میں اور جیسے وہ دونوں کتابیں مقدس تھیں وہ
 ہی پیٹنے کے دونوں ہاتھ اور چونکہ وہ دونوں کتابیں پیٹنے کے ہاتھ
 میں تھیں اگر پکد دینا پیٹنے کے دونوں ہاتھوں کا سمجھا جائیگا تو پکد دینا

ان دونوں کتابوں کا ہی لازم آئیگا اور اگر ٹپکدینا اُن دونوں کتابوں کا
 سمجھا جائیگا تو ٹپکدیا جانا پیغمبر کے دونوں ہاتھوں کا ہی لازم آئیگا
 اس حدیث صحیح سے ظاہر ہے کہ رب العالمین نے خطا کار
 اور منافقین کے نام کہ جو قابل دخول نامہ تھے بنا دیے تھے کہ جو ایک
 کتاب میں پیغمبر کے پاس لکھے ہوئے تھے اور اُس کتاب کو پیغمبر نے
 صحابہ کے سامنے ڈال دیا تھا کہ صحابہ اُس کو لین اور دیکھیں اور یاد رکھیں
 اور جس سے مقصود یہ ہے کہ پیغمبر نے اپنے اس عمل کو بخجلہ کار تبلیغ رستا
 کے قرار دیا تھا اور یہ کتاب ہمیں نام اہل جنت اور اہل نار کے تھے
 علی مرتضیٰ اور ائمہ اطہر کے پاس موجود تھی جسکو ہم پہلے دکھائے
 پس علی مرتضیٰ نے جو ان لوگوں کے نام نہ ظاہر کر سکی نسبت فرمایا ہے
 کہ وہ فعل خدا کا نہیں ہے تو کون امرائین غلط ہے اور وہ نام بتائے
 ہوئے رب العالمین کے اور کتاب میں لکھے ہوئے پاس پیغمبر کے
 اور اُس کتاب پیش کی ہوئی رہے صحابہ کے اور پہنچائی ہوئی اور پڑ
 کے قرآن موجود ہیں نہیں ہیں حالانکہ بطور تفسیر کے اُنکا ہونا ضروری
 تھا مگر قرآن موجودہ کے جمع کر نیوالوں نے جو ان ناموں کو داخل قرآن
 موجودہ نہیں کیا بلکہ اُس کتاب کو نہیں لیا تو اُسکی نسبت یا ارشاد
 علی مرتضیٰ کا بالکل صحیح ہے کہ یہ فعل تغیر اور تبدیل کر نیوالوں کا ہے جنہوں نے

قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور دنیا کو دین کے عوض میں اختیار کیا۔ اور جسکے لیے قرآن موجود نہ ہے سخر لگاتے ہیں اور خدا نے تغیر دینے والا ہے قصہ ہی بیان کر دیے ہیں اپنے اس قول سے۔

مِمَّا لَدَيْنَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ يَتَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ لِيَعْلَمُوهُ ۚ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَيْسَ شَيْءٌ بِأَمْرِنَا قَلِيلًا ۚ سَوَّلَ لَيْنَ سَاوَهُنَّ لَكِنَّهُنَّ يُفْسِدْنَ ۚ

ترجمہ: جو لوگ ایسے ہیں کہ لکھتے ہیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ سول لیں ساتھ اس کے قیمت قلیل ہے

مراد یہ ہے کہ وقت ترتیباً ورجح کرنے قرآن کے لوگوں نے آیات قرآنی کو اولٹ پلٹ کر دیا اور جو آیت جہان کی تھی وہاں اُسکو نہیں کہا جس سے قرآن موجودہ کے معنی آیات تبدیل اور تغیر ہوئے جائے ہیں اور مضمون آیات کا بیربط اور ضبط ہو گیا ہے جسکی مثال بحث آیت ان خفتم الله فقسطوا اور فاكلوا ما طاب لكم میں ملیگی اور ایسی تقدیم و تاخیر کا بیان تفسیر ابن عباس میں ہی موجود ہے قرآن میں آیت اس طرح ہے۔

وَوَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ ۚ

ترجمہ: اور جب وقت پہنچے کہ تجھ کو ہمارا کائنات دیکھنا اور وہاں اَللّٰہی کہ بیشک تیرے پروردگار نے اسے نیک لافنتہ للناس والشیء

کے لیے لیا ہے اور یہی وہ ہے جنہیں

الملعونۃ فی القرآن ونحو فہم فلا یزید ہم الاطغیاناً کبیراً۔
 لیا خواب کو جو دکھایا تجھ کو مگر آزمائش
 لوگوں کے لیے اور درخت لعنت کیا
 کیا ہر قرآن میں اور ہم انکو ڈراتے ہیں تو میں زیادہ کرتا انکو مگر سرکشی بہت
 بڑی۔

تفسیر ابن عباس میں اُس تقدیم و تاخیر کو اس طرح بیان کیا ہے۔
 اَذَلَّنَا لَكَ اَنْ سَرَبَا حَاطَ ۙ
 بِالْاِنْسَانِ مَا جَعَلْنَا الْوُجُوْا لِحَقِّ
 اَرْهَاكَ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَ ۙ
 فِي الْقُرْاٰنِ الْاَفَنَتْنَا لِّلْاِنْسَانِ ۙ
 نَحْوُ فَهْمٍ فَلَا يَزِيْدُ هُمْ اِلَّا طَغْيَانًا
 كَبِيْرًا ۙ
 ترجمہ: اور جو وقت پہنچے کما تجھ کو
 بیشک تیرے پروردگار نے کبیر
 کیا آدمیوں کو اور پہنچے نہیں کیا جو
 کو جو دکھایا تجھ کو اور درخت لعنت
 کیا گید چ قرآن کے مگر آزمائش لوگو
 کے لیے اور ہم انکو ڈراتے ہیں تو
 نہیں زیادہ کرتا انکو مگر سرکشی بہت بڑی۔

جس سے ظاہر ہے کہ معنی اور مراد آیت میں اولٹ پلٹ کر
 عبارت قرآن سے کس قدر انقلاب پیدا ہو گیا ہے اور ایسی اولٹ پلٹ
 کی ہوئی اور جان کی تمان لکھی ہوئی آیات کو جنکی مراد متغیر و تبدیل
 ہو گئی اور جنکا مضمون بی ربط اور ضبط ہو گیا ہے انکو اپنے ہاتھ سے لکتے
 ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے حالانکہ اُس نوعیت سے

وہ خدا کی طرف سے نہیں ہے)

اور اس قول سے کہ **ان منہم لفریق یلوون السنۃ بالکتاب** ^{۱۱}ترجمہ تحقیق کہ ان میں سے ہر گزینہ ایسا فریق ہے جو پیرتے ہیں اپنی زبا کو ساتھ کتاب کے ^{۱۲} (دیکھو اسی آیت میں تحریف معنوی سے صیح مراد ہے۔)

اور اس قول سے کہ **اذ یبیتون ما لا یرضی من القول** ^{۱۳}ترجمہ جو وقت کہ شب میں کہتے ہیں وہ بات کہ جو پسندیدہ خدا نہیں ہے ^{۱۴} بعد فقہ رسول کے اور وہ ایسی بات تھی کہ جس سے اپنے باطل کی کجی کو درست کرنا چاہتے تھے۔ (اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ معنی اور مراد بدلتے تھے جیسے کہ یہود اور نصاریٰ میں بعد فقہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے تغیرات تورات اور انجیل میں کیے گئے اور کلمات کو ان کے مواضع سے تحریف کر دیا آیت **یجرئون الکلم عن مواضعہ** کے مقام پر مفسرین اہل سنت تحریف کے معنی تاویل کے لیکر تبدیل معنی اور مراد کے قائل ہو چکے ہیں وہی معنی تحریف کے اس مقام پر ارشاد علی مرتضیٰ میں ہیں کہ جو حقیقت علماء اہل سنت نے علی مرتضیٰ ہی سے وہ معنی سیکھے ہیں۔)

اور اس قول سے **یوینن ان یطفئوا نور اللہ بافواہم**

و یابی اللہ الا ان یم نوراً ۛ ترجمہ ۛ چاہتے ہیں کہ بجا دین نور خدا کو
 اپنے دہنوں سے اور خدا انکار کرتا ہی گریہ کہ تمام کرے نور اپنا ۛ یعنی
 اُن کو گنہگار کتاب خدا میں ثابت کروا اُس چیز کو جسکو کُسنے نہ کہتا تھا۔
 (ای خدا اُس چیز کا فائل نہتا) تاکہ خلق خدا پر تلبیس واقع ہو جاوے خدا
 نے اُنکے قلوب کو نابینا کر دیا یہاں تک کہ چوڑا اُنہوں نے اُسی کتاب میں
 اُس چیز کو کہ جسے دلالت کی اُنکے احداث اور تحریف پر یعنی نئے معنی
 پیدا کرنے پر اور غلط تاویل کرنے پر) اور بیان کیا اُنکی تمسک اور تلبیس
 کو اور چپا نیکو اُس چیز کے کہ جانتے تھے اُسکو اُسی کتاب میں
 اسی لیے فرمایا ہی اُنکے لیے ۛ بلما تلبسون الحق بالباطل ۛ
 الحق ۛ ترجمہ ۛ کیون ملاتے ہو حق کو ساتھ باطل کے اور چپاتے
 ہو حق کو ۛ اور خدا نے اُنکی مثال بیان کی ہی ساتھ اس قول اپنے کے
 ۛ فلما الذیل فین ہب جفا واما ما ینفع الناس فیمکث فیہا ۛ
 ترجمہ ۛ لیکن کف پس بیکار ہو جاتا ہی اور لیکن وہ چیز جو نفع دیتی ہی
 آدمیوں کو پس ٹھرتی ہی زمین میں ۛ پس جہاں اس مقام پر کلام ہی اُن لحد
 کا جنہوں نے اُس کلام کو قرآن میں ثابت کر دیا پس وہ کلام منحل ہو جاتا ہی
 اور باطل ہو جاتا ہی اور پر گندہ ہو جاتا ہی نزدیک تامل کے اور جو چیز کہ
 نافع ہی آدمیوں کو اُسی قرآن سے پس نازل حقیقی ہی (نزل اصل معنی

میں) کہ جسکے آگے سے اور پیچھے سے باطل نہیں آسکتا اور قلوب کو قبول کرتے ہیں۔ اور زمین سے مراد اس مقام پر محل علم اور قرار علم ہے اور زمین ہی جائزہ ستارہ عموم تقیہ (راز) کے تھیں کہ اناموں کی ان لوگوں کے کہ جنہوں نے تبدیل کیا اور نہیں (جائزہ) زیادہ کرنا چاہتے آیت اُسکی کے (ای جج معنی آیات اُسکی کے) اُس مقدار پر کہ جسکو انہوں نے از روے خود ثابت کیا ہے کتاب میں۔ اس لیے کہ اُنہیں تقویت ہوگی حج اہل تعطیل اور کفر کی اور اُن ملتوں کی کہ جو ہمارے قبلہ سے منحرف ہیں۔ اور باطل ہو جائیگا یہ علم ظاہر جسکے واسطے تحقیق فروتنی کی موافق اور مخالفت نے بسبب وقوع اصلاح کے اُنکے قبول حکم پر اور اُنکی خوشنودی پر۔ اور اس واسطے کہ اہل باطل زمانہ قدیم اور جدید میں اکثر ہیں از روے شمار کے اہل حق سے اور اس واسطے کہ صبر کرنا اور پولیان امر کے جنس ہے، دلیل قول خداے عزوجل کے کہ جو اُنے اپنے نبی کے لیے فرمایا۔

فَصَابِرْ مَا صَبِرَ اُولُوا الْعِزْمِ مِنَ الرِّسْلِ ۚ ترجمہ ۛ پس صبر کر تجسے کہ صبر کیا اُولُوا الْعِزْمِ نے رسولوں میں سے ۛ اور مثل اُسکے ہے ایجاب اُسکا اور پورا لیا اُسکے کے اور اہل طاعت اُسکے کے بدلیل قول خدا کے ۛ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۚ ترجمہ ۛ ہر اُئینہ تحقیق کہ واسطے تمہارے رسول اسد کے برابر ہی (پیروی) نیک ہے۔ (پس فرمایا علی رضی اللہ عنہ نے زندگی سے کہ) کافی ہے تیرے لیے جو اب سے اس جگہ

پر جب قدر کہ سنا تو نے اور تحقیق کہ شریعت تقیہ (راز) کے خطرہ میں ڈالتی ہے
 نصیح کرنا اس سے زیادہ کے ساتھ۔ پہر فرمایا امام علیہ السلام نے یہ جو تو نے
 ذکر کیا خطاب کا کہ جو جلالت کرتا ہے تجہین (زفر و ماگی) بنی اور انکی تحفہ اور سرزنش
 پر باوصف اسکے کہ خدا نے انکی تفضیل کو تمام انبیاء پر اپنی کتاب میں ظاہر
 کیا ہے۔ پس تحقیق کہ خدا نے ہر نبی کا ایک دشمن بشرکین سے قرار دیا ہے
 جیسا کہ اپنی کتاب میں فرمایا ہے وہ آیت یہ ہے۔ سورہ فرقان ^{۱۱۰} و لکن
 جعلنا لكل نبی عدوا ومن المحرمین ^{۱۱۱} ترجمہ ^{۱۱۰} اور اسطیج گردانا ہم
 نے واسطے ہر نبی کے دشمن گناہگار و نہیں سے ^{۱۱۱} (لفظ مجرمین جو خدا نے
 فرمایا ہے زمین ہر قسم کے گناہگار شامل ہیں مگر شرک گناہ عظیم ہی اور
 جس قدر جلالت منزلت تھی ہمارے نبی کی انکے پروردگار کے نزدیک
 اسی قدر زیادہ ہوئی محنت انکی انکے دشمن کے سبب سے کہ جس دشمن
 کی حالت مخالفت اور نفاق نے ہر ایک ذیت و برشتت ان جناب کو
 پہونچائی اسلیئے وہ دشمن حضرت کی نبوت کو دفع کرتا تھا اور ان جناب کی
 تکذیب کرتا تھا اور انکی ناخوشی کی باتوں میں کوشش کرتا تھا اور جس چیز کو وہ
 محکم کرتے تھے وہ اُسکو توڑ نیکا قصد کرتا تھا اور کوشش کرتا تھا وہ اور وہ
 لوگ کہ جو اسکے کفر و عناد اور نفاق اور الحاد میں ہیل کرتے تھے انکے
 دعویٰ کے باطل کر نہیں اور انکی ملت کے بدلہ دینے میں اور انکی سنت کی

مخالفت کر نہیں اور وہ اپنے تمامی کید میں کوئی چیز نہیں دیکھتا تھا۔ بیع تراں سے کہ وہ نفرت و لائے لوگوں کو انکم وصی کی دوستی سے اور انکو متوجش کر دیکے اور مخضر سے انکو پیر دیتا تھا اور انکی عداوت کی تخریص کرتا تھا اور وہ کہتا ہے کہ جبکہ حضرت لائے تھے اُسکے تغیر کا قصد کرتا تھا اور اس کا قصد کرتا تھا کہ جو اُس کتاب میں فضائل اہل فضل کا اور کفر اہل کفر کا ہے وہ اُس کتاب سے ساقط کر دے (از روئے معنی کے یا از روئے تفسیر پیغمبری کے) اور جس کسی نے کہ موافقت کی تھی اُسکی اُسکے ظلم اور بغاوت اور شرک میں اور ہر مینہ خدا انکی ان باتوں کو جانتا تھا پس فرماتا ہے ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا ترجمہ: تحقیق وہ لوگ کہ جو الحاد کرتے ہیں ہماری آیات میں وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے (اس آیت میں بھی اشارہ تبدیل معنی کی طرف ہی اور یہ بھی فرماتا ہے یویدون ان یدلوا کلام اللہ ترجمہ: چاہتے ہیں کہ بدل دین کلام اسد کو) (تبدیل سے مراد یہی ہے کہ کلام کے معنی کچھ سے کچھ کر دین) اور تحقیق کہ حاضر کی گئی اُنکے پاس کتاب در حالیکہ وہ کامل تھی اور شتمل تھی تاویل اور تنزیل اور محکم اور نشان اور نسخ اور نسخ پر اُس میں سے کوئی حرف ساقط نہیں ہوا نہ الف نہ لام (اس کتاب سے وہی کتاب مراد ہے کہ جو علی مرتضیٰ نے جمع کر کے پیش کی تھی اور جس کا مفصل ذکر پہلے ہو چکا ہے) پس جب وہ واقف ہو اس

امیر کہ خدائے اہل بیت اور باطل کو بیان کیا ہر یہ بطلان وہ روایت
معتد کہ کتاب السنن فیہ ہر جسکو منہ ابی لعل کیا ہر کہ پیغمبر نے دو کتابین
ربہ لعالمین کی طرف سے پیش کیں جس میں اسماء اہل جنت اور ان کے لئے
اور یہ کہ اگر ظاہر ہو کہ یہ توجہ کہہ کہ نہ ہر نہ باند ہر وہ ٹوٹ بائیکا کہا انہو
کہ میں اس کتاب کی اچھے حاجات نہیں ہر ہمارے پاس جو کچھ موجود ہر سکی
وجہ سے ہم اس سے استفادہ نہیں اور اسی واسطے کہا ہر خداوند عالم نے
فہ فہنذ وہ وراۃ ظہور ہم و اشترا بہ ثمننا قلیلا فہش ما یشترون
ترجمہ پس بینکدیا انہو نے اسکو پس پشت اپنے اور مولیٰ بعض اسکے
قیمت قلیل پس کیا ہری چیز ہر وہ جسے وہ مول لیتے ہیں پھر انکو پیش یا
اضطرار بسبب ورود ایسے مسائل کے جنکی تاویل وہ نہ جانتے تھے
جمع اسکی کے اور تالیف اسکی کے اور تضمین اسکی کے از روے خود جس
قائم ہوں ستون انکے کفر کے پس پکارا منادی انکا جس کسی کے پاس کچھ
قرآن سے ہو ہمارے پاس لے آئے (یہ مطابق ہر اس روایت کے جو
تفسیر اتقان جزو اول صفحہ ۱۰۷ میں ہر کہ پیش آئے عمراور انہو نے کہا کہ
کسی نے کچھ سیکھا ہو پیغمبر سے قرآن سے پس لے آئے) اور انہو نے
تالیف ورنظم قرآن کو بعض ایسے لوگوں کے سپرد کیا کہ جو دشمنی اولیاء خدا میں

اُنکے موافق تھے پس انہیں بعض نے ماییت کیا قرآن کو بنا برائے اختیار کے یعنی
 تفسیر پیغمبری کہ چھوڑ دیا اور تامل و دلت کرتا ہوا اس امر پر کہ اُنکی تفسیر مختل تھی وہ اس
 امر پر کہ وہ اُنہوں نے افرا کیا۔ قرآن سے اس قدر باقی رہا کہ جسکو وہ سمجھے کہ یہ اُنکے
 حق میں نافع ہے حالانکہ وہ بھی اُنکے لیے مضر ہے اور دشمن وہ چیرین زائد کر دین
 (غلط معنی و مراد ظاہر کر دی) جسکی بدنائی اور نفرت ظاہر ہے اور خداوند عالم
 جانتا تھا کہ یہ بات ظاہر ہوگی اسی سے اُس نے فرمایا ہے: "ذٰلِكَ مِبْلَغُهُمْ
 الْعِلْمَ" ترجمہ: یہ مقدار ہے اُنکے علم کی۔ اور کمال گیا اہل بصیرت پر اُنکا عیب
 اور اُنکا افرا ایسا کہ جو اُن سے کتاب میں ظاہر ہوا تحقیر بنی صلعم سے کہ وہ قرآن
 محمدین سے ہے اور اسید واسطے حقتعالیٰ نے فرمایا ہے: "يَقُولُونَ مَنكُمَا مِنَ الْقَوَلِ
 وَمَا هُوَا" ترجمہ: کہتے ہیں بُری بات اور کذب۔ اور ذکر کرتا ہے کہ بزرگتر
 ہے ذکر اُسکا واسطے نبی اپنے کے اُس خیر کا کہ جو اُنکا دشمن اُسکی کتاب میں بعد
 اُنکے حادث کر گیا (وہ خدا ذکر کرتا ہے) اپنے اس قول سے: "وَمَا ارْسَلْنَا
 قَبْلَكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ لَا اِذَا تَمَنَّى الْغَالِي الشَّيْطَانُ فِي مَنِيْلِهِ فَنَسِيخَ
 اللّٰهِ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يَحْكُمُ اللّٰهُ اَيَاةٌ" ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہے پہلے
 تجھ سے کوئی رسول و نہ نبی مگر جسوقت کہ آرزو کی اُس نے ڈال دیا شیطان نے بچ
 آرزو اُسکی کے پس نسخ کرتا ہے اسکو کچھ کہ ڈالتا ہے شیطان پہر محکم کرتا ہے اس
 آیات اپنے کو۔

مراد اُسی تحریف معنوی سے ہے۔ پہر علی مرتضیٰ نے زندیق سے خطاب کر کے فرمایا) پس سمجھ تو اسکو اور عمل کر تو اسپر اور فرمایا جناب میرا مومنین نے اسی حدیث میں بعد بیان فرماتے تاویل بعضی مشابہات کے جزا میں محبت کہ قرار دیا استدبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ امور کہ جنکو سوا اُسکے اور اُسکے انبیاء کے اور حج کے جو زمین پر ہیں اور کوئی نہیں جانتا صرف اسی نے کہ وہ جانتا تھا کہ بدل دینے والے اُسکی کتاب میں کیا کیا احداث کرینگے اسماعیل حج خدا کو کتاب خدا سے ساقط کر دینے سے (تفسیر پیغمبری در کتاب سماے اہل جنت کے بموجب) اور اس امر کو امت پر شتہ کر دینے سے تاکہ وہ اُنکی اعانت کریں اُنکے باطن پر پس خدا نے اُسی کتاب میں رموز ثابت رکھے اور اُنکے قلوب و را بصار کو نابینا کر دیا اسیلئے کہ ان امور کے ترک میں اور اُنکے سوا کے ترک میں خطاب لالت کر نوالا ہی اُنکے احداث پر اور قرار دیا اُن اہل کتاب کو کہ جو اُس کتاب کے ساتھ قائم رہنے والے ہیں اور اُسکے ظاہر اور باطن پر عمل کریں تو لے ہیں اُس شجرہ سے کہ جسکی اہل ثابت ہیں اور فرع اُسکی آسمان میں ہے اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ہر وقت اپنا سیوہ لیتا رہتا ہے (ایس علم کے مانند اُن لوگوں کے لیے کہ جو تحمل کر سکتے ہیں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہتا ہے) اور اعداد کو اُسکے اہل شجرہ ملعونہ قرار دیا کہ جنہو نے یہ قصد کیا کہ نور خدا کو اپنے دہنوں سے بچا دیں پس خدا نے انکا

کیا اگر یہ مکر نام کرے اپنے نور کو اور اگر جانتے منافقین خدا لعنت کرے انہیں
 جو کچھ ضرر انہیں ان آیات کے چوڑ دینے میں کہ جنکی تاویل میں نے تیرے
 لیے بیان کی تو انکو بھی ساقط کر دیتے ساتھ ان چیزوں کے کہ جنکو انہوں نے ساقط
 کر دیا ہے اسل رشاد کی یہ مراد ہی کہ جیسے اور تفسیر پیغمبری کو ساقط کر دیا ہے وہ
 ہی ان آیات کو بھی ساقط کر دیتے کہ جن آیات کی یہ تفسیر پیغمبری بیان کی
 گئی اگر انکو معلوم ہوتا کہ ان آیات کی تفسیر پیغمبری یوں ہی لیکن خدا تبارک
 اس کا حکم ہو چکا ہے کہ محبت خلق پر اسکی قبول ہے جیسا کہ فرماتا ہے ۛفَلِلّٰہِ
 الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ“ ترجمہ یہ خاص خدا کے لیے محبت بالغہ ہے ۛخدا نے تمکی
 آنکھوں کو ڈھک دیا اور انکے قلوب پر پردے ڈال دیے کہ اُسکے مائل سے اُنکو
 اُنکی حالت پر چوڑ دیا اور وہ حجاب میں رکھے گئے تاکہ یہ ملتبس سے اُسکے
 ابطال میں پس جو سعید ہیں وہ اسل مر پرستہ ہو جاتے ہیں اور بخت
 اُس سے نابینا رہتے ہیں ۛوَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نَوْرًا فَمَا لَہٗ نُوْرٌ“
 ترجمہ یہ اور جسکے لیے خدا نے نور نہ قرار دیا ہو اُسکے لیے کوئی نور نہیں ہے
 یہ خدا جل ذکرہ نے بسبب اپنی وسعت رحمت اور مہربانی کے جو
 ساتھ اپنی خلق کے ہے اور بسبب علم اُس چیز کے کہ جسکو بدل دینے والے
 احداث کرینگے تغیر اسکی کتاب سے تقسیم کیا حق تعالیٰ نے اپنے کلام
 کو تین قسم پر ایک قسم اسکی ایسی قرار دی کہ جسکو عالم اور جاہل سب

پہناتے ہوں اور ایک قسم ایسی کہ نہ پہچان سکے اُسکو مگر جسکا ذہن صاف
 ہو جس لطیف ہو اور تمیز صحیح ہو وہ فہم شرح اللہ صدک سراً للاسلام
 ترجمہ: پس جس کسیکا کہ کولڈیا اللہ نے سینہ اُسکا واسطے اسلام کے
 اور ایک قسم ایسی کہ جسکو نہ پہچانیں مگر اسدا اور اُسکے امین جو علم میں رہے
 ہیں اور یہ امر صرف اسلیے کیا تا آنکہ نہ دعویٰ کر سکیں اہل باطل غالبوں
 میں سے اور میراث پیغمبر خدا کے علم کتاب سے۔ اُس چیز کا کہ نہیں قرآن
 دیا خدا نے اُنکے لیے اور تا کہ کہیں لائے اُنکو طرف قبول حکم اُس شخص کے
 کہ جو دلیان امر اُنکے ہیں پس ڈھونڈنا تکبر اُن لوگوں نے اُسکی طاعت سے
 از روے غرت بنائیکے اور از روے افترا کے اور اسد غر و جل کے او
 از روے فریب کہا جانیکے بسبب کثرت مددگاروں اور معاونوں
 کے جو دشمن خداے غر و جل اسمہ اور اُسکے رسول کے تھے اور لیکن وہ
 قسم جسکو عالم اور جاہل نے جان لیا وہ فضیلت تھی رسول خدا صلعم کی
 کتاب خدا سے پس وہ ہی قول اسد غر و جل کا: ”ومن بطع الرسول
 فقد طاع اللہ“ ترجمہ: جو شخص اطاعت کرے رسول کی پس تحقیق
 کہ اُسنے اطاعت کی خدا کی اور قول اُس خدا کا: ”ان اللہ وملائکتہ
 یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً“
 ترجمہ: تحقیق اسدا اور اُسکے ملائکہ درود بھیجتے ہیں نبی پر ای جو لوگو کہ ایمان

لئے ہو درود بھیجا اور سلام کرو تم سلام کرنا۔ اور واسطے اس آیت کے
ظاہر ہوا اور باطن ہی پس ظاہر قول اُسکا ہے ۱؎ ھلوا علیہ ۱؎ اور باطن قول
اُسکا ہے ۱؎ وسلموا تسلیما ۱؎ اسے تسلیم کرو جسکو وصی کیا اُس نبی نے اور
استحلاف کیا اُس نبی نے اُسکا اور تمہارا سے فضیلت اُسکی درجہ
کہ عہد کیا اُس نبی نے اُسکی طرف از روئے تسلیم کے اور یہ اُس قسم سے
ہو کہ جسکو میں نے سچے بتایا تحقیق کہ نہیں جانتا ہی تاویل اُسکی کوئی مگر وہ
شخص کہ جس اُسکی لطیف ہوا اور ذہن اُسکا صاف ہوا اور نیز اُسکی صحیح ہو
اور ایسے ہی قول اُس (خدا) کا ۱؎ سلام علیٰ لیا سین ۱؎ ترجمہ ۱؎ سلام
ہوا پر آل یاسین کے ۱؎ اس واسطے کہ تحقیق اس نے نام رکھا نبی کا تھا
اس نام کے جیسے کہ فرمایا ۱؎ لیس والقرآن الحکیم ۱؎ نام اُس نبی کا تھا
ترجمہ ۱؎ لیس قسم قرآن حکمت والے کی تحقیق کہ تو مرسلین تین سے ہے ۱؎
ہر آئینہ جانا خدا نے اُسکو اس طور سے کہ تحقیق کہ وہ ساقط کر دینے قول
اُسکا ۱؎ سلام علیٰ ال محمد ۱؎ جیسے کہ ساقط کر دیا انہوں نے سوا اُسکے
کو رہ بیان بطور تمثیل کے ہوا اور ساقط کرنے سے مراد تفسیر پیغمبری اُسے ہے
یعنی جیسے اور تفسیر پیغمبری کو ساقط کر دیا ویسے ہی سکو بھی ساقط کر دیتا

۱؎ لفظ ۱؎ ال ۱؎ غلطی کتابت سے اُس تفسیر صافی میں رہ گیا ہے جس سے

میں ترجمہ کر رہا ہوں ۱۲ منہ

اور ہمیشہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے تیار رہتے تھے اور قربت دیتے تھے انکو اور
 بٹھاتے تھے انکو اپنے واسطے اور بایں بیاتک کہ ان دیا اسد عزوجل سے
 انکے دوسرے میں اپنے اس قول سے ”واھم ہجرا جمیلا“ ترجمہ ”جدائی
 کر کے اچھی جدائی“ اور ساتھ اپنے اس قول کے ”فاللذین کفروا قبل ان
 یصلی علیہم عن الیمین وعن الشمال عنین ایطع کل امرئ منکم
 یدخل جنتہ نعیم کلاً انا خلقناہم ما یعلمون“ ترجمہ ”پس کیا ہوگا
 ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا طر تیرے دوڑنے والے ہیں جلدی کر کے
 جانب راست اور جانب چپ سے گروہ گروہ ہو کر کیا طع رکستا ہر فرد
 انہیں سے یہ کہ داخل کیا جائے جنت نعیم میں ہرگز ایسا نہیں تحقیق
 کہ خلق کیلئے اپنے انکو اس چیز سے کہ جانتے ہیں وہ“ فرمایا دعلی مرتضیٰ نے
 زندیق سے) اور لیکن ظاہر کرنا تیرا اور اچھے نمونے قول اس خدا کے
 ”فان خفتہم الا تقسطوا فی الیتامی فانکھوا ما طاب لکم من النساء
 “ ترجمہ ”پس اگر تم ڈرو یہ کہ نہ انصاف کر سکو تم یتیموں میں نکاح کرو تم جو
 اچھی لگین تمکو عورتوں سے“ یہ امر کہ انصاف کرنا یتیموں میں نکاح عورتوں سے
 شایدست نہیں رکستا اور نہ تمام عورتیں یتیم ہوتی ہیں پس یہ بھی وہی امر
 کہ جبکا ذکر میں نے پہلے کیا کہ منافقین نے قرآن سے استقاط کیا ہوا
 درمیان میں اس قول کے کہ جو یتامی کے باج میں ہوا وہ درمیان میں نکاح

نہ سوان کے۔ ہتقد خطا با و قصہ میں کہ جو ثلث قرآن سے زیادہ ہیں
 اس موقع پر ساقط کر دینے قرآن سے یہ مراد ہے کہ اس موقع سے جہاں یہ دو آیتیں
 غیر متعلق ایک جگہ قرآن موجودہ میں ہیں ان کے درمیان سے بقدر ایک ثلث
 قرآن کے جس میں خطا با و قصہ میں ساقط کر دیا گیا ہے وقت ترتیب اور
 جمع قرآن کے اور اس کا ہر کوئی قائل ہے کہ قرآن موجودہ کی ترتیب مطابق
 ترتیب نزول کے نہیں ہے۔ اس ارشاد علی مرتضیٰ کی یہ غرض نہیں ہے کہ
 وہ ثلث قرآن جو درمیان ان دو آیتوں غیر متعلق کے قرآن میں تھا وہ قرآن
 موجودہ میں کسی جگہ نہیں ہے اور کلیۃً قرآن موجودہ سے ساقط کر دیا گیا
 ہے اور یہ امر اور جو اسکے مشابہ باتین ہیں ان چھوٹے ہیں کہ ضمن حادثہ
 منافقین کے اہل نظر اور تامل کے لیے ظاہر ہوئے ہیں اور اس کے سبب
 سے معطل لوگوں نے اور اہل بلل مخالف اسلام نے راہ قبح کی قرآن میں پائی
 ہے اور اگر میں بیان کروں تیرے لیے کل وہ جو ساقط کیا گیا ہے اور محض
 کیا گیا ہے اور بدل دیا گیا ہے اس چھوٹے کہ جو اسی قسم کی ہے ہر آیت نہ کلام طولانی
 ہو جائے اور وہ چھوٹے کہ جس کے اظہار کو تفسیر (راہ) منع کرتا ہے ظاہر ہو جائے اور
 وہ منافق اور لیا ہیں اور مثلاً لب اعدا میں لایا ہے جو موجب تفسیر پیغمبرؐ
 کے جو حکم قرآن رکھتے تھے اور مثل قرآن کے تھے (ختم ہوا ترجمہ کل قرآن)

اس تمام روایت میں جس میں ارشاد علی مرتضیٰ منقول ہے کوئی لفظ صحیح نہیں ہے کہ جس میں علی مرتضیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ قرآن موجودہ میں کوئی لفظ یا کوئی آیت کسی نے اپنی طرف سے بڑھا دی ہے یا گرا دی ہے جب ان کے ارشادات کو تا مل و تعین سے دیکھا جاتا ہے تو منشا انکا جانتا ہے کہ وہ تحریف معنوی کے متعلق ہے۔

یعنی لوگوں نے معنی اور تاویل آیات کو ایسا ظاہر اور بیان کیا ہے جسکی وجہ سے اصل معنی اور مقصود آیات قرآنی کے تبدیل ورتغیر ہو کر گسٹ بڑھ جاتے ہیں اور جو پیغمبر نے انکو تفسیر ہر آیت کی بتا دی اور لکھا دی تھی اُسکے خلاف اصلی معنی اور تاویل سے آیات قرآنی کم اور زیادہ ہو جاتی ہیں چنانچہ تمام الفاظ اس روایت کے اسلی مر پر دلالت کرتے ہیں یہاں تک کہ شروع روایت میں جہان زندیق کا خدمت علی مرتضیٰ میں آنا مذکور ہے وہاں صاف لکھا ہے کہ وہ چند آیات قرآنی سے جو مشابہ اور محتاج تاویل تھیں استدلال کرتا تھا۔

جس سے یہ نتیجہ بخوبی نکلتا ہے کہ علی مرتضیٰ نے اُسکو اصلی معنی ان آیات مشابہ و محتاج تاویل کے اور اُسکی کیفیت و حقیقت دوسری آیات قرآنی سے بتائی ہیں اور اُسکو سمجھا دیا ہے کہ معنی آیات قرآنی کے لوگوں نے غلط قرار دیے ہیں اور انکی بنیاد اور منشا کو سمجھا نہیں ہے۔

اور درمیان اس روایت کے جہاں ذکر رموز فرمایا ہوا ہے وہاں راوی نے پھر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اُن علیہ السلام نے اس حدیث میں پھر فرمایا بعد بیان کرتے تاویل بعض تشابہات کے ۱۱

جس سے کچھ شبہ نہیں رہتا کہ اُن علیہ السلام نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہوا وہ متعلق تحریف معنوی کے ہی نہ تحریف لفظی کے۔ اور اُن علیہ السلام نے جو کچھ درج نصیحت و درجیت سے ارشاد فرمایا ہے اُسکی وقعت و خوبی خود اُنکے کلام میں ایسی موجود ہے کہ جو کسی دوسرے سے اُس نہ ندیق کے سوالات کے جواب میں غیر ممکن تھی مگر چشم روشن اور دل مبینا چاہیے۔

جو سوالات کہ اُس زندیق نے کیے ہیں وہ سوالات اگر مستہر کیے جائیں تو اس وقت بھی کسی عالم سے روئے زمین کے جس نے کہ علی مرتضیٰ کے اس ارشاد کو نہ دیکھا ہو اُنکا جواب ایسا مسکتا اور سکنت اور سچا جیسا کہ علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے محال ہے۔

مصنف مخاطب بھی اپنی طرف سے زندیق کے اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دیکھ سکے نہ انبیاء کی لغزشوں کی شہرت دینے کا نہ خطا کاروں کے اسما کے کنایہ کرنے اور صاف صاف نام نہ ظاہر کر نیکا اور نہ سبلا نو تکے پیغمبر کی تعجین کا جس سے ظاہر ہوتا کہ علی مرتضیٰ نے جو جواب دیے یا ہی اُس سے مصنف مخاطب کا جواب عمدہ ہے۔

البتہ مصنف نے آئندہ موقع پر نا انصافی یا ملامت و زکلیہ نسوان کی کیا
کے متعلق جواب دیا ہے جسکی حقیقت آئندہ اسی موقع پر ظاہر ہوگی۔ ایسے ہی
علی مرتضیٰ نے جو اپنے بیان میں استدلالاً بعض دیگر آیات قرآنی کی تفسیر فرمائی
ہے اسکے خلاف پر کچھ تفسیر اپنی طرف سے لکھتے یا اپنے ہم داستانوں کی کوئی تفسیر
نقل کرتے۔

صاحب تفسیر صافی نے جیسی کہ یہ حدیث ہے ویسے ہی دیگر احادیث
علی مرتضیٰ ور دیگر ائمہ ہدیٰ کو اس مقام پر نقل کیا ہے ان سب پر یکجائی نظر کرنے
سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت کا مقصود قرآن کی
تحریف معنوی سے ہے نہ تحریف لفظی سے۔

مگر مصنف مخاطب کے ہم داستانوں نے جیسے اپنی خواہش کے بموجب
آیات قرآنی کی تاویل میں غلط کی ہیں اور انکے منشا اور مقصود کو بدلا ہے ویسے
ہی مصنف مخاطب بعض مقامات پر مفہوم حدیث علی مرتضیٰ کو جو دقیق
اور بلیغ تر ہے کیا از روئے الفاظ کے اور کیا از روئے معنی کے اسکو عمدتاً بدل
اور تغیر کر کے غلط استنباط تحریف لفظی قرآن کا کرتے ہیں۔

جہاں علی مرتضیٰ نے تحریف کر نیا لونکے مصداق پر اس آیت کو
تلاوت کر کے آیت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْرًا مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِمْ اَوْ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْكُمْ

نور اسد کو اپنے دہنوتے سے یہ تفسیر فرمائی ہے۔

”یعنی انھم ثبتوا فی الکتاب عالم جس کا ترجمہ مصنف مخاطب یہ کرتے
 یقلہ اللہ لیللبسوا علی الخلیقۃ“ ہیں ”یعنی انھوں نے لکھ دیا کتاب

میں ایسا کلام جو اسد نے نہیں فرمایا تاکہ شبہ ڈال دین مخلوق میں“

مصنف مخاطب نے لفظ ”ثبتوا“ کا ترجمہ جو (لکھ دیا) کیا ہے وہ

صحیح نہیں ہے۔ مصنف نے یہ غلط ترجمہ صرف اس غرض سے کیا ہے کہ

تحریف لفظی ثابت ہو جائے ان اگر بجائے ”ثبتوا“ کے ”ثبتوا“

یا ”ثبتوا“ ہوتا تو جو ترجمہ کہ مصنف مخاطب نے کیا ہے البتہ وہ صحیح ہوتا

صحیح ترجمہ اسکا یہ ہے (ثبت کر دیا) جسکو بلا تکلف اردو دان سمجھتے

ہیں۔ اس صحیح ترجمہ سے تحریف معنوی ثابت ہوگی نہ تحریف لفظی۔

اور لفظ ”ایسا کلام“ بھی مصنف مخاطب نے ترجمہ میں صحیح نہیں لکھا

ہے۔ پورا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”ان لوگوں نے ثابت کر دیا کتاب میں ایسی بات

کہ ایسا ایسے معنی کو جسکو اسد نے نہیں کہا یعنی اسد اسکا قائل نہیں ہے تاکہ

شبہ ڈال دین مخلوق میں“

علی مرتضیٰ کے اسل رشاد کے یہ معنی ہیں کہ ان تحریف معنوی

کرنیوالوں نے ایسی بات یا معنی ظاہر کیے کتاب میں کہ اسد جسکا قائل نہیں

تاکہ شبہ ڈال دین مخلوق میں۔

شبه مخلوق میں اُسی وقت پڑ سکتا ہے کہ جب کسی کلام متشابہ کی صلی
معنی کے خلاف دوسرے معنی بیان کیے جائیں اور جب وہ کلام متشابہ
نہوگا اور محکم ہوگا اور الفاظ اُس کلام کے غیر متشابہ ہونگے تو نہ اُسکے کوئی ذکر
معنی بیان کیے جاسکتے ہیں اور نہ مخلوق کو اُس سے شبہ ہو سکتا ہے۔

اور جس آیت کی علی مرتضیٰ نے یہ تفسیر فرمائی ہے اُسکا ترجمہ بلا خلاف
یہ ہے ”چاہتے ہیں وہ لوگ یہ کہ بجا دین نور اسد کو اپنے مُنہ سے“

معنی اس آیت کے خود اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ تحریف معنوی
اُنہیں مقصود ہے مُنہ سے نور خدا کے بجا دینے کا ارادہ اُسی وقت سمجھا
جاسکتا ہے کہ جب کوئی شخص مُنہ سے غلط معنی بیان کرے مُنہ سے نور
خدا کے بجا دینے کا مصداق اُس وقت نہیں ہو سکیگا کہ جب کوئی شخص
کسی کلام سے کسی لفظ کو نکال دیوے اور بجائے اُسکے دوسرا لفظ
لگمادیوے۔ یہ کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو جس آیت میں تحریف معنوی
نہیں مقصود ہو علی مرتضیٰ اُسکی تفسیر تحریف لفظی سے فرمائیں۔

پھر جہاں علی مرتضیٰ نے یہ آیت پڑ کر۔ آیت

”فاما الزبد فیل ھب جفاء“ } ترجمہ جو مصنعت نے لکھا ہے ”جو
واما ما ینفع الناس فیمکث“ } جاگ ہے (باطل) وہ فنا ہو جاتا ہے
فی الارض“ } بکھرا اور جو نفع دینے والا ہے (حق)

شل پانی کے) وہ ہر تاجر زمین میں ۱۱ یہ تفسیر فرمائی ہے۔
 ۱۱ فاما الزبد فی هذا الموضع ۱۱ ترجمہ جو مصنف نے کیا ہے وہ پس
 کلام الملحدین اثبتوا فی القرآن ۱۱ جاگ اس موضع میں لحدوں کا
 کلام ہے جو انہوں نے بنا دیا ہے قرآن میں ۱۱

مصنف معرض نے اس تفسیر میں جو لفظ را ثبتوا ۱۱ آیا ہے اسکا
 ترجمہ اس جگہ (بنا دیا ہے) کیا ہے اور پہلے اسی لفظ کا ترجمہ (لکھ دیا) کیا
 اگر (بنا دیا) برادر (بنا و سٹ کے) سمجھا جائے تو ہلکے کچھ اس پر عذر نہیں ہے
 جو صریح تحریف معنوی پر دلالت کرتا ہوا ہو گا نہ تحریف لفظی پر۔
 پر جان علی مرتضیٰ نے یہ فرمایا ہے۔

۱۱ ولیس یسوغ مع عموم التقیۃ ۱۱ ترجمہ جو مصنف نے لکھا ہے ۱۱ اور
 التصحیح باسما المبدلین و ۱۱ ممکن نہیں ہے عموم تقیہ کے وقت
 لا الزیادۃ فی آیاتہ علی ما اثبتوا ۱۱ میں تصحیح کے ناموں کی جنہوں نے
 من تلقاءہم فی الكتاب ۱۱ قرآن میں تبدیل کی اور اس نے یا تو
 قرآن کی آیتوں میں جو انہوں نے اپنی طرف سے لکھ دی ہیں ۱۱

اس ترجمہ میں بھی مصنف نے ۱۱ اثبتوا ۱۱ کا ترجمہ (لکھ دین)
 غلط کیا ہے اس جگہ بھی یا تو ثابت کر دین اور یا بنا دین یعنی بناوٹ
 کے ترجمہ ہونا چاہیے تھا اور صحیح ترجمہ کل عبارت عربی کا یہ ہوتا ہے ۱۱

نہیں جائز ہو یا وصف عموم مسئلہ ملازداروں کے یا وقت ملازداروں کے
تفسیر نام تبدیل کر نیوالوں کی اور نہیں جائز ہو یا ذاتی آیات اُس کے کی (راوی
بچ معنی آیات اُس کی کے) اُس مقدار پر کہ جسکو اُنہوں نے از روئے خود
کتاب میں ثابت کیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ مقصود اُس ارشاد علی مرتضیٰ کا بیشک یہ ہے کہ تفسیر (راز)
کی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ جو لوگ قرآن میں تبدیل کر نیوالے ہیں اُن کے نام
قرآن میں (اُس وقت) ظاہر کیے جائیں جیسا کہ مصنف مخاطب نے مقصود
قرار دیا ہے۔

لیکن مصنف مخاطب نے دوسرے فقرہ علی مرتضیٰ کا جو یہ مقصود
ظاہر کیا ہے کہ ممکن نہیں یا وہ آیتیں بتا دی جائیں جو اُنہوں نے اپنی طرف
سے بڑا دی ہیں اُس کی نسبت اظہار مقصود مصنف مخاطب کا صحیح
نہیں ہے بلکہ مقصود اُس ارشاد علی مرتضیٰ کا یہ ہے کہ جائز نہیں ہے آیات
اُس کی میں استغریا اُس طرح جسکو اُن لوگوں نے اپنی طرف سے کتاب میں آندہ
بیان معنی کے ثابت کیا ہے۔

یہ امر کہ تبدیل کر نیوالے جو معنی آیات کے اپنی طرف سے بیان کرتے
ہیں اُس سے زیادتی کیونکر لازم آجاتی ہے اُس مقام پر آسانی سے معلوم ہو
جہاں مصنف مخاطب نے آیات نا انصافی تیمی اور کلح نسوان کا

رابطہ اور اس کے معنی بیان کیے ہیں اور جس کے متعلق عنقریب ہم بحث کریں گے
اس جگہ ہم کو صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ اگر مسئلہ رازداری کا درمیان
میں نہیں تھا تو خدا نے بجائے اظہارِ نامِ خطا کا رومن کے کنا یہ کیوں کیا ہے
اگر یہ کہا جائے کہ خدا کی اُس مین کو بچہ مصلحت تھی تو ہم یہ کہیں گے کہ اسی مصلحت
کا نام علی مرتضیٰ نے تقیہ (رازداری) بتایا ہے۔

اس طویل حدیث میں جناب امیر نے بیشک جا بجا یہ تصریح کی ہے کہ
قرآن میں زیادتی ہوئی ہے لیکن آیات قرآنی کے معنی ثابت کرنے میں تبدیلی
کرنی والوں کی طرف سے خواہ وقت ترتیب و جمع قرآن کے آیات قرآنی کے
اولٹ پلٹ کرنے اور کہیں سے کہیں لکھ دینے میں جس سے مضمون
اور طلبِ خط اور بے ربط ہو گیا اور اس کے معنی بنانے اور درست کرنے
میں وہ زیادتی کی گئی خواہ کسی آیت کے معنی بنانے اور غلط تاویل کرنے
میں اپنی خواہش کے بموجب وہ زیادتی کی گئی۔

علی مرتضیٰ نے کہیں یہ تصریح نہیں کی کہ قرآن میں لفظوں اور آیات کی
زیادتی کی گئی ہے جیسا کہ مصنف مخاطب کا غلط استدنباط ہے اور بیشک
اس آیت کا بھی۔

اللّٰہ یکنون الکتا بک ۱۱۱ | ترجمہ: ایسے لوگ جو کہتے ہیں کہ کتاب
ثم یقولون هذا من عند اللّٰہ | اپنے ہاتھوں سے اور کہتے ہیں کہ وہ

اس کی طرف سے ہے۔

مصدقہ انہ میں لوگوں کو بتایا ہے جنہوں نے قرآن میں بڑا دیا ہے۔ اس
حیثیت سے نہیں جو مصنف مخاطب کا مقصود ہے بلکہ اس حیثیت سے
کہ آیات قرآنی کو اولٹ پلٹ کر اور کہیں سے کہیں اپنے ہاتھ سے لکھا جس
سے مضمون خطا اور بے ربط ہو گیا اور پھر اس کے معنی درست کرتے سے قرآن
کو زائد کیا جس کی ایک مثال تفسیر ابن عباس سے ہم دیکھا آئے ہیں۔
اس طرح اولٹ پلٹ آیات کو کر کے اور کہیں سے کہیں آیات دخل
خارج کر کے لوگ کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور اس کی آیات کے معنی
اپنی طرف سے قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔
پھر جہان علی مرتضیٰ نے یہ فرمایا ہے۔

”وَمِنْ أَدْوَابِهِ مَا ظَهَرَ تَنَاقُؤًا ۖ جَعَلَ تَرْجُمَةً مِّنْهَا طَبَعٌ لِّهٖ
وَتَنَاقُؤًا“ لکھا ہے اور بڑا دیا قرآن میں وہ

مضمون کہ ظاہر ہے برائی اس کی اور قابل نفرت ہونا اس کا۔
اس ترجمہ میں جو لفظ ”مضمون“ مصنف نے لکھا ہے وہ خلاف مقصود
ارشاد علی مرتضیٰ کے ہے چاہے اس کے لفظ ”معنی“ اور مراد ”ہونا چاہیے اور“
اس حالت میں ترجمہ ہو گا کہ بڑا دیا ان لوگوں نے قرآن میں اس چیز رحمتی
اور مراد کو کہ ظاہر ہے برائی اس کی اور قابل نفرت ہونا اس کا۔

جس سے مراد یہ ہے کہ تبدیل کرنے والوں اور تغیر کرنے والوں نے جو معنی اور مراد آیات قرآنی کی بجائے اسکے اصلی معنی اور مراد کے بڑے ہیں کہ ظاہر ہوا
اسکی اور قابل نفرت ہونا لگا۔

ارشاد علی مرتضیٰ سے تعریف لفظی اپنی دانست میں مصنف مخاطب
تہ کہ کریمہ بعد اس آیت کی طرف توجہ ہوے ہیں جو انصافیتوں اور
نکاح نسوان سے متعلق ہے اور جسکی نسبت زندیق نے اعراض کیا تھا کہ
انصافیتوں کو نکاح عورتوں سے کچھ شائبہ نہیں ہے اور نہ تمام عورتیں یتیم
ہوتی ہیں۔

اور جسکی نسبت علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے کہ ان دونوں فقرہ کے درمیان
سے ایک ثلث قرآن گرایا گیا ہے اور اس ساقط کردینے کی مراد ہم بیان کر آئے ہیں
کہ قرآن موجودہ میں وہ ثلث اس مقام پر ہیں یعنی وہ ثلث قرآن اس
جگہ سے ساقط کر کے دوسری جگہ شامل کیا گیا ہے۔

مجھ کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول میں پوری وہ آیت لکھوں جو انصاف
یتیموں اور نکاح عورتوں کے بارہ میں ہے پر اعراض جو مصنف مخاطب نے علی مرتضیٰ
پر کیا ہے اسکو اور اسکی حقیقت دکھاؤں تاکہ کیفیت اعراض کی خود بخود ظاہر
ہو جائے۔ آیت

۱۰ وَاَتُوا الْيَتَامَىٰ مَوَالِهِمْ وَلَا تَبْدُلُوا
 الْحَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ
 إِلَىٰ مَوَالِكُمْ إِنَّ كَانَ حُبًّا كَبِيرًا وَإِنْ
 خِفْتُمْ لَا تَقْضُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَاكْخُوا
 مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِثْلِي ثُلُثٍ
 وَرِبَاعٍ فَإِنْ خِفْتُمْ لَا تَعْدُوا حُلًّا
 أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ دَلِيلُ لَا
 تَعُولُوا وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدَقَاتِهِنَّ
 مُخْلَةً فَإِنْ طَبِنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِنْهُ
 فَانْفَسُوا فَكُلُوا مِنْهُنَّ مِمَّا كُنَّ
 فِي يَدَيْكُمْ مِنْهُنَّ
 ۱۱

ترجمہ: اور یتیموں کا مال انکو دواؤ پر
 بدلہ دے اور بڑا بعوض اچھے کے اور نہ کھا جاؤ
 انکا مال اپنے مال میں ملا کر بیشک وہ
 بڑا گناہ ہے۔ اور اگر کموڑ ہو کہ یتیموں کے
 حق میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح
 کرو تم عورتوں سے جو تمہیں اچھی لگیں دو
 دواؤ تین تین اور چار چار پر اگر کمو
 ڈ رہو کہ (انہیں) عدل نہ کرو گے تو پھر
 (تمہارے لیے) ایک ہی ہی یا وہ
 جسکے مالک تمہارے واسطے ہاتھ پوچھو
 ہیں یہ اُس سے زیادہ نزدیک ہے کہ عیال داری نہ کر سکو تم اور دید و عورتوں کو
 انکا ہر خوشی خوشی پر اگر اپنے جی کی خوشی سے وہ انکو اس میں سے کچھ چوڑ دین
 تو اُسکو کماؤ رچتا پچتا

آیت اول لذکر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ یتیموں کے متعلق ہے اور اسکا تعلق
 نکاح عورتوں سے نہیں ہے جو زمین خدا یہ حکم دیتا ہے کہ یتیموں کا مال انکو دید و ادرا
 کے عوض نہ بدلے دواؤ انکا مال اپنے مال میں ملا کر نہ کھا جاؤ
 اور یہ حکم سرسروافق اخلاق کے ہے اور اس آیت میں جو یتیموں کا ذکر ہے

انہیں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور کہی
نے انکار کیا ہے۔

بعد اس حکم کے قرآن موجودہ میں دوسری آیت کا شروع یہ ہے کہ اگر تم کو
ہو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح کرو تم عورتوں سے جو تمہیں اچھی لگیں
اگر یہ شروع آیت کا سیطرح اس محل پر سمجھا جائے جیسا کہ قرآن موجودہ
میں ہے تو صاف اُسکے معنی یہی ہونگے کہ جن یتیموں کے متعلق آیت اول لڑکوں
حکم تھا اور خدا نے اُنکے ساتھ انصاف کر نیکا حکم دیا تھا انہیں یتیموں کے متعلق یہ
حکم ہے کہ اگر تم کو نا انصافی کا یتیموں کے بارہ میں خوف ہو پس نکاح کرو تم ان عورتوں
سے جو تمہیں اچھی لگیں۔ اور جسکا صاف یہ مقصود ہو گا کہ انہیں یتیموں سے
نکاح کرو تم جنکے ساتھ نا انصافی کا خوف ہو جس میں لڑکے یتیم شامل رہتے
ہیں۔

اور اگر اس جگہ صرف لڑکیوں یتیم سے خلاف مضمون صریح کے مراد
لی جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے یتیم عورتوں کی حفاظت کے لیے تو
یہ تدبیر فرمائی جنکے ساتھ نا انصافی کا خوف ہو انکو اپنی جو رو بنا لو تاکہ انکی جو
بن جائے سے انکی محبت تمہارے دلوں میں پیدا ہو جائے اور انکے مالوں کے
ساتھ وہی ہمدردی ہو جائے جو تم کو اپنے احوال کے ساتھ ہے۔

لیکن یتیموں میں جو لڑکے شامل تھے اور انکی نسبت نا انصافی کا خوف

تہا انکی حفاظت کے لیے خدا نے کوئی تدبیر نہ کی۔

جس سے نتیجہ پیدا ہوتا ہو کہ یہ قانون خدا ناقص اور بوجہی کا ہر جسمین خدا نے لڑکوں کی یتیم کی حفاظت کے لیے خوفناک انصافی سے کوئی قاعدہ یا تدبیر لگا نہیں فرمائی۔ یا یہ قبول کیا جائے کہ لڑکیوں کی خاطر داری خدا کو منظور تھی اور لڑکوں کی خاطر داری کی کچھ پر خدا کو بقاء لڑکیوں کے نہیں ہے۔

ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ عرب میں بڑا ناہنجاریت اور دوسری قوموں میں بھی پہلے لڑکیوں اور عورتوں کی نہایت بغیرتی اور بیوقاری تھی اور مردانکی کچھ حقیقت نہیں جانتے تھے اور مذہب اسلام نے عزت اور وقار لڑکیوں اور عورتوں کا قائم کیا ہے۔

اور دوسری قوموں میں بھی جو مذہب ہو گئی ہیں وہی عزت اور وقار لڑکیوں اور عورتوں کا ہم اچکل دیکھتے ہیں۔ مگر لڑکیوں اور عورتوں کی اس عزت اور وقار کے قرار پا جلتے سے مذہب اسلام میں یا دوسری مذہب قومین یہ لازم نہیں آتا ہے کہ لڑکوں اور مردوں میں وہ بغیرتی اور بیوقاری اور اچکلے حقیقت جاننا بچائے لڑکیوں اور عورتوں کے قائم کیا جائے اور انکو موردنا انصافی بنا کر انکو محلنا انصافی میں چھوڑا جائے اور انکے حق میں کوئی تدبیر لگانا انصافی سے بچانیکے لیے نہ کیجایے جسکو نہ خدا قبول کر سکتا نہ کوئی مذہب قوم قبول کر سکتی ہے۔

جب اس آیت کا حکم نکاح یتیم عورتوں کے ساتھ سمجھا جاتا ہے تو یہ لازم آتا ہے کہ غیر یتیم عورتوں کے نکاح کا حکم اس آیت سے متعلق نہیں ہے مگر جب بعض دیگر آیات قرآنی خاص خاص شان کی ایسی موجود ہیں کہ جن کا سوا یتیم لڑکیوں کی دوسری عورتوں کے نکاح سے تعلق ہے۔ لیکن کوئی دوسری آیت سوا اس آیت کے ایسی نہیں ہے کہ صہبن دود و اور تین تین اور چار چار عورتوں کے ساتھ نکاح کی جائزت ہو۔

اور چونکہ یہ آیت متعلق یتیم لڑکیوں کے نکاح سے ہے اس لیے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ یتیم لڑکیوں کا ہیوڑا ایک شخص بذریعہ نکاح کے اپنے گھر میں بھر سکتا ہے اور یہ امر قرین قیاس بھی ہے کہ جب چند لڑکیاں یتیم شریک کسی مال کی ہوں اور انہیں انصافی کا خوف ہو تو ایک شخص کہ جس کو نا انصافی کا خوف ہو وہ ایک لڑکی کے ساتھ نکاح کرے تو وہ لڑکی نا انصافی کے خوف سے محفوظ رہ سکتی ہے اگر دوسری لڑکیاں ویسی ہی حالت خوف نا انصافی میں رہیں گی۔

اس لیے بنظر ضرورت خاص کے ان یتیم لڑکیوں شریک مال کی نسبت یہ حکم دیا گیا کہ وہ بھی ایک شخص جس کو خوف نا انصافی کا ہو دود و تین تین چار چار سے نکاح کر سکتا ہے مگر حقیقت اس تدبیر سے خوف نا انصافی ان یتیم لڑکیوں کے حق میں نزاع نہیں ہو سکتا بلکہ بحلیہ نکاح کل مال کے ساتھ میں نا انصافی کا دروازہ کھلتا ہے اور ایسی نالائق تدبیر کی خدا سے پاک اور مہربان کے ساتھ نسبت

قرآن موجودہ میں ہونا میرا دل تو نہیں قبول کرتا جس کسی سلمان کا دل چاہے قبول کرے۔

کیا قانون خدا ایسا ہی ہو سکتا ہے کہ جمیع ایسے قواعد معین ہوں اور
اُسکی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ باطل نہ اُسکے آگے سے آسکتا ہے نہ اُسکے پیچھے
سے اور کیا ان معنی کا قبول کرنا آسان ہے بقابل اُس تفسیر کے کہ جو علی رضی
فرمائی۔ اُنہو نے یہی تو فرمایا ہے وہ ان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ کے
(اور اگر خوف ہو تو مکویہ کہ نہ انصاف کر سکو تم یتیموں میں) اور فالتکھا ما طاب
لکم من النساء کے (بہن نکاح کرو تم عورتوں سے جو تمہیں اچھی لگیں) اور
سے ایک ثلث قرآن ساقط کر دیا گیا ہے اور جسکی مراد یہ نہیں ہے کہ وہ ثلث قرآن
قرآن موجودہ میں دوسرے موقع پر نہیں ہے۔ اور خود علمائے اہلسنت
قائل ہوئے ہیں کہ یہ ترتیب قرآن موجودہ موافق ترتیب نزول کے نہیں ہے
اور جب قرآن موجودہ موافق ترتیب نزول کے نہیں ہے اور کسی جگہ کی
آیت کہیں اور کسی جگہ کی آیت کہیں لکھ دی گئی ہے تو صریح ہے کہ اُنکے درمیان
سے جو مطابق ترتیب نزول کے نہیں حصہ قرآن ہر اس جگہ سے ساقط کر دیا
گیا ہے۔

علمائے اہلسنت محض اسلی مر کے قائل نہیں ہوئے ہیں کہ قرآن موجودہ
موافق ترتیب نزول کے جمع نہیں کیا گیا جس سے ساقط کرنا قرآن کا اس کے

محل ترتیب سے لازم آتا ہے بلکہ عموماً ساقط ہو جانے اور نقصان قرآن کے قائل ہوئے ہیں۔

چنانچہ تفسیر اتقان^۱ میں ابن سیرین سے روایت ہے کہ اُنہوں نے جو صحف اپنے لیے لکھا تھا اُنہیں نسخ اور منسوخ سبب تھائیں اور یہ قبول کیا گیا ہے کہ قرآن موجودہ میں آیات منسوخہ کا کچھ حصہ نہیں بڑا اور یہ ظاہر ہے کہ آیات منسوخہ کے موجود ہونے سے ہی بہت کچھ ادراک اور نفع سائل اور غانی قرآن پر ہوتا اُن آیات منسوخہ کے شامل نہ ہونے سے بیشک یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن موجودہ سے کچھ ساقط کیا گیا اور قرآن موجودہ کم ہے۔ اور صرف آیات منسوخہ کے نہ شامل ہونے کے علمائے اہلسنت قائل نہیں ہوئے ہیں بلکہ بغیر تخصیص آیات منسوخہ کے اس تعمیم کے ساتھ ہی قرآن کے ساقط اور کم ہو جانیکا اقرار کیا ہے۔

حضرت ابن عمر[ؓ] فرماتے ہیں کہ نہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ لیا گیا قرآن مکمل اور نہیں جانا جاتا کہ مکمل کیا تھا تحقیق کہ جاتا رہا اُس سے قرآن کثیر لیکن کہا جاسکتا ہے کہ لیا گیا اُس سے جو کچھ کہ ظاہر میں ہے۔

اور بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ سورۃ اخرا ب کی زمانہ نبی صلعم میں دو سو آیتیں بڑھ ہی جاتی تھیں لیکن جب عثمان نے قرآن لکھوائے ہم

قادر نہیں ہیں اس پر اے اسکے پڑھنے پر سبب موجود نہ رہے ان آیات کے
مگر جو کچھ کہ اب ہے۔

اور ابی بن کعب سے یہ روایت ہے کہ یہ راوی سے ابی بن کعب نے
کہا کہ قدر شمار کی جاتی ہے سورۃ احزاب اوی نے کہا کہ بہتر اور تتر آیتیں
ابی بن کعب نے کہا تحقیق کہ وہ سورۃ بقرہ کی برابر کی تھی ہم اس میں
آیت رجم پڑھتے تھے اور آیت رجم یہ بتائی ہے آیت

وَإِذَا نَزَلَ الشَّيْخُ فَاجْزُوا
الْبَتَّةَ نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ

ترجمہ یہ جس وقت زنا کرے بڑھا اور پڑھا
پس تہر مارو ان دو نو نکو البتہ عذاب
ہی خدا کی طرف سے اور اللہ غالب

اور حکمت والا ہے۔

اور اس آیت رجم کو سہل کی خالہ نے بھی کہا ہے کہ پڑھو یا مجھ کو رسول خدا
صلعم نے اور حمیدہ یونس کی بیٹی نے یہ کہا ہے کہ میرے سامنے پڑھا
ابی نے جبکہ وہ اشی برس کا تھا مصحف عائشہ میں۔

وَإِنْ اللَّهُ وَمَلَائِكَتُهُ يَصْلُونَ عَلَى
النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا
عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا وَعَلَى الَّذِينَ
يَصْلُونَ الصَّفْوَةَ الْأُولَى

ترجمہ یہ تحقیق کہ اللہ اور اسکے فرشتے
درود بھیجتے ہیں اوپر نبی صلعم کے اور
وہ لوگوں کو بیان لاسے ہو درود بھیجنا
اور سلام کرو سلام کرنا کر کے اور اوپر

اُن لوگوں کے کہ پہلی صفوں میں نماز پڑھتے ہیں ۱۱ حمیدہ کستی ہیں کہ ۱۱ یہ قبل سے
تاکہ پیغمبر کریم عثمان مصاحف کو ۱۱

عطا بن سید اور ابو قاسم سے روایت ہے کہ پیغمبر روحی نازل ہوئی اور
انہوں نے کہا کہ ۱۱ خدا فرماتا ہے۔

۱۱ انا انزلنا المال لاقام الصلوة	ترجمہ ۱۱ تحقیق کہ اوتارا ہم نے مال ۱۱
وايتاء الزكوة ولوان لابن آدم	قائم رکھنے نانہ کے اور دینے زکوٰۃ
وا ديا لاحبلان يكون الميراثان	کے اور اگر ابن آدم کے لیے ایک
ولو كان اليراثان في الاحبلان	جنگل ہو ہر آئینہ دوست کہے یہ
ليكون اليهما الثالث ولا يملأون	کہ ہو دوسرا اور جب دوسرا ہو تو
ابن آدم الا التراب ويتوب	تیسرے کو چاہتا ہو اور زمین بہتر
الله على من تاب	ہر خوش حال بن آدم کا گھر مٹی سے اور

توبہ قبول کرتا ہر اس جو کوئی توبہ کرے ۱۱

اور ابی بن کعب سے روایت ہے کہ پیغمبر ۱۱ بڑا لم یکن الذین
اور اُس کے بقیہ سے۔

۱۱ لو ان ابن آدم سال واحدا من	ترجمہ ۱۱ اگر ابن آدم چاہے ایک جنگل
مال فا عطير سال ثانيا وان	مال سے ہن یا جلے اُس کو مانگے گا
سال ثانيا فا عطير سال ثالثا	دوسرا اور دوسرا دیا جائے تو مانگے گا

ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب
 ویتوب اللہ علی من تاب
 وان ذات الدین عند اللہ
 الخلیفۃ ضیاء الیہود تیرہ ولا النبی
 ومن یعل خیرا فلن یکفر لا

کر گیا نیکی کا نہ انکار کر گیا اُسکا

ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ ”نازل ہوئی ایک سورہ مثل
 برات کے پر وہ اوٹھ گئی (بہول گئی) اور یاد رہ گیا اُس سے یہ۔

”ان اللہ سیئوید هذا الدین
 باقوام لا خلاق لهم ولوان لابن
 آدم وادین من مال لتنی
 وادیا ثالنا ولا یملأ جوف ابن
 آدم الا للتراب ویتوب اللہ
 علی من تاب“

ترجمہ: تحقیق کہ اللہ قریب ہے کہ مدد
 کرے اس دین کی ساتھ ایسی قوموں
 کے کہ نہ کچھ بہرہ ہو واسطے اُنکے اور
 اگر ابن آدم کے لیے ہوں جو جگہ مال
 سے ہر مینہ آرزو کر گیا تیسرے جگہ کی
 اور زمین بہرہ ہو خول بن آدم کا مگر مٹی
 سے توبہ قبول کرتا ہے اللہ اُسکی جو کوئی توبہ کرے

ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ”ہم ایک سورہ پڑھتے تھے جو مشابہ تھی ست
 ایک کے سورتوں مسجات سے بہول گئے ہم اُسکو یہ مینے یاد رکھا ہے

”یا ایہا الذین آمنوا لا تقولوا ما لا
 تعملون فانکم تبسموا دہنی
 اعناکم فنتسألون عنہما یوم القیمۃ
 اُس سے دن قیامت کے“

ترجمہ: اگر وہ لوگو کہ ایمان لائے ہو
 نہ کہو تم جو کچھ تم نہیں لکھی جاتی ہو گواہی
 تمہاری گردنوں میں پس پوچھے جاؤ گے
 حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ہم چڑھتے تھے۔
 ”لا توغبوا عن ابائکم فانہ کفر
 بکم“
 بیشک تمہونے کفر کیا تمہارے آباؤ

پہر زید بن ثابت سے کہا کہ اسے طح ہی اُسنے کہا کہ ہاں۔
 حضرت عمر نے عبدالرحمن بن عوف سے فرمایا کہ نہیں پاتا ہوں تو
 اُس میں جو کچھ کہ ہم پر نازل ہوا ہے۔
 ”ان جاہلداکما جاہلداکما“
 ترجمہ: اگر جہاد کرو تم جیسے کہ جہاد
 کیا تم نے پہلی مرتبہ“
 پس تحقیق نہیں پاتے ہیں ہم اُسکو اُسنے کہا کہ ساقط کی گئی وہ اُس میں جو
 کچھ کہ ساقط کیا گیا قرآن سے“

مسلم بن مخلد انصاری نے اپنے ہمسر سے جبکہ نام لکھے ہو ہیں
 کہا کہ یہ دو آیتیں قرآن کی بصحت میں کیوں نہیں لکھی گئیں کوئی انکو
 بنا نہیں سکا۔

یہ انسانی امت کا ہونا اور ہا جو واو
جائید وانی سپیل ابلہ با موہم
والفستور الا بشعرنا انعم بالمفلح

ترجمہ یہ تحقیق وہ لوگ کہ ایمان لائے
اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں
ساتھ والوں اپنے کے اور نفسوں ا

کے مگر کہ بہت راستہ دے جائیں کہ تم فلاح پائیو لے ہو

یہ والین او وہم ونصوہم و
جہاد واعمال القوم الذین غضب
اللہ علیہم لیسوا لیسلا تعلم نفس
عما اخفی لهم من قرآن اعلین جزا
بما کانوا یعملون

ترجمہ اور جن لوگوں نے کہ جگہ دی انکو
اور نصرت کی انکی اور جدال کیا ایسی
قوم سے کہ غضب اللہ کا ہر اُس پر ہے
لوگ ہیں کہ نہیں جانتا ہر نفس جو
کچھ کہ پوشیدہ رکھا گیا انکے واسطے

خلکی چشم سے جزا ہر اُسکی کہ کرتے عمل

ان روایات اور دیگر روایات متعدد کتب بہ سنت سے جنکو ہم
پہلے ایک موقع کے اوپر دکھا آئے ہیں کہ ہونا اور ساقط ہونا اور تغیر ہونا
قرآن موجودہ کا اچھی طرح ثابت ہوتا ہے بلکہ ساقط اور تغیر کے الفاظ وہی ان
روایات میں موجود ہیں کہ جو حدیث علی مرتضیٰ بن منقول ہوئے ہیں
کچھ شہ نہیں کہ اصحاب رسول نقصان اور ساقط ہو جانے اور تغیر
قرآن کے قائل ہو چکے ہیں یہاں تک کہ بی بی عائشہ زوجہ رسول اور دیگر علم
مسلمان یا عورتیں اُس عہد کی۔

کیا ایسی حالت میں ارشاد علی مرتضیٰ کا نہیں اراں ہے کہ
جس شانسیے انوشے فرمایا اور جسکی مراد میں نے ظاہر کی ہے وہ ہے کہ
پریشک، الزام آتا ہے کچھ دشوار ہے؟ نہیں۔ ان دنوں کے لئے کہ
ایک جگہ بیان کیے سے خدا اور اس کے قرآن پر الزام آتا ہے اس لئے کہ
ہے۔

اسی دشوار سی کیوجہ سے علی سے اہلسنت اور وہاں کے
بجائے اس کے کہ اس موقع سے سناظر کر دینے قرآن سے وائے ہر ان آیت
کے معنی بیان کرنے اور اسکی تفسیر کرنے کے وقت مجبور ہوئے ہیں کہ قرآن میں
کریں اور ایسا زیادہ کریں کہ جو معنی آیت موجودہ کے ہیں اس سے دھڑک
معنی نئے پیدا اور معنی موجودہ تنغیر اور تبدیل ہو جائیں۔

اور اسکی تقلید سے مصنف مخاطب علی مرتضیٰ پر طعن کر کے کہتے
ہیں کہ "کاش وہ زندیق کسی اور صحابی سے اس آیت کو پوچھتا تو وہ بجا
دیتا کہ اللہ یہ فرماتا ہے کہ یتیم لڑکیوں سے اسی صورت میں نکاح کرو جسکی
اپنے اوپر یہ اعتماد ہو کہ ان کے حقوق ادا کر سکو گے اور اگر تمہاری دوسری بیٹی
اسکے سوا ہوں تو ایسی صورت میں اس یتیم کے حقوق دوسری بیٹیوں
کے برابر رکھو گے اسکی حق تلفی نہ کرو گے اور اگر تمکو یہ خوف ہو کہ یتیم لڑکی
سے تفسیر کیے ہوئے طعن کے الفاظ ہم آئندہ لکھیں گے۔

ساتھ نکاح کرنے میں اُنکے حقوق سے ادا نہ ہوگئے تو دوسری عورتیں نکاح کے لیے پسند کر لیتی تھیں لڑکیوں نے نکاح نہ کروا سیکے کہ اکا باپ نہیں جو اُنکے حق کے لیے کوشش کرتا اور خود وہ ضعیف ترین ہیں اپنے لیے کوشش نہیں کر سکتیں تھیں جس پر مدت مصنف مخاطب نے اپنی طرف سے علی مرتضیٰ پر اعتراض کر دیکھے لیے یہ اسے ظاہر کی ہے وہ پردہ صاحب تفسیر کبیر اور ٹماچکے ہیں اور اُنہوں نے یہ ایک روایت جو عروہ سے نقل کی گئی ہے لکھی ہے۔

۱۱ مرمی عن عروہ قال قلت لعائشہ ما معنی قول اللہ و ان ختمت الا تقسطوا فی الیتامۃ فقالت یا ابن اختی ہی الیتیمۃ تلکون فی حجرہ لیجاء فیو غب فی مالہا و جالہا الا اندیوید ان ینکحہا با دنی من صلاتہا ثم اذا تزوج بها عاملہا معاملة زوجۃ عاقلہ انہ لیس لہا من یدب عنها و یدفع شرف لک الزوج عنها فقال تعالی و ان ختمت

ترجمہ روایت کی گئی ہے عروہ سے کہ اُنہوں نے بی بی عائشہ سے کہا کہ یہ جو ختم فرمایا ہے کہ ان ختم الا تقسطوا فی الیتامۃ یعنی اگر ڈر ہو تو کو یہ کہنا انصاف کی روگے تم یتیموں کے کیا معنی ہیں حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یتیم لڑکی اپنے ولی کی حفاظت میں ہوتی ہے اور وہ اُسکے مال و جمال کی لالچ کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ شہوے سے مہر پر اُس سے نکاح کر لے اور جب نکاح کر لیتا ہے تو بدسلوکی سے پیش کرتا

تظلموا الیتامی عندنا کما ھن
فانکھوامن غیروھن ما طاب
لکم من النساء

ہو اور اُسکا کوئی سرپرست ایسا نہیں
ہوتا کہ اُسکی حمایت کرے اور اُسکے ختم
کی بدسلوکی سے اُسکو بچائے پس خدائے

نے فرمایا کہ اگر تمکو ڈر ہو کہ نکاح کرنے سے یتیم اور کیونکر ظلم کرے گے تو اور جو
سے نکاح کرو۔

اس آیت کی تاویل یا اُسکے معنی کا بیان یا اُسکی تفسیر جو مصنف مختار
اور دیگر علمائے اہلسنت نے کی ہو اُسکی بنیاد اس روایت پر ہے جو بصیغہ
مجمول عودہ سے لی گئی ہے اور جمین بی بی عائشہ مفسرہ نے اپنی طرف سے
اور اپنی رائے سے تفسیر اور بیان کیا ہے جیسا کہ خود اس روایت سے ظاہر ہے
کہ بی بی عائشہ نے پیغمبر صلعم سے کچھ نہیں سنا تھا۔

اس آیت کا ترجمہ جو پہنچنے کیا ہے اور اُس سے جو کچھ کہ اُسکے معنی صاف
اور صریح ہیں وہ علانیہ ظاہر ہوتے ہیں اُس سے جب کلام مصنف مختار
اور دیگر علمائے اہلسنت اور تفسیر مرویہ بی بی عائشہ کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو
تو بلا تامل ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس معنی کے احداث کرنے میں اور اُس سے ایک
قاعدہ جدید اور اُسکو حکم خدا بنانے میں کس قدر قرآن موجودہ میں زیادہ
کرنا پڑتا ہے۔

آیت موجودہ میں جیسا کہ بی بی عائشہ فرماتی ہیں نہ تو یہ ہر کہ یہ یتیم

لڑکی کے مال و جمال پر اسکا ولی لالچ کرتا ہے اور نہ یہ ہی کہ وہ چاہتا ہے کہ توشہ
مہر پر اس سے نکاح کر لے اور نہ یہ ہی کہ جب نکاح کر لیتا ہے تو وہ سنبھل کر
پیش آتا ہے اور نہ یہ ہی کہ تم کیسی یتیم لڑکی ہو جس سے نکاح نہ کر سکتا ہے
کوئی اشارہ یتیم لڑکی سے نکاح کرنے پر نہیں اور ماننا نہ کہ انہیں پرہیزگار
نہ یہ حکم ہے کہ سوا ان کے دوسری عورتوں سے نکاح کرو جیسا کہ فرمایا ہے
تفسیر فرمائی ہے۔

اگر اس میں بھی اوپر مراد میں آئے نازل ہوتی تو یہ میں وہ الفاظ آئے
ہی ہوتے جو خود انہیں نے فرماتے ہیں اور جبکہ ہونا ضروری تھا اور وہ
الفاظ مذکور ہیں کہ ”عند نکاحھن“ ”وقت ان کے نکاح کے“ اور وہ
من غیوھن“ ”غیر ان یتیم لڑکیوں کے“

یعنی اگر خوف ہو کہ وہ انصاف نہ کرے کہ وہ تم یتیم لڑکیوں کے
بارہ میں (وقت ان کے نکاح کے) پس نکاح کرو تم وغیر ان یتیم لڑکیوں سے
جو کہ اچھی لگین تکو عورتوں سے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس آیت میں نہ صریح کوئی لفظ ہے نہ کوئی ایسا لفظ ہے
جو اس مضمون اور مراد پر دلالت کرتا ہو جیسا کہ مصنف مخاطب و مرسل
اہلسنت کہتے ہیں کہ ”یتیم لڑکیوں سے“ اسی صورت میں نکاح کرو جب تک
اپنے اوپر یہ اعتماد ہو کہ ان کے بقول ادا کر سکو گے اور اگر تمہاری دوسری

بیایاں اسکے سوا ہون تو ایسی صورتیں اس یتیم کے حقوق دوسری بیبیوں کے برابر کہو گے، اُسکی حق تلفی نہ کرو گے اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں اُنکے حقوق تسے ادا نہ ہونگے تو دوسری عورتیں نکاح کے لیے پسند کر لو یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کرو اس لیے کہ اُنکا باپ نہیں جو اُنکی حق اس کے لیے کوشش کرتا اور خود وہ صغیر سن ہیں اس لیے کوشش نہیں کر سکتیں۔

جو معنی اور مراد اس آیت کی مصنف مخاطب یا علمائے اہلسنت نے ظاہر کیے ہیں اگر یہ آیت اُسی معنی اور مراد میں نازل ہوئی تو ضرور تھا کہ کم سے کم اُسکے یہ الفاظ ہوتے۔

ان خفتم الا تمس طوافی لیتا
(عند نکاحهن) فلا تلکھن و
انکھوز من غیرهن) ما طاب
لکم من النساء

ترجمہ اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کرو گے وقت نکاح اُنکے تو اُن سے نکاح نہ کرو اور اُنکے سوا اور عورتوں سے جو پسند ہوں نکاح کرو۔

اور یہ شکل جو پیش آتی ہے کہ لفظ یتامی میں یتیم لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں اور معنی اُسکے صرف یتیم لڑکیوں سے مخصوص کیے جاتے ہیں وہ ان الفاظ کے زائد کرتے ہی رفع نہیں ہو سکتی جب تک کہ لفظ یتامی کے ساتھ لفظ من النساء نہ بڑھایا جائے۔

اس آیت کے جو معنی بی بی عائشہ اور مصنف مخاطب اور علیؓ اہلسنت
بتائے ہیں چارہ نہیں ہو بجز اسکے کہ اس میں مضمون اور الفاظ زائد کیے جائیں
خواہ زائد یہ لفظ ہوں محمدؐ کا حصہ فلا تنکھون ۱۱۔ وقت نکاح
انکے پس نہ نکاح کرو ان سے راوی ان یتیم لڑکیوں سے (اور میں غیر ہوں ۱۱
اور یہ سوا انکے ۱۱) (نکاح کرو تم سوا ان یتیم لڑکیوں کے جو اچھی لگین تکو)
خواہ کوئی دوسرے الفاظ زائد ہوں ہم مضمون اسکے مگر بغیر الفاظ زائد کیے
ہوے وہ معنی کسی طرح قرار نہیں پاسکتے ہیں کہ جو بی بی عائشہ یا علیؓ
اہلسنت یا مصنف مخاطب نے بیان کیے ہیں اور وہ خود بھی کسی شان
سے کہیں ان زائد الفاظ کے لکھنے پر اور مضمون بڑھانے پر مجبور ہو جائیں۔
اس مضمون اور الفاظ زائد کو تفسیر نہیں کہہ سکتے تفسیر وہ ہوتی ہو کہ
جس میں کسی اجمال کی تفصیل ہو تفسیر اسکو نہیں کہتے ہیں کہ اصل متن کا
مضمون تبدیل ہو کر دوسرا مضمون پیدا ہو جائے اور اصل متن کے
تبدیل مضمون کے لیے اور دوسرے معنی پیدا کر نیکیے لیے الفاظ زائد
کیے جائیں۔

مصنف اور علیؓ اہلسنت نے اسی آیت کے معنی بتائے ہیں
جو الفاظ اور عبارت زائد ظاہر کی ہو وہ ایک واقعہ نظیری ہو علی رضی کی
تصدیق اس ارشاد کا کہ تحریف معنوی کے وقت کس طرح تبدیل و تغیر

کرینو اسے قرآن میں زیادتی کرتے ہیں۔ بڑی خیر ہوئی کہ اُس نے ندیق بنے علی مرتضیٰ سے اس آیت کو پوچھا ورنہ اسے رسول میں وہی تفسیر ملتی رہتی کہ جو بیانی عائشہ نے اپنی رائے سے فرمائی ہے اور جو رتبہ تحریف کا رکھتی ہے۔

مصنف مخاطب نے علی مرتضیٰ پر اس موقع پر یہ طعن کی ہر کہ: افسوس ہے کہ جناب میرے ایک نے ندیق مخالف اسلام کے مقابلہ میں تحریف قرآن کی آڑ میں پناہ لی اور اس آیت کے ربط دینے سے عاجز ہو گئے کیا یہی نائب رسول اور امام مقرر ضلالت سے جو قرآن کو آنا ہی نہیں سمجھتے تھے؟ جو حقیقت حدیث جناب میر کی دکھائی گئی ہے اُس سے ظاہر ہے کہ جناب میر نے ندیق کے مقابلہ میں تحریف لفظی قرآن کی آڑ میں پناہ نہیں لی اس موقع پر جو انکا ارشاد ہے اُسکا نتیجہ یہی ہے کہ آیت۔

”ان خفتما لا تقسطوا فی الکتاب“ (ترجمہ: اگر خودت ہو نہ کہو یہ کہ نہ انصاف کر سکو تم یتیموں کے بارہ میں) اور جگہ کی ہے

اور آیت

”فاکھوا اطاب لکم من النساء“ (ترجمہ: پس نکاح کرو تم جو اچھی لگین تم کو عورتوں سے) اور جگہ کی ہے۔

اور ترتیب قرآن کے وقت جمع کرینو الو سننے ان دونوں آیتوں کو ایک جگہ لکھ دیا میر جسکو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ

خدا کی طرف سے ہر حال انکہ وہ اس نوعیت سے خدا کی طرف سے نہیں ہو
 البتہ بی بی عائشہ نے اپنی تفسیر میں تخریفات قرآن کر کے حصاً تخریفات
 کا دروازہ کھول دیا ہے جبکہ ائمہ علمائے اہلسنت اور مصنف مخاطب
 گسٹ چپے ہیں۔

علی مرتضیٰ نے گو غلط ترتیب سے جمع کرنا والوں پر الزام لگایا ہے
 لیکن خدا کو اور قرآن کو اس الزام سے بچایا ہے کہ جو خدا پر حرمی اور قرآن پر
 نقص کا الزام آتا ہے اگر موجودہ حالت پر اس آیت کے معنی ایسے جان
 علی مرتضیٰ نے الزام تخریفات اور تبدیل معنوی آیت کا رائد عبارت
 الفاظ کرنے سے اپنے آپ کو مورد نہیں بنایا اور نہ وہ اپنے آپ کو مورد ہے
 الزام کا خلاف حقیقت اور خلاف اپنے علم کے بنا سکتے تھے اور نہ
 وہ محض اپنی رائے سے ایسی تفسیر کر سکتے تھے جیسے کہ بی بی عائشہ نے
 اپنے آپ کو مورد الزام بنایا ہے اور اپنی رائے سے تفسیر فرمائی ہے اور علمائے
 اہلسنت اور مصنف مخاطب اس کی تائید کرتے چلتے ہیں اور ہر کوئی
 الفاظ اور عبارت زیادہ کر کے آیت کے مقصود کے بنانیکے لیے تخریفات
 لفظی اور معنوی قرآن کی آڑ میں پناہ لیتا ہے۔

علی مرتضیٰ اس آیت کے ربط دینے سے عاجز نہیں ہو گئے بلکہ وہ
 خلاف اپنے علم اور حقیقت کے متغیر اور تبدیل کرنا لوگ کے بی ربط فعل

کے رہا کی طرف توجہ ہی نہیں کر سکتے تھے اُنکے ارشاد کو تجربہ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اُنکا ارشاد معجزہ ہے کہ جیسا اُنہوں نے تغیر اور تبدل کر دیا تو انکی نسبت زیادہ کر نیکا قرآن میں فرمایا تھا وہ اس آیت کے متعلق اُن لوگوں کی بابت ثابت ہو گیا۔

اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ نائب رسول و امام مقرر ضابطہ اطاعت ایسے ہی ہوتے ہیں اور قرآن کو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ اُنکا سمجھنا اُنکے بنائے ظاہر ہے جس میں تغیر اور تبدل کر دیا تو اُنکے قول و فعل ظاہر کرنے میں کچھ باک نہیں کیا۔

نائب رسول و امام مقرر ضابطہ اطاعت اور قرآن کے سمجھنے والے ایسے نہیں ہوتے ہیں کہ جہاں قرآن کے معنی اُنکی سمجھ میں نہ آئیں وہ علی مرتضیٰ اور اہلبیت اور عترت رسول سے تو نہ پوچھیں اور ترقیب قرآن میں وقت جمع کرنے اُنکے کے جو دخل اور فصل ہوا ہو اُنکو چپا کر اپنے رائے سے ایسے معنی اور مقصود قرآن کا بیان کریں کہ جو حقیقی معنی اُنکے نمون اور اُسل بنی رائے سے بیان کرنے میں عبارت اور الفاظ قرآن میں زیادہ کرنے پر دوسرے معنی قرار دینے کے لیے مستعد ہو جائیں اور خلاف ترتیب نزول کے آیات قرآنی میں فصل کر کے اُنکو بڑھادیں۔

اس مقام پر مسلمانوں کو اختیار ہے کہ اس آیت کی تفسیر چاہیں وہ قبول کریں کہ جو روایت بی بی عائشہ اور عروہ سے صحیفہ مجہول میں منسوب کی گئی ہے اور چاہیں اس حدیث کو قبول کریں جو علی مرتضیٰ نے فرمائی ہے۔

علی مرتضیٰ طعن میں مصنف مخاطب یہ بھی ترقی کرتے ہیں کہ ”بالفرض اگر اس موقع سے ایک نکتہ قرآن ساقط ہو گیا تب بھی تو حاتم موجودہ میں بہت اچھا ربط پیدا ہو گیا تا مگر جناب میر علیہ السلام کی سبجہ میں نہ آیا آخر تحریف کریں والے بھی تو ایسے کامل تھے جو خدا کے کلام میں اپنا کلام ملا تھے بلکہ ان کے تصرف سے کلام بے ربط کیسے ہو سکتا تھا۔“

گر ایسی رائے کسی پہلو سے صحیح نہیں ہے۔ حالت موجودہ میں ہرگز ربط پیدا نہیں ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔ ندیق کا اعتراض قطعی اُس پر وارد ہوتا ہے اور وہ خرابی اور نقص لازم آتا ہے جسکو ہم تصحیح سے بیان کرتے ہیں۔

اس آیت کے اولٹ پلٹ اور کہیں کے کسی جگہ لکھ دینے سے تحریف کرنے والوں کی کامیت ہرگز ظاہر نہیں ہوتی بلکہ اُن کے اس فعل سے جو نقص لازم آتا ہے وہ اُن کو آئینہ دکھاتا ہے کہ جو اُن کی کامیت پر داغ لگاتا ہے۔ البتہ اُن بے ربط کرنے والوں سے اُن لوگوں کا زیادہ کابل ہونا پایا جاتا ہے۔

کہ جو الفاظ اور عبارت اُس آیت میں زیادہ کر کے اور اُس کے معنی کو متبدل اور
متغیر کر کے دوسرے معنی پیدا کرتے ہیں اور خدا کے کلام میں اپنا کلام ملا
ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اسی موقع پر نظر اُس اشارہ کے جو ارشاد علی مرتضیٰ میں ہی مصنف
مخاطب کے کالمین سے بہتر ربط دکھاتا ہوں کہ ٹکڑا آیت میں ان ختم
الافتسوا فی الیتی، ٹکڑا کس آیت کا ہے اور جس آیت کا یہ ٹکڑا ہے اُسی
آیت کے درمیان خط ہلالی میں میں اس ٹکڑے آیت کو لکھتا ہوں۔
اور آیت میں فالتھوا ما طاب لکم کس جگہ کی ہے اور اُس کو یہی خط ہلالی میں
لکھ دوں گا جس سے اہل نظر کو زیادہ اطمینان ہوگا اُس ربط پر جو میں دکھاتا
ہوں۔ آیت۔

وَلَيْسَتْ فِتْنَةٌ فِي النِّسَاءِ قُلْ	ترجمہ: اور فتویٰ چاہتے ہیں تجھے
اللَّهُ يَفْتِكُم فِيمَنْ رَفَا نَحْوًا طَا	وہ لوگ بچ عورتوں کے (اے کتنی عورتوں)
لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنِي وَثَلَاثَ	کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں اور ان کے
وَرِبَاعَ فَإِنْ خَفَمَ الْاَتْعَدَ لَوْ	مہر کے بارہ میں) کہ تو اسی پیغمبر
فَوَاحِدًا أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ	اسد فتویٰ دیتا ہے کہ کو ان عورتوں کے
ذَلِكَ أَدْنَى لَا تَقُولُوا وَاسْتَوْ	بارہ میں (پس نکاح کرو تم جو کچھ چاہی

النساء صدقا تهن محلة فان
 طبن لكم عن شيء منه نفساً
 فكلوه هنيئاً مريئاً (وما ينطق
 في الكتاب في يتامى للنساء
 التي لا توتهن ما كتب لهن
 وترغبون ان تنكهن وان
 من الاولاد ان تقوموا للينا
 بالقسط وما تفعلوا من خير
 وان خفتم الا تقسطوا في اليتيم)
 فان الله كان به عليماً

لگین مکھو عورتوں سے دود اور تین تین
 اور چار چار اور اگر خوف ہو مکھو یہ کہ نہ
 عدل کر سکو گے تم پس ایک یا جبکہ
 مالک ہوے داسہنے ہاتھ تمہارے
 یہ زیادہ نزدیک ہو کہ عیال داری نہ
 کر سکو تم اور دو تم عورتوں کو مہر ان کے
 خوش خوش پس اگر خوشی سے دین
 مکھو کچھ اُسین سے اپنے آپ پس
 کہا و تم اُسکو خوشگوار بچتا ہوا اور
 جو کچھ کہ پڑھا جاتا ہی تمیز چ کتاب کے

بارہ میں یتیم عورتوں کے ایسی کہ نہیں دیتے ہو تم اُنکو جو کچھ کہ لکھا گیا ہو واسطے
 اُنکے اور رغبت کرتے ہو تم یہ کہ نکاح کر دو تم اُن سے اور ناتوان لڑکوں کے بارہ میں
 (یہ عطف ہی یتیم لڑکیوں پر یعنی جو کچھ پڑھا جاتا ہی تمیز چ کتاب کے بارہ میں
 یتیم عورتوں کے اور ناتوان لڑکوں کے) اور یہ کہ قائم رہو تم واسطے یتیموں کے ساتھ
 انصاف کے اور جو کچھ کہ کر سکو تم کوئی سے (اور اگر خوف ہو مکھو یہ کہ نہ
 انصاف کر سکو تم چ یتیموں کے) پس تحقیق کہ خدا ہی ساتھ اُس خیر کے جاننے
 والا کہ وہ تمہارے حسن اخلاق اور بیدار خلاق کی مکھو خیر اور سزا دے گا۔

دیکھو اس ترتیب و ربط سے وہ خرابی اور نقص نفع ہوتا ہے جو حالت
موجودہ قرآن میں ”وَأَنَّ خِفَتَ الْأَقْطَاطِ فِي الْبَيْتِ“ کو ”فَانْجُوا مَا
طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ“ سے ربط دینے میں پیدا ہوتا ہے جس کو ہم اوپر لے
کر آئے ہیں۔

اور یہ دونوں فقرے آیت کے جس آیت کے درمیان پہنچے شامل
کیے ہیں اُس میں شامل ہونے سے کوئی خرابی اور نقص پیدا نہیں ہوتا نہ لفظی
نہ معنی میں نہ اپنی طرف سے کسی لفظ اور عبارت کے زیادہ کر نیکی ضرورت
ہوتی ہے اور نہ کوئی دوسرے معنی پیدا ہوتے ہیں اور نہ کسی دوسرے معنی
بنانیکی حاجت ہوتی ہے۔

بلکہ جس آیت میں کہ یہ فقرے آیت کے شامل کیے جاتے ہیں اُن کے
شمول کی وجہ سے اُس آیت کی حالت موجودہ کے مضمون اور مراد میں جو
نقص ہے وہ ہی نفع ہو جاتا ہے اور وہ نقص یہ ہے کہ وہ آیت موجودہ اس
طرح ہے۔

”وَلَيْسَتُنَّ فِي النِّسَاءِ قُلُوبٌ“ ترجمہ اور فتویٰ پوچھتے ہیں تجسہ وہ
اللہ یفتیکم فیہن وما یتلٰ علیکم لوگ عورتوں کے بارہ میں کہ تو اسے نہیں

لے اور اگر خوف ہو تو یہ کہ نہ انصاف کر سکو گے تم بیوی کے حق میں اسے پس نکاح
کر دو تم جو اچھی لگین تو کو عورتوں سے۔

فِي الْكِتَابِ فِي تَيَامُلٍ لِّلنِّسَاءِ الَّتِي
لَا تُوَظَّنُّهُنَّ مَّا كَتَبَ لِهِنَّ اَنْ
تَكُوْهُنَّ ۚ وَالْمُسْتَضَعْفَيْنِ مِنْ
الْوِلْدَانِ وَاَنْ يَقُوْمَا لِّلنِّسَاءِ
بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْنَ مِنْ خَيْرٍ
فَاَنْ اَللّٰهُ كَانَ بِعَلِيْمًا

فتویٰ دیتا ہے کہ عورتوں کے لئے اس مقام
پر چاہیے کہ عورتوں کے باب میں جو کچھ
فتویٰ ہو وہ بیان کیا جائے جیسا کہ
ہے آیت اجازت نکاح چند عورتوں کے
ساتھ اس جگہ لکھی ہے مگر آیت موجود
میں وہ فتویٰ تو بیان نہیں کیا گیا اور

حرف عطف کے ساتھ یہ کہا گیا ہے اور جو کچھ پڑ جاتا ہے تیسرے عورتوں کے
بارہ میں ایسی کہ نہیں دیتے ہو تم انکو جو کچھ لکھا گیا ان کے لیے اور رغبت کرتے
ہو تم یہ کہ نکاح کرو تم ان سے (غیر بیان فتویٰ کے عورتوں کے بارہ میں حرف عطف
کے ساتھ ایک دوسرا ایسا بیان یتیم عورتوں کی بابت کہ جو قرآن میں پہلے
نازل ہو چکا ہو شروع ہونا کس قدر بے محل و بے ربط اور مضمون کو مختل کرنا
باعث نقص قرآن ہے اور ناتوان لڑکوں میں سے اور یہ کہ قائم رہو تم یتیموں
کے لیے ساتھ انصاف کے اور جو کچھ کہہ سکو تم کوئی سے پس تحقیق کہ اس
ہے ساتھ اس کے جاننے والا

اس فقرہ آیت حالت موجودہ میں یتیموں کے ساتھ انصاف کے
ساتھ قائم رہنے کا بیان تو موجود ہے لیکن یتیموں کے ساتھ اتنا انصاف
کا بیان شروک ہے جس سے اس موقع پر ایک قسم کا نقصان لازم آتا ہے۔

اور ٹکڑے آیت ”ان خفتم الا تقسطوا فی الیتمیٰ“ کے شامل ہونے سے یتیموں کے بارہ میں نا انصافی کرنیکی حالت بھی بیان ہو جاتی ہے اور اخیر کو خدا فرماتا ہے کہ تحقیق اللہ ہو گا ساتھ اُسکے جاننے والا۔ اُسکی فصاحت اور بلاغت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس موقع پر انصاف اور نا انصافی یتیموں کے ساتھ دونوں کا بیان ہے۔

خدا نے جو اپنے آپ کو اس موقع پر جاننے والا ظاہر کیا اُسکے ہی معنی ہو سکتے ہیں کہ اگر یتیموں کے ساتھ انصاف کرو گے تو بھی خدا اُسکو جانیگا اور تم کو جزا دے گا اور اگر تم یتیموں کے ساتھ نا انصافی کرو گے تو بھی خدا اُسکو جانیگا اور تم کو سزا دے گا اگر اس موقع پر صرف یتیموں کے ساتھ انصاف کا ذکر ہوتا تو خدا اس موقع پر اپنی صفت ”علیم“ کی نظر فرماتا جو فعل حسن اور قبیح کے علم کو شامل ہوتی ہے اس صفت علیم کے اظہار میں فعل حسن اور قبیح کے علم کا خود اِشاٰ موجود ہے اگر اس آیت میں صرف ذکر انصاف کا یتیموں کے ساتھ ہوتا تو خدا ایسے الفاظ فرماتا کہ خدا تم کو جزا دینے والا ہے اور تمہارے ساتھ مہربانی کرنے والا ہے۔

اس میرے ربط اور ترتیب سے لفظ ”یتامیٰ“ کی جو تخصیص یتیم کرکون کے ساتھ نبی بی فائشہ اور علیہ السلام سنت اور صفت مخاطب کو کرنی ہے ترجمہ ”اگر خوف ہو گا تو یہ کہ نہ انصاف کر سکو گے تم یتیموں کے بارہ میں۔“

پُری ہر اُس شخصِ نصیب کی ضرورت نہیں رہتی اور مضمونِ آیت کا اس صورت میں جیسا کہ میں نے اُسکی ترتیبِ ظاہر کی ہے لفظ بے نیامی " حاوی اُرکون اور اُرکون دونوں کے لیے ہوتا ہے۔

میں نے جس ترتیب سے ربط ان آیتوں کا ظاہر کیا ہے اُس سے نقصان ہر آیت کا رفع ہوتا ہے مگر مجھ کو خدا اُس لزام سے بچائے اور اُس گناہ میں ماخوذ نہ کرے کہ جو اُس آیت کا مصداق ہو جو لوگ کہہ لیتے ہیں کتا بگو اپنے ہاتھ سے (خلاف اُسکی ترتیب کے اور جس سے معنی اور مضمون بڑھتا ہے اور ضبط ہو جاتا ہے) پھر کہتے ہیں کہ یہ نزدیک خدا سے ہے!

میں اس آیت کے مصداق ہونے سے اپنی محفوظی اس واسطے چاہتا ہوں کہ مجھ میں وہ جرأت نہیں ہے کہ جو مصنفِ مخاطب کو اور اُنکو کہ جسکی وہ تقلید کرتے ہیں تہی۔ اور اگر میں نے یہ ربط آیات صحیح دکھایا ہے اور علمِ الٰہی میں موافقِ ترتیب کے ہے تو مجھ کو ثواب اور دوسرے مسلمانوں کو ثواب ہو گا اور کم سے کم مصنفِ مخاطب جان لین گے کہ جب کو اُنہوں نے کا ملین فرض کیا ہے وہ درحقیقت کامل نہیں تھے اور زمانہ اسوقت میں ہی اصلی کا ملین سے خالی نہیں ہے۔

پھر مصنفِ مخاطب نے خاتمہ پر جو یہ کہا ہے کہ "وہ نزدیک سے جتنے اعتراض قرآن پر کیے جنابِ میرٹھ سے ایک ہی جواب نہ دیا گیا" غلط

ہی پہنچے وہ پوری روایت اسی لیے نقل کر دی ہے جس سے غیر صحیح ہونا بیان
مصنف مخاطب کا خود بخود ظاہر ہو جائیگا اور ہر حال کے جواب میں علی
مرتضیٰ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا ہے کہ یہ بیان قرآن میں تخریف ہو گئی ہے۔
بلکہ زندیق کے جواب دینے کے لئے یہاں یہاں ایسا موقع تھا اور
جسکے متعلق انکو علم حقیقی تھا صرف اُسی جہاں اس نے قرآن کی تخریف کا اُسی
حیثیت سے فرمایا ہے کہ جسکا تعلق اولیٰ پلٹ کر دینے آیات اور ایک
جگہ سے دوسری جگہ شامل کر دینے سے تا جس سے معنی خطا اور مضبوط
ہو جائے یا جہاں کمین مقصود آیات از روسے غلط تاویل کے احداث
کیے گئے تھے لفظی تخریف جیسا کہ مصنف مخاطب کی غرض ہے علی تعنی
کے ارشاد سے مطلق مستنبط نہیں ہوتی ہے۔

ایسا جواب اپنی عیب پوشی کے لیے عجیب حیلہ کہ جہاں مخالفین
نے طعن کیا اور جواب نہ بنا دیا وہیں تخریف بتا دئی اس وقت ہو سکتا ہے
کہ جب علی مرتضیٰ کو علم حقیقی یا خود علم پیغمبری سے نوازا حقیقت علی
مرتضیٰ نے اپنے ارشاد میں اس عیب پوشی کو کھولا ہے کہ جو لوگوں نے اپنی
عیب پوشی کے لیے ترتیب قرآن میں حیلہ کیا ہے۔

اور علی مرتضیٰ کی وہ شان تھی کہ جب کسی مخالف یا موافق کو کسی چیز
کا علم نہ تھا تو علی مرتضیٰ سے پوچھتے پہرتے تھے اور ان سے جواب پھر

اور ہر مسئلہ کا لیتے تھے ہاں غیر علی مرتضیٰ اور غیر عترت رسول کے کچھ لوگوں کی ایسی عادت تھی کہ جب کوئی امر انکو معلوم نہ ہوتا تھا اور اس میں علی مرتضیٰ یا عترت رسول سے دریافت کرنا نا مناسب اور خلاف مصلحت سمجھتے تھے تو اپنی خواہش کے موافق اپنی رائے سے جو جی میں آتا تھا کہہ دیتے تھے اور کچھ پردہ اسکی نہیں کرتے تھے کہ وہ خلاف حقیقت اور مخالف سنت رسول ہو کہ نہیں جسکی سیکڑوں نظیرین خود کتب اہلسنت میں موجود ہیں اور جنہیں سے کسب قدر ہم موقع موقع سے پہلے دکھا آئے ہیں۔

علی مرتضیٰ کو اس امر کی حاجت ہی نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی رائے سے کچھ کہیں انکو بموجب تعلیم پیغمبر کے ہر امر کی حقیقت اور حالت معلوم تھی اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جسکے متعلق انکا علم یا خود علم پیغمبری سے نہ ہوا نہ انکی ایسی خصلت تھی کہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے کوئی امر ظاہر یا اختیار کریں انکی تعلیم اور تربیت روز پیدائش سے پیغمبر کے ہاتھ میں رہی اور پیغمبر نے اپنی خصلتوں کو انہیں کوٹ کوٹ کر بہر دیا تھا۔

پھر مصنف مخاطب اپنے غندیہ میں لطیفہ جھکریہ سناتے ہیں کہ
اسکو قرآن میں آل محمد پر سلام کہنا منظور تھا مگر اللہ جانتا تھا کہ سلام علی
آل محمد کیلئے تو تحریف کرنے والے اسکو کالڈ الین گئے اسلیئے اللہ نے
اپنے پیغمبر کا نام لیں رکھا اور سلام علی آل یسین فرمایا۔

اور نفسی جانی سے اسکی سند لائے ہیں۔

”و فی الاحتجاج علیٰ مبراہیمؑ
قال ان الله سمیٰ لنبی بهذا الا
حیث قال لیس والقرآن
الحکیم لعلمنا انهم یسقطون
سلام علی ال محمد کما استقطوا
غیرہا“

ترجمہ جو مصنف مخاطب نے کیا
ہے اور احتجاج میں امیر المومنینؑ
علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں
نے فرمایا ہے کہ اس نے اپنے نبی کا
نام میں رکھا چنانچہ فرمایا یس
والقرآن الحکیم“ اس لیے کہ اس

جانتا تھا کہ اگر سلام علی ال محمد کسی کا لڑالین گے جیسے اور
آیتین نکال لڑالین“

اس پر مصنف مخاطب یہ عن کرتے ہیں کہ ”محر فین کا خوف یہ
پر ہی ایسا غالب تھا کہ اُس نے پیغمبر کا نام بدل کر آل پیغمبر پر سلام کہا تاکہ
محر فین کی سمجھ میں نہ آئے اور ترجمہ جاتے تو ضرور نکال دالتے ہیں جس نے
نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اُس کو ایسی مجبوری پیش ہی تو
اب قرآن کی حفاظت کی کیا صورت تھی“

مصنف نے اس روایت کے ترجمہ میں اگرچہ کچھ اور بھی گڑبڑ
مگر لفظ ”آیتوں کا“ بالکل غلط لکھا ہے اور صرف اُس کا ترجمہ ہی غلط نہیں
کیا بلکہ اصل عبارت عربی میں جو سب سے اخیر میں ہے بجا ہے ضمیر

نذر کے ضمیر مؤنث لکھی ہے اور اسوجہ سے وہ ضمیر آیت کی طرف کسی طرح نہیں پہنچ سکتی۔

صحیح ترجمہ اسکا یہ ہے کہ: ”اخراج میں منقول ہے امیر المؤمنین سے کہ فرمایا: ”انہو نے کہ نام رکھا خدا نے بنی کا ساتھ اس (یس) نام کے بطور کہ فرمایا خدا نے: ”یس والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین“۔“ لیس قسم ہے قرآن حکمت والے کی تحقیق کہ تو ہر آئینہ مرسلین سے ہے، ہر آئینہ جانا خدا نے تحقیق ان لوگوں کو ساقط کر دینگے سلام علی آل محمد جیسے کہ ساقط کیا ان لوگوں نے غیر اُسکے کو۔“

اُس حدیث علی مرتضیٰ بن ہی جو بمقابلہ نہ ندیق کے فرمائی ہے اور جسکا پورا ترجمہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں یہ ارشاد علی مرتضیٰ کا موجود ہے اور اسے ہی قول اُس خدا کا: ”سلام علی الیاسین“ تحقیق کہ اس نے نام رکھا بنی کا ساتھ اس نام کے بطور کہ فرمایا: ”یس والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین“۔“ ہر آئینہ جانا اسے یہ کہ تحقیق وہ لوگ ساقط کر دینگے قول اُسکا: ”سلام علی آل محمد“ جیسے کہ ساقط کیا انہو نے غیر اُسکے کو۔

آمین کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ قرآن میں جو ”یس“ کے لفظ سے خدا نے خطاب کیا ہے اُس سے مراد پیغمبر خدا صلعم سے ہے اور اُس لفظ

ساتھ آنحضرت صلعم کو موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ اکثر علماء اہلسنت نے قبول کیا ہے مگر کچھ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ”لیس“ نام خدا کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نام پیغمبر کا نہیں یا اُس لفظ سے مراد آنحضرت صلعم نے نہیں ہے اور بعض نے عموماً یہ کہا ہے کہ حروف مقطعات اسماء قرآن ہیں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ نام سورہ تین کے ہیں جس سے ان علماء کی کوشش یہ پائی جاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کا نام جسطور پر خدا نے اس موقع پر لیا ہے اُس طور سے وہ نام دوسرے معنی اور مراد پیدا کرنے سے ساقط ہو جائے گو وہ کوشش ان کی پوری نہ ہوئی لیکن اُنکا تہیہ ظاہر ہو گیا اور جب لوگوں نے پیغمبر کے نام کی نسبت دریغ نہیں کیا تو اُنکے آل کی نسبت دریغ نہ کرنا کچھ محال شبہ نہیں ہو سکتا۔

سورہ صافات میں یہ آیت ہے۔ آیت

”سَلَامٌ عَلَی الْیَاسِیْنِ“ ﴿ ترجمہ ”سلام ہو اور پر الیا سین کے“
لفظ ”الیا سین“ جو اس آیت میں آیا ہے اُسکی قراءت میں جملہ
ہو اور بعضوں نے اُسکو ”الیا سین“ پڑھا ہے اور بعضوں نے اُسکو ”ال
لیس“ پڑھا ہے۔ قرآن موجودہ میں یہ آیت تحت ذکر حضرت الیا سین کے ہے
آیت سلام میں جو لفظ ”الیا سین“ آیا ہے اُسکی جیسے قراءت میں جملہ
سہ تفسیر لقان بحیث مشابہ۔

ہوا ہے ویسے ہی اُسکی مراد میں اختلاف ہوا ہے۔

انفہر علماء اہلسنت نے یہ کہا ہے کہ ید الیاسین سے مراد حضرت الیاس سے ہے اور چونکہ لفظ ید الیاسین سے جمع الیاس کی معلوم ہوتی ہے اس لیے بعض علماء اہلسنت نے یہ بھی کہا ہے کہ بحالت جمع ہونیکے حضرت الیاس کی پیروی کرنے والے بھی اُسین شامل ہیں۔

جن علماء اہلسنت نے آل یسین سے پڑھا ہے اُس قرأت کے موافق بعض علماء اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ ید یسین سے حضرت الیاس کے باپ کا نام تھا۔ لیکن سفیان ثوری نے منصور سے اُسے مجاہد سے روایت کی ہے کہ ید عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ یسین سے مراد رسول خدا صلعم سے ہے اور آل یسین اہلبیت ہیں اُنکے سے

اور سدی نے بھی روایت کی ہے کہ ید مراد اس سے محمد اور آل محمد ہیں۔ چنانچہ ابن حجر نے صواعق میں فخر الدین رازی سے نقل کیا ہے کہ ید اہلبیت رسول حضرت رسول اللہ سے پانچ چیز تھیں مساوی ہیں ایک سلام میں کہ خدا نے رسول کے لیے فرمایا ہے السلام علیک ایھا النبی اور اہلبیت کے بارہ میں فرمایا ہے سلام علی آل یسین

اس میں شبہ نہیں ہے کہ وہ آیت کہ صبین لفظ سے نہیں آیا ہے اور آیت

سلام حمین لفظ الیا سین ۱۱ ہر جملہ آیات مشابہات کے ہیں اگر یہ آیات
محکم ہو تین تو اُس کے معنی میں اختلاف ہو سکتا ہے اور علی مرتضیٰ نے ہی تعالیٰ
تذقیق کے ان دونوں آیتوں کا ذکر آیات مشابہات کے ذکر میں کیا ہے
اور یہ ظاہر ہے کہ آیات مشابہات کی تاویل اور تفسیر ایک ضروری ہے۔
علی مرتضیٰ وردیگر ائمہ اہلبیت نے ان دونوں آیات کی یہی مراد
بیان کی ہے کہ ۱۱ یس ۱۱ سے مراد آنحضرت صلعم ہیں اور ۱۱ ال یسین ۱۱
سے مراد ہم اہلبیت ہیں۔ اور تفسیر علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت ضرور
تفسیر پیغمبری ہی تفسیر پیغمبری کو نہ قبول کرنا اور قرآن سے اُس کو نکالنا مثل
اسی کے ہے کہ جیسے اصل قرآن کو نکالنا لا جاے اور ہم پہلے خود کتبِ مطہرت
سے دیکھا ہے کہ بعض آیات میں نام علی مرتضیٰ کا قرآن ابن مسعود
میں موجود تھا جس کو ہم تفسیر پیغمبری کہتے ہیں لیکن اُس تفسیر پیغمبری کو قرآن
موجودہ سے نکال ڈالا گیا۔

۱۱ بس اس جگہ جو علی مرتضیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ۱۱ اللہ جانتا تھا اگر سلام
علی الی محمد کے گا تو وہ ساقط کر دینے جیسے کہ ساقط کر دیا تو تے غیر
اُس کے کو ۱۱ اُس غیر کے ساقط کر دینے سے مراد اسی قسم تفسیر پیغمبری کے ساقط
کر دینے سے ہے جو ہم نے کتبِ مطہرت سے دیکھا ہے۔

اور اگر حضرت مخاطب کی یہی خوشی ہے کہ نفس آیات قرآن کے ساقط

کردہ شے کی مراد لین تو اپنے بیان کی روایات نقصان اور اسقاط قرآن کی
دیکھ لیں جنکو ابھی لکھتے آئے ہیں۔

قرآن میں جو حروف مقطعات نازل ہوئے ہیں وہ بمعنی نہیں ہیں۔
وہ علامات ہیں کسی احکام اور اخبار کی مگر خدا کا راز اور اسرار ہی درمیان خدا اور
اس کے پیغمبر کے اور خدا نے چاہا ہے کہ اس بےید پر کوئی آگاہ نہ ہو اور بنظر اس تعلیم اور
تربیت کے جو پیغمبر نے علی مرتضیٰ کو دی کہ جس سے دوسرے لوگ ہر بات
پائیں دل اس بات کو قبول کرتا ہے کہ علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت اس
بےید سے آگاہ ہوتے چلے آئے۔

پہ خدا نے جو قرآن میں خطا کاروں اور ظالموں اور سنا فقوں کے نام سے کنایہ کیا اور صاف صاف نام ان کے نہیں لیے گئے جیسا کہ قرآن موجود میں ہر گہ کا صفا کیا گیا ظالم اپنے ہاتھ کو "حالا کہ لفظ ظالم پر اہل نام موجود ہیں جس سے یہ مراد ہو کہ خدا اُس ظالم کو پہچانتا تھا یا وہ خدا کے ذہن میں تھا یا خدا کے علم میں مخصوص تھا مگر خدا نے اس موقع پر نام اُس کا ظالم نہیں کیا۔

پہر ایک جگہ خدا حکایت توں کسی اپنے دشمن کی کرتا ہوتا ہی واسے
ہو مجب و کاش نہ کرتا تا میں فلاںے کو دوست ہے اس موقع پر خدا نے نہ فرمایا کہ

۱۔ تفسیر آقان بحث مشابہ۔

نام بتایا کہ جسکے مقولہ کی حکایت کی گئی ہو اور نہ اُسی کا نام بتایا کہ جسکے ساتھ
اُسے دوستی رکھی اور بچائے نام کے فقط فلاں بولا گیا۔

اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ خدا نے جو ان موصوفہ پر اپنا راز نبی سے کیا
اور اُسکو غلامیہ ظاہر نہیں کیا اور نہ خط کا رون اور ظالموں اور منافقوں کے
نام لیے تو آیا خدا کو اُنکی یا کسی کا خوف تھا۔ نہیں۔

قرآن مجاورہ انسانی پر نازل ہوا ہو اور جس قدر مصلحتیں اور ضرورتیں
انسان کے لیے لازمی ہوتی ہیں وہ پیش نظر رکھی گئی ہیں کہ پیغمبر کا دیر
تھا اور پیغمبر ایک کا رفا خاص اور عظیم پر مامور کیے گئے تھے بنظر مصلحت و
کے جس تدبیر کی ضرورت پیغمبر کو ہوتی تھی خدا وہی طریقہ اختیار کرتا تھا اور
اُسی طریقہ سے آیات قرآنی نازل ہوتی تھیں۔

اور ہمارے اس سخن کی تائید اُس مقام سے ہو جاتی ہے کہ جہاں جزو
ثانی تفسیر آقان میں ناسخ اور منسوخ پر بحث کی گئی ہو اور جس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ کسی وقت میں بنظر مصلحت وقت کے ایک طرح کا حکم ہوتا تھا
اور دوسرے وقت بنظر مصلحت وقت کے دوسری طرح کا حکم دیا جاتا
تھا اور اُس سے اطمینان ہو جاتا ہے کہ خدا بنظر مصلحت وقت کے پیغمبر
کے لیے تدبیر اختیار کرتا تھا۔

بس خدا نے اپنا کلام بذریعہ حروف مقطعات کے نازل کر کے

پیغمبر کو اپنا راز دار بنایا اور اپنے اُس راز کو علانیہ ظاہر نہیں کیا یہ بھی اُسکی مصلحت تھی اور ایسے ہی اُسنے جو قدر نہیں خطا کا روئے اور ظالمون اور منافقوں کے نام کا کنایہ کیا اور پیغمبر کو علیحدہ کتاب میں لکھوا دیے اور وہ کتاب پیغمبر سے رو برو صحت کے پیش کروائے یہ بھی اُسکی مصلحت تھی اور ایسے ہی اُسنے جو اپنے پیغمبر کا نام نہیں لے کر کہا اور اُسکی آل پر بلفظ آل یسین سلام بھیجا یہ بھی اُسکی مصلحت تھی۔

مصلحت کا لفظ اس موقع پر جو میں استعمال کر رہا ہوں اُس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ جیسے خدا نے کوئی فعل کیا ہو اور انسان کو اُسکی کنہ کا ادراک نہ ہو سکے اس پر انسان کھدیتا ہے کہ وہ خدا کی مصلحت ہے۔ نہیں۔ میں نے جو لفظ یہ مصلحت کا استعمال کیا ہے اُس سے میری مراد مصلحت وقت اور مصلحت زمانہ ہے اور اُس مصلحت کی کنہ کو خدا تو جاننے والا تھا ہی مگر اُسکی وجہ اُسکے بندہ جو اُس وقت موجود تھے ضرور جانتے تھے اور تاریخ حالانکہ اب جو اُس عہد کے لکھے ہوئے چلے آتے ہیں اُس سے ہر زمانہ کے مسلمان جانتے رہے ہیں جس کسی نے کہ اس پر غور کیا وہ مصلحت اُس وقت کی و حقیقت مصلحت قومی اور مصلحت ملکی تھی کہ جو خدا نے اپنے پیغمبر کے لیے بنظر حالت قوم اُد ملک کے اختیار کی اور ایسی مصلحت کا اختیار کرنا لازم تھا جس سے معلوم ہو گیا کہ خدا بڑی حکمت والا ہے اور اُسکی تقلید سے تمام سلطنتیں منہذب

اور تعلیم یافتہ اُسی قسم کی پالیسی اختیار کرتی چلی آتی ہیں۔

مصنف کا یہ خیال بالکل غلط اور ہیمنوع ہے کہ ”محررین کا خوف اس لیے
 ہی ایسا غالب تھا کہ اُس نے پنمیر کا نام بدل کر لکراں پنمیر پر سلام کہا تاکہ محررین کی
 سمجھ میں نہ آئے اور سمجھ جاتے تو ضرور نکال دیتے“

نہیں۔ یہ فعل خدا کا بنظر مصلحت ملکی اور قومی کے تھا کہ جو مناسب
 حال پنمیر کے تھی اور اسی قسم کی تدبیروں اور طریقوں اور مصلحتوں کے اختیار کر کے
 سے اطمینان ہوا کہ لوگ قرآن کو محفوظ رکھیں گے اور اُسی اطمینان پر خدا نے
 قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا۔

یہ خیال مصنف مخاطب کا کہ ”جس نے قرآن کی حفاظت کا
 وعدہ کیا تھا اُس کو ایسی مجبوری پیش تھی تو اب قرآن کی حفاظت کی کیا صورت
 تھی“ غیر صحیح اور محض تخیل ہے۔ خدا بڑا حکیم اور اپنے بندوں کو حکمت سکھانے
 والا ہے اگر وہ انسانوں کی عادت اور خصلت کا جس کا وہ علم رکھنے والا ہے غلط
 نہ کرتا اور بغیر کسی تدبیر حفاظت کے وعدہ حفاظت کا کر لیتا تو ضرور وہ
 نادان سمجھا جاتا۔

صاحب تفسیر صافی اُس حدیث علی مرتضیٰ کی نقل کے بعد جو زندگی
 کے سوالات کے متعلق ہے اور اُس سے پہلے جو متعدد اخبار نقل کیے ہیں
 اپنا اجتہاد ظاہر کر کے لیے تمہید شروع کرتے ہیں اُس کو مصنف مخاطب تھا

اُنکے اجتہاد کا تصور کر کے اُنکی تمسید و اجتہاد کو اس غرض سے نقل کرتے ہیں کہ وہ عالم شیعہ تحریفِ نفی کا قائل ہو گیا ہے حالانکہ تمسید سے کوئی نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہو سکتا خود اُس عالم نے اپنے ترکہ جو کچھ بیان کیا ہے اُس سے اُنکے اجتہاد کا نتیجہ نکل سکتا ہے۔

لیکن مصنفِ مخاطب نے اپنی غلط فہمی سے جو تمسید سے نتیجہ تصور کیا ہے اُسکی تصدیق ہی نہیں ہو سکتی ہے اور اسی لیے ہم بمقابلہ ہر ایک فقرہ منقولہ مصنفِ مخاطب کے خط ہلالی میں شرحِ قول اُس عالم شیعہ کی کیے دیتے ہیں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ اُس عالم شیعہ کا درحقیقت ویسا مقصود نہیں ہے اور ترجمہ قول عالم شیعہ میں مصنفِ مخاطب نے جو نقص کیا ہے اُسکو بھی ہم درمیان ترجمہ کے دکھا دینگے۔

اُس عبارت تمسیدی عالم شیعہ کا مصنفِ مخاطب یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ”حاصل ان مجموع (خبروں کا اور اُنکے سوا اور روایتوں کا جو طریقہ اہلبیت سے ہیں یہ ہر کیشک جو قرآن ہمارے سامنے ہے (راوی بظاہر ہمارے سامنے ہے لفظ بنی اطرنا کا یہی منشا ہے) نہیں ہے پورا قرآن اُسی طرح جیسے کہ نازل ہوا ہے محمد پر (شرح) بیشک جو قرآن ہمارے سامنے بظاہر ہے یہ پورا قرآن اُسی طرح نہیں ہے جیسے کہ نازل ہوا ہے محمد پر جسطرح پر پیغمبر نے اُسکی تفسیر فرمائی جو حکم میں قرآن کے اور مثل قرآن کے تھی اور جب کو علی مرتضیٰ نے اپنے ائمہ

سے لکھ لیا تا اور جو ان کے صحیف مرتبہ اور مجموعہ میں شامل تھے اور نہ اُس ترتیب سے ہر ایک میں ترتیب سے نازل ہوا تا چنانچہ تفسیر حقان جلد اول صفحہ ۶۱ و ۶۵ بحث جمع و ترتیب قرآن میں مندرج ہے کہ قرآن لکھا گیا محمد رسول اللہ اور غیر مجموع تھا ایک جگہ قرآن تین دفع جمع کیا گیا ایک بحضور نبی پر محمد حضرت ابوبکر میں باصرہ حضرت عمر بعد ازاں اہل بیماہ کے تیسری مرتبہ محمد عثمان میں اور عکرمہ نے کہا ہے کہ انس و جن جمع ہو جائیں تو وہی ترتیب نزول پر تالیف کی طاقت نہوگی اور یہ جمع کرنا قرآن کا توفیقی اور اجتہادی ہے اور علیؑ نے صحیف ترتیب نزول پر جمع کیا تا اور اُسکی سورتوں کی ترتیب بھی بیان کی گئی ہے جو یہاں سے ظاہر ہے کہ قرآن پورا اسی طرح نہیں ہے جیسے کہ نازل ہوا ہے محمدؐ پر بلکہ اس میں ایسا بھی ہے جو اُس مضمون کے خلاف ہے جو اس نے نازل کیا تا اور اُس میں وہ بھی ہے جو بدلا گیا ہے اور تحریف کیا گیا ہے یعنی اس نے جو نازل کیا تا اُسکو اولٹ پلٹ کر دیا گیا ہے اور کہیں کی آیت کہیں لکھ دی گئی ہے جس سے فضول خلاف ہو گیا ہے جو اس نے نازل کیا تا اور اسکو فاضل شیعہ نے کہا ہے کہ بدلا گیا ہے اور تحریف کیا گیا ہے اور بیشک خلاف کر دی گئی ہیں اُسمین سے بہت خیرین اُسمین سے علی کا نام ہے بہت جگہ اور اُسمین سے لفظ آل محمد کا ہے بہت جگہ اور اُسمین سے منافقین کے نام ہیں اپنے مقام پر اور اُس محذوف میں اس کے سوا اور مطالب بھی تھے (اس جگہ حذف

کروینے سے مراد اسی تفسیر پنجمی کی بابت ہے کہ جو شل قرآن کے اور حکم قرآن
 تھی اور ایسا حذف کتب اہلسنت سے جو مصنف ابن سعد و ادنیٰ بن کثیر
 میں تھا ہم پہلے ہی دیکھا کرتے ہیں اس کے بعد وہ عالم شیعہ کہتے ہیں (اللہ
 وہ نہیں ہے اس ترتیب پر جو اسد اور رسول کے نزدیک پسند تر اور
 قول ہے علی بن ابراہیم کا) صحیح ترجمہ۔ اور اسید جبر سے کہا علی بن ابراہیم
 نے

پہر مصنف مخاطب نے تمہید عالم شیعہ کو قطع کر کے یہ کہا ہے کہ: ائمہ
 نے صاف صاف خبر دی ہے کہ قرآن موجودہ میں بعضی آیتیں خلافت ما
 انزل اللہ ہی ہیں یعنی انہیں اسی تحریف ہوئی ہے کہ جو اسد کا مقصود تھا
 اس کے خلافت معنی پیدا ہو گئے۔

اسکو ہم قبول کرتے ہیں کہ تبدیل مقصود کر کے قرآن میں تحریف معنی
 کی گئی ہے مگر مصنف مخاطب خلافت اپنے اس بیان کے مثال دیکر تحریف
 نفی کے قائل ہونیکا غلط استنباط کر کے جو الزام لگانا چاہتے ہیں وہ
 صحیح نہیں ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں: مثلاً اسد کے نزدیک یہ امت
 سب اُتو نہیں بدتر شریعتی اور محرفین نے قرآن کی آیت یون بنادی
 ۱۰ کلم خیر امتا خرجت للناس تا مرن بالمرء و تنھون عن
 المنکر و تو منون باللہ۔ ہوتم بہتر امت کے جو ظاہر کی گئی ہے آدمیوں

اسکے معنی مصنف مخاطب یہ بیان کیسے ہیں کہ ”یعنی اصل تشریح میں لفظ (امت) تاجہ امام کی جمع ہی پس معنی یہ ہو سکتا ہے کہ تم اسے امام ہو انھیں اور اس صورت میں یہ امت کی تعریف نہ رہی بلکہ خاص امت کی تعریف ہو گئی“ اس موقع پر مصنف مخاطب نے جو کچھ اعراض کیا ہے اس کی حقیقت ظاہر ہونیکے لیے مجھ کو یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں پہلے اس آیت کے معنی پر بحث کروں جسکی تفسیر امام علیہ السلام نے فرمائی ہے جس سے ظاہر ہو جائیگا کہ اس آیت کے معنی کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں اور امام علیہ السلام نے جو تفسیر فرمائی ہے وہ صحیح ہے اور مصنف مخاطب نے جو استدلال الزام تحریف لفظی قائم کرنے کے لیے کیا ہے وہ کسی طرح ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

ترجمہ اس آیت کا یہ ہے ”ہو تم بہتر امت“ گروہ کے ظاہر کیے گئے واسطے لوگوں کے حکم کرتے ہو تم ساتھ نیکی کے اور نبی کرتے ہو تم بدی سے اور ایمان لاتے ہو تم ساتھ خدا کے“

اس آیت میں جو یہ لفظ آیا ہے کہ ”ہو تم خیر امت کے“ (بہتر گروہ کے) اسکے معنی پر غور کرنا چاہیے کہ جن لوگوں کو خیر امت کہا ہے وہ کل امت ہے یا بعض امت آیا ائمہین تعمیم ہے یا تخصیص اگر ائمہین تعمیم ہے اور مراد کل امت سے ہے تو معنی کنتم خیر امت کے یہ ہونگے کہ تم بہتر امت ہو لیکن اس امت کی صفت خدا نے یہ بیان کی ہے کہ ”وہ خیر امت ہے ظاہر کی گئی ہے“

واسطے لوگوں کے امر کرتے ہیں ساتھ معروف کے اور منع کرتے ہیں منکر سے۔
 تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا کل امت ایسی ہی ہے یا وہ یہ اوصاف کل امت
 کے ہر فرد بشر پر صادق آسکتے ہیں اسکا جواب ضرور نفی میں ملے گا اور جب
 کل امت ایسی نہیں ہو سکتی تو کل امت کے لیے خیراتہ نہیں کہا جاسکتا
 اور کل امت کے لیے خیراتہ کا لفظ صادق نہ آئیگی طرف امام علیہ السلام
 نے اپنی حدیث میں اشارہ فرمایا ہے جسکا مقصود یہ ہے کہ کیا خیر امت ایسی
 ہی ہوتی ہے کہ علی بن ابیطالب کو کہ بعد پیغمبر جو افضل الناس و برترین
 امت سے تھے اور حسین بن علیؑ کو کہ جو جگر گوشہ رسول تھے وہ خیر امت
 قتل کرے جو ضد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہے۔

اگر مذہب اسلام میں قتل علی مرتضیٰ اور حسین بن علیؑ کا رواج نہ تھا
 تو کل امت خیر امت قرار پاسکتی ہے اس لیے کہ اسی حالت میں قاتلان علیؑ
 مرتضیٰ اور حسین بن علیؑ خیر امت سمجھے جاسکتے ہیں۔

اس بنا پر کل امت خیر امت قرار نہیں پاسکتی اور ضرور ہے کہ لفظ خیر
 میں تعین قبول نہ کیجائے اور مراد اسکی بعض امت سے سمجھی جائے چنانچہ خیر
 امت کی تخصیص خود روایات کتب اہلسنت میں ہوئی ہے۔

ابن عباس اور سدی یہ کہتے ہیں کہ ”خیر امت کا خطاب خاصہ“

مہاجرین کے لیے ہے۔“

اور عکرمہ کا یہ قول ہے کہ وہ ابن مسعود اور ابی بن کعب اور معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے بابت میں نازل ہوئی ہے۔

اور ضحاک نے یہ کہا ہے کہ اُس سے ارادہ کیا گیا ہے رسول خداؐ سے چھکے۔

جان یہ روایتیں اور رائیں قبول کی گئی ہیں وہ ان امام علیہ السلام نے اگر یہ فرمایا کہ نازل ہوا ہے خیر ائمہ جسکی مراد یہ ہے کہ خیر امت ائمہ ہیں اور لفظ امت مراد معنی ائمہ میں نازل ہوا ہے اور پڑھنے والے نے جو لفظ امت بمعنی عام امت کے پڑھا تھا اُسکو سمجھایا ہے کہ بمعنی ائمہ کے پڑھنا چاہیے۔ تو اُس سے کس طرح تحریف لفظی قرآن کی مقصود ہو سکتی ہے جس پر مصنف ^طخا نے بہت زور مارا ہے۔

کیا خیر ائمہ سے مراد مہاجرین یا ان لوگوں سے ہے جنکے نام عکرمہ نے لیے یا خاص پیغمبر سے لی جاے اور خیر امت کی جگہ از روے معنی و مراد کے وہ لوگ سمجھے جائیں تو اُس سے تحریف لفظی قرار پاسکتی ہے؟۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اور ضحاک نے خیر امت سے جو مراد مخصوص پیغمبر سے لی اور امام نے ائمہ اہلبیت سے تو ہمیں کیا قباحت لازم آتی ہے کہ ائمہ اہلبیت جزو بدن پیغمبر کے ہیں اور وارث اُنکے علم کے۔

اب میں دو آیتوں قرآن سے جو اس آیت سے آگے پیچھے ہیں دکھانا ہوں

کہ خیر امت سے مراد کل امت سے نہیں ہے بلکہ بعض امت سے ہے اور بعض
امت علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت ہیں اول آیت یہ ہے۔

وَلٰتُكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلٰى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ	ترجمہ: اہم چاہیے کہ ہوتے ہیں ایک گروہ کہ بلائیں وہ طرف خیر کے اور امر کرین ساتھ معروف کے اور نہی کرین منکر سے اور یہی لوگ فلاح
--	---

پانیا والے ہیں

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا نے ”متمکم“ میں خطاب تمام ان لوگوں
کی نسبت کیا ہے کہ جو سلمان عہد پیغمبر میں موجود تھے اور حسیہ اطلاق امت
پیغمبر کا تھا ان کل مسلمانوں امت پیغمبر میں سے خدا ایک گروہ کی تخصیص
کرتا ہے کہ جو بلائیں طرف خیر کے پس صریح ہے کہ اس ارشاد خداوندی سے
وہی گروہ خیر امت قرار پاسکتا ہے جو خیر کی طرف کو بلائے اور آیت کلمہ خیر
امت میں مراد خیر امت سے اسی گروہ سے ہو سکتی ہے کہ جنکو خیر کی طرف
بلائیوا لانجملہ تمام مسلمانوں عہد پیغمبر کے اس آیت میں فرمایا گیا ہے جب
اس آیت میں امت (ایک گروہ) کو خیر کی طرف بلائیوا لانجملہ تمام مسلمانوں
عہد پیغمبر کے قرار دے لیا گیا ہے اور اسکی تعریف امر بالمعروف اور نہی عن
المنکر کے ساتھ کی گئی ہے تب قطع خیر امت ہو لگا اسکی تعریف امر بالمعروف

اور نبی عن الشکر سے آیت ۲۲ کنتم خیلوا مکرۃ میں کی گئی ہے۔

اس آیت میں جب پہلے خدا یہ فرما چکا کہ ۲۱ چاہیے ہوتم میں سے ایک گروہ کہ بلا میں وہ طرف نہیں کے ۲۲ تو ہر جو لوگ کہ اس گروہ کے ساتھ رہے یعنی گروہ غیر خیر امت انکو یہ ہدایت اور ہدایت کرنا ہے۔ آیت

۲۲ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَهَرَّأَوْا
وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ
الْبَيِّنَاتُ وَاولئك لهم
عذاب عظیم ۲۳

ترجمہ ۲۲ اور نہ تم مانند ان لوگوں کے کہ کفر سے
ہو گئے اور اشارہ ہر طرف ہو دو اور نصرت
کے کہ ہر ایک چہ فرقہ ہو گئے اور ایک
فرقہ دو۔ ہر فرقہ کا دشمن ہو گیا اور

اختلاف کیا انہوں نے (دین میں) بعد ازیں کہ آئین ان کے پاس دلیلین روشن
یہ لوگ ہیں کہ واسطے ان کے عذاب ہے بڑا ۲۳

یہ آیت صحیح ان لوگوں کی شان میں ہے جو امت رسول آخر الزما میں خیر امت
سے جدائی اور اختلاف کر نیوالے ہیں۔ اور ادنیٰ غور سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ
لوگ جو مصداق اس آیت کے ہو سکتے ہیں کون ہیں اگر اس قدر ہم کہے ہو
بغیر نہیں رہ سکتے کہ اصل خیر امت سے جو اختلاف کر نیوالے ہوئے اور
جنہوں نے انکی تائید کی وہ سب مصداق اُس کے ہیں جن کے لیے پند اس آیت
میں کی گئی ہے اور جنکی مثال امم سابق سے دی گئی ہے۔

جب خدا تمام امت کی حالت کو بتا چکا جن میں ایک گروہ غیر خیر امت

بلایا لانا روز سرگرداں جدائی اور اختلاف کرنا لانا تو اسکے ساتھ ہی دونوں

گرد کی کیفیت فرمایا ہے۔ آیت

يَوْمَ تَبْغِضُ وِجُوهُ و تَسْوَدُّ وُجُوهُ

فَاَمَّا الَّذِينَ اَسْرَدَتْ وُجُوهُهُمْ

اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ مَا نَكَّمْ فَنَدَوْنَهُمُ الْعَذَابَ

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ وَاَمَّا الَّذِينَ اِيضَتْ

وُجُوهُهُمْ فِى رَحْمَةِ رَبِّهِمْ فَهُمْ فِيهَا

خَالِدُونَ تِلْكَ اٰيَاتُ اللّٰهِ

تَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاَللّٰهُ

يُرِيدُ ظَلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ وَاَللّٰهُ مَا

اَلِ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ وَاَلِ

اِلٰى اللّٰهِ تَرْجِعُ الْاُمُوْدُ

ترجمہ جمعہ دن کہ سفید ہونگے سنہ او

کے کہ کافے ہونگے سنہ پس لیکن جن لوگوں

نے بعد ایمان اپنے کے (کفر بعد

ایمان کا مضمون بہت ہی لحاظ کے

قابل ہی پس حکم تو عذاب کو سبب

اسکے کہ تے تم کفر کرتے اور لیکن جو

لوگ کہ نورانی ہونگے چہ انکے

پس سچ رحمت خدا کے ہونگے اور

اُس میں ہمیشہ رہینگے یہ ہیں نشانیاں

خدا کی کہ پڑتے ہیں ہم انکو اور پر تیرے ساتھ حق کے اور خدا نہیں چاہتا ہی

ظلم واسطے جہان کے لوگوں کے اور خاص خدا کے لیے ہی جو کہ چہ کہ آسمانوں اور

زمین میں ہی اور طرف خدا کے پیسے جائیں گے سب امور

اس آیت میں جو ذکر کفر کا بعد ایمان کے ہوا ہے علمائے اہلسنت نے

چند قول لیے ہیں کہ وہ کن لوگوں سے مراد ہے حسن کا یہ قول لیا ہے کہ مراد منافق

ہی۔ اور علی سے یہ قول لیا ہے کہ اہل بدع اور اہوا سے مراد ہی اور اسی کے مثل قاتل
 سے ہے کہ وہ اہل ارتداد سے مراد لیتے ہیں اور پیغمبر کی وہ حدیث روایت
 کی گئی ہے جس میں پیغمبر نے قسم کھاکے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب حوض پر وارد
 کیے جائیں گے اور کہا جائیگا کہ تو نہیں جانتا ہے جو کچھ ہمارے پاس کیا انہوں نے
 بعد ایمان اپنے کے پہرے اپنی ایڑیوں پر قہقری پہنا ڈکریا اسکا ٹھلچ ہے
 اپنی تفسیر میں۔

اس آیت کے ساتھ آیت ”کنتم خیر امت“ زیر بحث ہے اور آیت
 زیر بحث سے ما قبل کی جو آیت پہنچنے نقل کی اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے
 کہ مسلمانوں میں دو گروہ ضرور تعلقے گئے ہیں ایک خیر امت اور
 ایک غیر خیر امت یعنی ایک خاص اور ایک عام اور ان دونوں گروہوں
 کی جو کچھ حالت اور کیفیت ہے وہ اس آیت میں علانیہ مذکور ہوئی ہے اور
 اس آیت کے بعد ہی آیت ”کنتم خیر امت“ ہے تو پہر کیونکر سمجھا جاسکتا
 ہے کہ خیر امت سے مراد کل امت ہے بلکہ صیح ہے کہ خیر امت سے مراد بعض امت
 ہے اور وہ بعض امت کی تخصیص خیر امت کے ساتھ ہے سو اعلیٰ تفسیر
 اور ائمہ اہلبیت کے کوئی نہیں ہو سکتا اور جو لوگ کہ انکے پیرواد فرما رہے
 ہیں وہ انکے زیر سایہ ہیں۔

اس موقع پر امام علیہ السلام نے خیر امت کی تفسیر خیرائے کے ساتھ

فرائی ہو جو کوئی بلا تعصب کے نظر کر گیا وہ یقین کر سکتا ہے کہ وہ نفسِ نیات
سچی ہے۔

و ملکہ کا جو آیت ہم نے نقل کی ہے اس میں پہلے گروہ خیر امت کا ذکر ہے
پھر غیر خیر امت کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے اس کے بعد خدا نے اول اور
چہرے والوں کا اور پہرے والے سنہ والوں کا ذکر کیا ہے جس سے صاف یہ مراد
ہے کہ جو گروہ خیر امت اول الذکر ہے وہ تورانی چہرے والے ہیں اور جو گروہ
غیر خیر امت ہے ان کا روز قیامت کا لامتناہ ہونا ہے۔

لیکن خدا نے پہرے والوں کو جوڑ دیا اور عذاب کے لیے پہلے
سنہ والوں کا ذکر کیا یعنی اس گروہ کا جنے تفرقہ ڈالا خیر امت کو جوڑ کر اس سے جدا
اختیار کی دین خدا میں اختلاف کیا یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے جو
خیر امت کی تھی عدول کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد پیغمبر جس گروہ نے تفرقہ ڈالا خیر
امت کو جوڑ کر اس سے جدائی اختیار کی کہ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا تھا
ایسے گروہ سے جدائی کرنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے عدول تھا جس کا
وہ فرقہ بادی ہوا اس لیے خدا نے عذاب کے لیے اس کا پہلے ذکر کیا تاکہ لوگوں کو عبرت
ہو اور اس کو پیش نظر رکھ کر مرکب عدول امر خدا کے نہوں۔

لیکن خوفِ عدول سے وہ گروہ جو خیر امت کو جوڑ کر جدائی کر دیا اور دین
میں اختلاف ڈالنے والا ہو گا مجبور ہے کہ اصلی اور باطنی معنی قرآن کے جو خیر امت

بیان کرے اور تحریف معنوی سے آگاہ کرے اُسکو تحریف لفظی قرار دے تاکہ اُسکے اصلی اور باطنی معنی قبول نہوسکیں۔

آیت زیر بحث ”لنم خیر امة“ سے ایک آیت کے بھی یہ آیت ہے

آیت

”لےسوا سوءاً من اهل الکلب“ ترجمہ ”برابر نہیں ہیں وہ اہل کتاب ہیں
 امة قائمة تیلون آیات اللہ سے ایک گروہ کے کہ قائم ہو رہی ہیں
 اناء الیل وہم یسجدون ہ دین پر پڑھتے ہیں وہ آیات اللہ کے
 یومنون باللہ والیوم الآخر وقتوں اور ساعتوں رات کے اور وہ
 یامرون بالمعروف ونہون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات اس کے اور دن قیامت کے اور امر
 واولئک من الصالحین و کرتے ہیں ساتھ معروف کے اور منع
 ما یفعلوا من خیر فلن یمکنا کرتے ہیں منکر سے جلدی کرتے ہیں نیکوں
 واللہ علیم بالمتقین (امور خیر میں اور یہی لوگ صالحین ہیں)

سے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں وہ کوئی کار نیک سے پس ہرگز ناشکری نہ کریں گے
 وہ اُسکی اور خدا جاننے والا ہی متقیوں کو

اس آیت میں جو لفظ ”اہل کتاب“ آیا ہے اُسکی تفسیر کے سبب سے
 ہر اہل کتاب اُنہیں داخل سمجھا جاسکتا ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اہل قرآن

اُس میں داخل نہوں بلکہ یہ مضمون اس آیت کا کہ ”پڑھتے ہیں وہ آیات خدا و تو اور ساعتوں رات کے اور سجدہ کرتے ہیں“ اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس موقع پر اہل کتاب سے مراد تخصیص کے ساتھ اہل قرآن سے ہے۔ اہل کتاب سے مراد عام لی جائے یا خاص کہ بحالت عام مراد لینے کے ہی اہل قرآن اُس میں داخل ہوں گے۔

ہر حالت میں اس آیت سے ظاہر ہے کہ دو گروہ ہیں ایک وہ کہ جن کے اوصاف اس آیت میں بیان ہوئے ہیں اور ایک گروہ وہ کہ جو ان اوصاف کے خلاف ہیں یعنی جسمیں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے۔

یہ امر کہ اس آیت میں دو گروہ کا ذکر ہے اس ارشاد خداوندی صریح ظاہر ہوتا ہے کہ ”نہیں ہیں وہ لوگ برابر ایسے گروہ کے جسکے اوصاف اس آیت میں بیان کیے جسکا یہ مقصد ہے کہ ایک گروہ ایسا نہیں ہے اور ایک گروہ ایسا ہے“ لیکن ہر گروہ اہل کتاب کل یا کل گروہ اہل قرآن مصداق نقطہ است (گروہ) کا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ہر فرد بشر کل امت (گروہ) پر وہ اوصاف جو اس آیت میں مذکور ہوئے ہیں صادق نہیں آسکتے ہیں اس لیے چارہ یہ ہے کہ جو اس کے جزو امت سے مراد ایجاب چنانچہ اہلسنت کے بیان ہی علماء اُسل امت کو بالتخصیص قرار دیا ہو نہ بالتعمیم۔

ابن عباس اور قتادہ اور بیع کا یہ قول ہے کہ وہ وہ گروہ ہے جو ثابت ہو
 اللہ پر اور حسن اور مجاہد اور جرج کا یہ مقولہ ہے کہ وہ گروہ عادل ہو اور سعدی نے
 یہ کہا ہے کہ وہ گروہ قائم ہو ساتھ طاعت اللہ کے اور زجاج نے اس تقدیر
 پر ہر دس گیارہ سو ذوات قائمہ ای ذو طوقیۃ مستقیمۃ صاحب
 طوقیۃ مستقیمۃ۔

اس مقام پر یہ امر قابل غور کے ہے کہ ان علمائے لفظ است سے جو مراد
 لی تو کیا وہ قابل اعتراض کے ہو سکتی ہے۔ اس بطرح امام علیہ السلام نے جو لفظ
 است کی مراد ائمہ سے لی تو کیونکہ اس پر اعتراض کیا جاسکتا ہے خصوص جبکہ دیگر
 علمائے وہ وصف بیان کیا ہے جو ائمہ کو شامل ہے۔

اس آیت میں جو اوصاف است کے بیان ہوئے ہیں منجملہ اُن کے
 ایک یہ صفت بھی ہے کہ وہ جلدی کرتے ہیں اور خیر میں جس سے خیر است
 اُنکو کہنا لازم آتا ہے اور آیت خیر است میں جو اوصاف امر بالمعروف اور
 نہی عن المنکر اور ایمان بخدا کے بیان ہوئے ہیں وہ اس آیت میں بھی
 بیان ہوئے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عہد پیغمبر میں ایک گروہ خیر است کا
 تھا اور ایک گروہ غیر خیر است کا۔

پھر اس آیت میں خدا نے اُس است (گروہ) کے اوصاف
 بیان کیے اُس گروہ کو صالحین میں سے قرار دیا ہے اب یہ کو یہ دیکھنا چاہیے

کہ خدائے قرآن میں لفظ ”صالحین“ کا کس قسم کے لوگوں کے واسطے استعمال کیا ہے۔ رسالہ روشنی جلد دوم صفحہ ۱۴۱ میں ہم متعدد آیات قرآنی سے دیکھا ہے کہ لفظ صالحین خدائے انبیاء کے لیے بولا ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ وہ لفظ عام لوگوں کے لیے نہیں بولا گیا ہے بلکہ خاص لوگوں کے لیے۔

اس آیت میں جس امت (گروہ) کو خدائے صالحین سے قرار دیا وہ کیونکر سمجھا جاسکتا ہے کہ عام امت سے مراد ہے بلکہ استعمال لفظ صالحین سے صریح ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امت (گروہ) خاص ایسا ہے جو شل اور ہر تہہ انبیاء کے ہو۔

مثل اور ہر تہہ انبیاء کے کئے کی محکوم اسوجہ سے جرات ہوئی ہے کہ قرآن میں خدائے صالح المومنین کے لقب سے علی مرتضیٰ کو پکارا ہے اور علیؑ جید اہلسنت نے قبول کیا ہے کہ ”صالح المومنین“ سے مراد علی بن ابی طالبؑ ہیں (دیکھو رسالہ روشنی جلد ۲ صفحہ ۱۳۹)۔

کیا اس تحقیق کے بعد کچھ شبہ رہ سکتا ہے کہ لفظ امت (گروہ) کا ان آیات میں آیا ہے اس سے مراد ائمہ اہلبیت سے نہیں ہے اور نہ ہی امام علیہ السلام نے فرمائی ہے وہ سچی نہیں ہے جس کے یہ معنی بیشک یہ کہ اس کا مقصود اس آیت کے نازل کرنے میں تخصیص کے ساتھ بعض امت سے تھا اور خلافت با انزل اللہ کے لوگوں نے مقصود اس کا امت اور ہر فرقہ

امت سے سمجھ لیا۔

امام علیہ السلام نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ مخرجین نے قرآن کی آیت میں
لفظ "خیلوا" کی جگہ لفظ "خیلوا" لکھ دیا ہے نہ کوئی لفظ ارشاد امام
علیہ السلام میں ایسا ہے کہ اصل تنزیل میں لفظ "اُمہ" کا تھا۔ بلکہ مراد ارشاد
امام کی یہ ہے کہ یہ آیت اُس معنی میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ اُنہوں نے تفسیر
فرمایا ہے۔

مصنف مخاطب نے تخریف نفلی کے لیے جو کچھ استدلال کیا ہے وہ
صریح خلاف ارشاد امام علیہ السلام کی ہے مگر یہ استنباط مصنف مخاطب
کا اخبار ائمہ سے بالکل صحیح ہے۔ ائمہ نے صاف صاف خبر دی ہے کہ قرآن مجید
میں بعضی آیتیں خلاف ما نزل اللہ ہی ہیں یعنی انہیں ایسی تخریفیں ہوئی ہیں
کہ جو اللہ کا مقصود تھا اُس کے خلاف معنی پیدا ہو گئے۔

اخبار ائمہ سے ایسا استنباط کرنے پر مصنف مخاطب بھی مجبور تھے کہ وہی
تفسیر صافی میں جس سے حدیث تفسیری غیر امت کے اعتراض کے لیے لی گئی
تھی تحت تفسیر آیت "ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون
بالعروف وينهون عن المنكر" کے (ترجمہ) "اور چاہیے کہ ہوتے ایک
گروہ (امت) کہ ہدایت کے طرف خیر کے اور امر کریں گے ساتھ معروف کے" (۱)
ایک اور حدیث انہیں امام جعفر صادق علیہ السلام کی منقول کی

ہی جو کافی بین حسین امام علیہ السلام نے امت (گروہ) سے ائمہ مراد لیں
 پر دیگر آیات قرآنی سے ایسا استدلال فرمایا ہے کہ جس سے صحت تفسیر امام
 علیہ السلام پر یقین ہو جاتا ہے اور کوئی اعتراض اور دوسو سہ باقی نہیں رہتا
 اُس ارشاد امام علیہ السلام کا ترجمہ یہ ہے۔

امام علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آیا واجب
 ہے وہ اوپر جمیع امت کے فرمایا نہیں عرض کیا گیا کیون نہیں فرمایا بیشک
 وہ (واجب ہے) اوپر قومی (جو قوت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کتا
 ہو) اور مطاع (جسکی اطاعت لازم ہے) اور عالم کے جو معروف کو منکر سے
 جانتا ہو وہ اوپر ایسے ضعیفوں کے کہ نہ ہدایت کر سکیں نہ وہ کی ایک طرف سے دوسری
 طرف کو (طرف حق کے باطل سے) اور دلیل ہے اُس پر کتاب اللہ تعالیٰ قول
 اُسکا۔

یہ ولتكن منكم امة یلعنوا الی الخیر ویا مردن بالمعروف وینہو
 عن المنكر (ترجمہ ابھی اوپر لکھا گیا ہے) پس یہ خیر مائیں
 (دیکھو وقت بیان کرنے معنی لفظ امت کے جو آیت قرآن مبر

میں ہے وہی لفظ امت امام علیہ السلام نے تلاوت فرمایا ہے
 یہ نتیجہ ہے کہ اصل تنزیل میں لفظ امت ہی ہے مگر مراد اُس سے ہے
 اور باعتبار مضمون آیت کے امام علیہ السلام نے صاف فرمایا مراد

سے خاص ہر نہ عام جس سے یہ استنباط کی سطح نہیں ہو سکتا کہ اصل تنبیہ
میں لفظ ”ائمہ“ تھا اور اُسکی جگہ لفظ ”امت“ بنا دیا گیا ہے۔

امام علیہ السلام نے جو یہ فرمایا ہے کہ یہ خاص ہر نہ عام اُسکی سند کے لیے
فرماتے ہیں کہ ”جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔“

”وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٍ يَدْعُونَ بِلُحُوتٍ“ [ترجمہ: اور قوم موسیٰ سے ایک امت
ہے جو حق و بریدوں کے (گروہ) ہدایت کرتی ہے ساتھ حق کے
اور ساتھ اُسکے عدل کرتی ہے۔]

اور نہ کہا خدا نے امت موسیٰ اور نہ کل قوم حالانکہ وہ آج کے دن مبین
(گروہ) مختلف ہیں۔

پھر امام علیہ السلام یہ استدلال فرماتے ہیں کہ ”لفظ ”امت“ ایک
اور اُس سے زائد کے لیے آتا ہے جیسے کہ کہا اللہ سبحانہ نے۔

”ان ابراهيم كلن امة قانتا لله“ [ترجمہ: تحقیق کہ ابراہیم تھا امت فرما
واسطے اللہ کے ہے۔]

یہ استدلال امام علیہ السلام کا ایسا مسکت ہے کہ جس سے کوشش بہت
مراد عام اور کل امت کے نہ لینے پر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس آیت اور
استدلال سے یہ پایا جاتا ہے کہ خدا نے جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت
لفظ امت لایا ہے ویسے ہی انکی ذریت آل محمدؐ پر امام اہلبیتؑ کی نسبت

لفظ است بولا ہوا اور جیسے نما حضرت ابراہیم کی نسبت لفظ است بولا گیا
ہو ویسے ہی ضحاک نے خیر است سے مراد نما آنحضرت سے لی ہے۔

اس حدیث امام علیہ السلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقصود امام
علیہ السلام کا لفظی تحریف نہ ہے نسبت لفظ است کے ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ
مراد یہ ہے کہ لفظ است کے معنی اس آیت میں ائمہ ہیں اور لفظ است کا
اطلاق جو اس آیت میں ہے انہیں پر صادق آتا ہے۔

کافی میں ایک اور حدیث بھی انہیں امام علیہ السلام سے منقول ہوئی
ہے جس میں یہ فرمایا ہے کہ است سے مراد ائمہ ہیں جس سے کسی طرح یہ استنباط
نہیں ہو سکتا کہ بجائے لفظ ائمہ کے لفظ است قرآن موجودہ میں بنا دیا
گیا ہے اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔

”پوچھا گیا امام جعفر صادق علیہ السلام سے مطلب قول اللہ عز وجل کا
آیت ”وَمِنْ خَلْقْنَا امَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِرَعْدِ لَوْنٍ“ ترجمہ ”
اور اُن لوگوں میں سے کہ پیدا کیے گئے ایک امت (گروہ) ہدایت کرتے ہیں
ساتھ حق کے اور ساتھ اُس کے عدل کرتے ہیں“ فرمایا کہ وہ ائمہ ہیں“
جس سے صاف ظاہر ہے کہ لفظ است کی مراد ائمہ سے بیان فرمائی
ہے جس سے تحریف لفظی کا استنباط کسی طرح روا نہیں ہو سکتا جب

خود آیات قرآنی سے جنہیں لفظ است آیا ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لفظ خدا کے لیے ہر نہ عام کے لیے اور اخبار امام میں اُسی بنا پر مراد اُسکی اُنسب از رو تفسیر بیان ہوئی ہے تو کیونکر سمجھا جاسکتا ہے کہ عالم شیعہ صاحب تفسیر صاحب قائل تحریف لفظی کا ہو گیا ہے۔

اور اگر فرض کیا جائے کہ نسبت مقصود آیات اور مراد اخبار ائمہ اہلبیت کے کوئی عالم شیعہ کوئی اجتہاد کرے تو اُسکی ہر زمانہ میں بموجب اصول مذہب شیعہ کے پابندی نہیں ہو سکتی بلکہ ہر زمانہ میں تازہ اجتہاد ہوتا رہتا ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔

لیکن درحقیقت مصنف مخاطب نے جیسے مراد آیات قرآنی کو اور احادیث ائمہ اہلبیت کو نہیں سمجھا ویسے ہی قول تمسیدی اُس عالم شیعہ کو نہیں سمجھا یا غلط الزام تحریف لفظی قرآن کا شیعوں پر قرار دینے کے لیے ہر ایک خبر سے عدا غلط استنباط کیا ہے اور جیسے کہ وہ بیان مصنف مخاطب کا خلاف اصلیت اور حقیقت کے ہے ویسے ہی یہ کہنا اُنکا کہ اسی آیت رکنتم خیر امت سے مذہب شیعہ کی جڑ اور کثرتی پختی غلط ہے جو حقیقت اُن آیت کی اور اُسکی تفسیر کی جو امام علیہ السلام نے فرمائی ہے وہ کسائی ہے اسی مذہب شیعہ کی بنیاد قائم اور مضبوط ہوئی ہے جس سے معنوی تحریف کرنے کا کوئی عرصہ نہیں ہو جاتا ہے۔

یہ اعتراض صنف مخاطب کا کہ ”شیعوں کی روایتوں کے ہو جب ائمہ ہمیشہ
تقیہ کی حالت میں رہے اُنکو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نصیب ہی نہیں
ہوا“ معنی مسئلہ تقیہ کی غلط فہمی کے سبب سے ہے۔

مسئلہ تقیہ مسئلہ رازداری ہے کہ جسکو خدا اور اس کا رسول اور تمام انبیاء اور
تمام مخلوق خدا علیٰ میں لائی اور لاتی رہتی ہے جسکو ہم تفصیل اور اجمال سے پہلے
چند موقع پر دکھا آئے ہیں اور بی بی عائشہ کے ارشاد میں اُس کا وجود موجود
ہر جہان اُنہوں نے تفسیر آیت ”یا ایہا الرسول بلغ اُنکم کی فرمائی ہے۔

وہ فرماتی ہیں کہ ”جو کوئی بات کہے یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
چپایا کچھ اُس خیر سے کہ نازل ہوا اور پُر لنگے پس تحقیق کہ وہ جوڑا ہے۔“

عون الباری شرح بخاری میں اس قول کی یہ شرح کی گئی ہے کہ یہ بچکا
تو ای پیغمبر جو کچھ کہ نازل ہوا تیری طرف طرف کافہ الناس کے جہ کے ساتھ
بغیر گاہبانی اور چہداشت کے کسی سے اور بغیر خوف ناخوشی کے۔“

جس سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ تبلیغ رسالت میں کتمان کسی چیز کا پیغمبر
کو نہیں کرنا چاہیے تھا اور نہ کہتے تھے اور پیغمبر نے جو اس موقع پر شامل کیا تھا
وہ بوجہ تقیہ کے نہ تھا۔

یہ مسئلہ رازداری جیسا کہ عمدہ پیغمبر اور خصوصاً ابتداء عمدہ پیغمبر میں عیث
قیام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہوا ویسے ہی عمدہ ائمہ میں جسے لاکھوں

اور کردار و بن مخلوق خدا نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قبول کیا ہے اور زیادہ
سچائی ائمہ اہلبیت سے اُسکے قبول کرنے میں اسی سے ظاہر ہوتی ہے کہ ^{سلطنت}
اور حکومت ظاہری اُنکے ہاتھ میں نہیں رہی تھی جن لوگوں نے کہ اُنکو دین میں
قوی اور مطاع اور عالم قبول کیا البتہ اُنہیں پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
ائمہ کو نصیب ہوا۔

بمقابلہ ائمہ اہلبیت کے جن لوگوں نے سلطنت اور حکومت سنبھالی
پر حاصل کی اور خلافت مرضی خدا اور رسول کے امر معروف اور نہی منکر پر
طرف سے قرار دیکر اُسکا حصہ لیا جسکو اصطلاح شرع میں ظلم کہتے ہیں ایسا نصیب
باعث فخر ہرگز نہیں ہو سکتا۔

مگر اُسی فخر کی بشارت قلب میں مصنف مخاطب کے پائی جاتی ہے اور
اُسی بشارت کے جوش نے مصنف مخاطب سے ائمہ اہلبیت کی نسبت
کہلوا یا ہے کہ ^۱ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نصیب ہی نہیں ہوا۔

لیکن علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت و سنی سلطنت اور حکومت اور
دنیا کو بکری کی چینک کی ریشٹ کے برابر جانتے تھے جسکا جی چاہے اُسپر
رغبت اور اُسکے حصول پر فخر اور اُس فخر سے بشارت حاصل کرے۔

علی بن ابراہیم نے ہرگز ایسی آیتوں کا ذکر نہیں کیا جنکو اُنکے نزدیک ^{فین}
نے خلاف مآزل اسد بنا دیا جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں بلکہ مصنف

مخاطب سے اُس تفسیر کے سمجھنے میں جو ائمہ اہلبیت نے فرمائی ہے غلط فہمی ہوئی ہے یا عمداً بارادہ الزام کے اُس غلط کئے پر مصنف مخاطب کو ان کی طبیعت نے مجبور کیا ہے جس کا نمونہ ابی ایک آیت کی بحث میں ظاہر ہو چکا ہے۔ اور اگر محض لفظی کا الزام مصنف مخاطب کو شیعوں پر لگانا منظور تھا تو اس زمانہ کے اُن کے کسی مجتہد کا قول صاف دکھانا لازم تھا۔

مصنف مخاطب شیعوں پر اُن کے تحریف خلافت ما انزل اللہ کے قائل ہونیکے الزام سے اپنے نزدیک فراغت پا کر کہتے ہیں کہ ”اسکے بعد وہ تین لکھی ہیں جن میں سے محمد بن نے کچھ حذف کر دیا ہے۔“

مگر مصنف مخاطب یہ نہیں سمجھتے کہ شیعہ جس حذف کے قائل ہیں وہ تفسیر بغیری ہے جس کو اپنے اپنے قرآن میں بعض بعض صحابہ نے لکھ لیا تھا کہ جواب قرآن موجودہ میں نہیں ہے اور جس کا نشان خود کتب مہنت میں موجود ہے جیسا کہ ہم پہلے دکھا آئے ہیں۔

مگر مصنف مخاطب اور جن کے وہ ہمدستان ہیں اُس حذف کو اصل قرآن جانتے ہیں چنانچہ خدا جبار اُن کے بیان کے ہم ابی لکھ آئے ہیں کہ جو حصہ کثیر قرآن کے حذف ہو جانے پر شہادت دیتے ہیں پہلے مصنف مخاطب کو ان خبا کی خبر لینی تھی مگر مصنف مخاطب نے اپنے نزدیک اُن پر ردہ ڈال کر شیعوں کی کتاب سے اس آیت کو لکھا ہے۔ آیت

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ
 إِلَیْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ
 الْمُرْسَلُ ۚ

ترجمہ: اے رسول! پہنچا دے جو تم پر
 رب کی طرف سے نازل ہوا ہے علی کے باب
 میں اور اگر تو نہ کرے تو تو نے اُسکی

رسالت نہ پہنچائی

اس سے مصنف مخاطب یہ استدلال کرتے ہیں کہ آس آیت میں
 ہی فی علی کا لفظ تھا جواب قرآن موجودہ میں نہیں

اُس روایت میں جس سے یہ تفسیر مصنف مخاطب نے نقل کی ہے ہرگز
 امام علیہ السلام کے ارشاد میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے مراد یا کائنات
 یہ پایا جاسکے کہ امام علیہ السلام نے یہ قائم کیا ہے کہ فی علی کا لفظ آیت
 میں تھا اور اگر ایسا ہوتا تو مصنف مخاطب ضرور اُس قول امام کو نقل کرتے
 کلام امام علیہ السلام میں لفظ فی علی بطور تفسیر کے ہی کہ جو پیغمبر خدا
 سے اُنکو پہنچی تھی اور جسکو پیغمبر خدا نے ظاہر کیا تھا کہ یہ آیت علی کے باب میں ہے
 اور ہم دکھا آئے ہیں کہ ابن مسعود و عمر رسول اللہ میں اس آیت میں
 ان علیاً مولیٰ المؤمنین (بحال فی علی) پڑھتے تھے۔ (تفسیر علّیہ
 سیوطی، مقاح النجاء، مرزا محمد بن معتمد خان بدخشان)

اس تفسیر سے کہ یہ آیت علی کے باب میں نازل ہوئی ہے تفسیر کے علی کو
 مومنین ہے زیادہ صاف اور صحیح ہے۔ اور بعض علماء اہلسنت نے فی علی

کے مطلب کو اور زیادہ تصریح سے بیان کیا ہو اُن کے اقوال نقل کرنے سے پہلے
بابت کا ظاہر کرنا ہی ضروری کہ بعض مخاطب نے جمعہ اس آیت کو نقل کیا
ہو اُسکے آگے یہ فقرہ آیت میں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَیْسَ لَکُمْ اَلْحَقُّ اَنْ تَقُولُوْا کُلٌّ مِّنْکُمْ
اس کل آیت کے متعلق مفسرین السنۃ کے چند قول ہیں جن میں سے
بعض کو ہم اس جگہ لکھتے ہیں۔

بعض نے حسن سے یہ لیا ہو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا نبی
کو ساتھ رسالت اُنکی کے تنگ ہو گئے ساتھ اُسکے نبی کے ہاتھ اور تھے
نبی کہ ہدایت کرتے تھے قریش کی پس زائل کی اللہ نے ساتھ اس آیت
کے وہ ہدایت۔

اور نبی ابی عائشہ اور دوسروں سے یہ لیا گیا ہو کہ چاہتا تھا خدا ساتھ
اُسکے دور کرنا تو ہم کا کہ تحقیق نبی نے چھپایا تھا کچھ وحی سے بسبب نقیہ کا
رجحان یہ مقصود ہو کہ نبی نقیہ (کتمان رائے) کرتے تھے مگر یہ موقع اُسکا نہیں
تھا)

عیاشی نے ابن عباس اور جابر بن عبد اللہ سے یہ لیا ہو کہ اُن دونوں
نے کہا کہ۔

• ۱۰ • اُمّ کلثوم بنت عبد اللہ نے محمد صلعم کو یہ کہ نصیب بن علی کو واسطی کو گوئی

پس خبر سے دو (پیغمبر) انکو ساتھ ولایت (علی) کے پس خوف کرتے تھے
رسول اللہ کہ کہیں گے لوگ بلند کیا ابن عم اپنے کو اور طعنہ کرینگے اس میں
اور پیغمبر کے پس وحی کی آمد نے اور پیغمبر کے اس آیت کی پس قائم کیا پیغمبر
نے ولایت علی کو دن غدیر خم کے

اور یہ خبر بعینہ ابو احمد نے حاکم ابوالقاسم حکانی سے کتاب شوالہ نقل
میں ملی ہے اور اسمین ابن عباس سے بھی یہ روایت ہے کہ نازل ہوئی یہ آیت
علی کے باب میں (اسمین وہی لفظ ہے جو امام علیہ السلام نے فرمایا ہے)
پس پکڑا رسول اللہ نے اپنے ہاتھ سے علی کو اور فرمایا کہ میں جس کا ملی
ہوں علی اس کا مولیٰ ہے خداوند داد و ستد رکھنا اسکو جو دوست رکھے علی کو
اور دشمن رکھنا اسکو جو دشمن رکھے علی کو

اور یہی خبر بعینہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے لی ہے کہ اسمین
بھی نازل ہونا اس آیت کا علی کے باب میں منقول ہے۔

ایسی حالت میں مصنف مخاطب جو یہ استنباط کرتے ہیں کہ لفظ
فی علی آیت میں تھا اور قرآن موجودہ میں نہیں ہے، تحریف لفظی کے
لیے شیعوں پر کچھ بھی حجت نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت علی
کے باب میں نازل ہوئی تھی اور پیغمبر خدا نے اس امر (نصب علی) کو اپنے
قول اور فعل سے دکھا دیا اور جو تفسیر اور معنی آیت قرآن کے اور بموجب

اُسکے فعل علی پیغمبر کا ثابت ہوا لازم ہے کہ تمام امت رسول اُسکو قبول کیے اور اُسکے قبول کرنے سے جو جگہ اور میان شیعہ و سنی کے ہیروہ طے ہوتا ہے لیکن جن لوگوں کی آنکھ کے سامنے پردہ تعصب کا ہیروہ اُس پردہ کو اٹھا کر اُس ٹیٹھی کی حالت کو نہیں دیکھ سکتے کہ جنہوں نے بعد پیغمبر کے اُس آیت کے معنی اور تفسیر پیغمبری اور پیغمبر کے عمل پر پردہ ڈالا ہے۔

پھر مصنف یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جو قرآن علیؑ نے جمع کیا تھا اُس میں مہاجرین اور انصار کی برائیاں مذکور تھیں ۱۱

اور تفسیر صفائی سے ایک روایت دکھاتے ہیں کہ ابو بکر نے جب علیؑ کے قرآن کو واپس کر دیا تو عمرؓ نے زید بن ثابتؓ کو بلایا اور یہ کہا بیشک علیؑ لائے تھے ہمارے پاس قرآن اُس میں برائیاں نہیں مہاجرین اور انصار کی اور بیشک تھے یہ ارادہ کیا ہو کہ جمع کر دے تو ہمارے لیے قرآن اور نکال دے اُس سے وہ حصہ جس میں مہاجرین اور انصار کی فضیلت اور تہنیت ۱۲ مصنف مخاطب اس روایت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جو قرآن علیؑ میں مہاجرین اور انصار کی مذمت تھی اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن موجودہ میں جو مہاجرین و انصار کی تعریف ہے وہ محرفین کی بنائی ہوئی ۱۳ اس روایت سے یہ بیشک واضح ہوتا ہے کہ قرآن علیؑ میں مہاجرین ۱۴

۱۵ برائیاں فطاح کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

اور انصار کی مذمت نہیں بلکہ فضائل (رسوائی) ہستی اور جس کے نکال ڈالنے کو حضرت عمرؓ نے زہد بن ثابت سے کہا۔

مگر اس روایت سے یہ بظاہر ہمیں ہوتا ہے کہ قرآن علیٰ مین مہاجرین اور انصار کی بہلائیاں ہیں تمہیں اور نہ اس روایت سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ قرآن موجودہ میں ہر مہاجرین اور انصار کی بہلائیاں مذکور ہیں وہ مخفی کی بنائی ہوئی ہیں۔

درحقیقت مہاجرین اور انصار کی حالت ایسی تھی کہ کسی وقت وہ اچا کام کر لیتے تھے اور کسی وقت بُرا جب وہ کام اچا کرتے تھے تب خدا کی طرف سے انکی نیکی نامی نازل ہوتی تھی اور جب وہ بُرا کام کرتے تھے تب خدا انکو رسوا کرتا تھا۔

چنانچہ قرآن موجودہ میں ہی یہ دونوں امر مہاجر اور انصار کے لیے موجود ہیں مگر کنایہ سے اور بغیر اظہار کسی کے نام کے اور منافق بھی نہیں تھا اور انصار میں تھے اس لیے کہ منافق اسی کو کہتے ہیں کہ جو بظاہر مسلمان ہو اور دل میں مطلق ایمان نہ رکھتا ہو یا ناقص ایمان ہو یا فسق و فجور اُس درجہ پر کرے کہ جس سے اسکا ایمان مشتبہ ہو جائے (اقسام منافق جو علمائے اہلسنت نے قبول کیے ہیں ہم پہلے بتا آئے ہیں) بہر حال منافق بھی انہیں مسلمانوں میں تھے جو مہاجر اور انصار کے لقب سے پوچھے جاتے تھے۔

اب میں قرآن موجودہ سے رسوائی مہاجر و انصار کی بطور نمونہ کے دکھاتا ہوں۔ (سورہ انفال) اور تحقیق ایک فرقہ مومنین سے ہر آئینہ کراہت کرنا ہی جگڑتے ہیں تجسے (ای پیڑیم) حق بات (جہاد) میں بعد اسکے کہ ظاہر ہو گیا ہی (ای واجب ہو گیا ہی) گویا کہ وہ گسیٹے جاتے ہیں طرف موت کے اور وہ دیکھتے ہیں۔ یاد کرو جو وقت کہ فریاد کرتے تھے تم پروردگار اپنے سے پس قبول کیا واسطے تمہارے بیشک میں مدد کرنا ہوں ایک ہزار فرشتوں ردیف وار سے (یعنی مسلمانوں میں اضطراب ہو گیا تھا اور کمل بلی پڑ گئی تھی اور اس وقت خدا کو پکارتے تھے) اور یاد کرو تم جہوت کہ تم تمہارے سے کم در زمین میں اور خوف کرتے تھے کہ اوجک ایچا بن گئے نکو لوگ پس جگہ دی نکو اور قوت دی نکو ساتھ مدد اپنی کے (اس میں صرف مہاجرین کی حالت کا بیان ہی) ای نبی کفایت کرتا ہی تجکو اسے اور جو کوئی کہ پیروی کرے تیری مومنین سے (جس سے پایا جاتا ہی کہ کچھ مومنین سے پیروی کرنا لے نہیں ہی تھے) تم چاہتے ہو مال دنیا اور اسد چاہتا ہی آخرت (یہ وہی آیت ہے جو مفسرین اور علمائے قیاد نے قتل اور فدیہ کی بحث کی ہی)۔

سورہ توبہ

مفسرین نے اس سورہ کے متعدد نام بیان کیے ہیں بجز اس کے ایک

فاضل ہی جسکے یہ معنی ہیں کہ یہ آیت فضیحت (رسوائی) کر نیوالی ہے۔
 صاحب تفسیر اتقان نے بخارہ ہی کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ ابن مسعود
 نے سورہ نوبہ کو فاضل کہا ہے اور انکا قول اور دوسری روایت سے حضرت
 عمر کا یہ قول لکھا ہے کہ جب تک یہ سورہ نازل نہیں ہو چکی ہوگی کہ ان تما
 کہ کوئی نہیں بچے گا جسکا ذکر اسمین نہ کیا جائے اور اسو سولے اسکا نام فاضل
 (رسوائی کر نیوالی) رکھا گیا ہے۔

اس سورہ میں خدا فرماتا ہے کہ اے وہ لوگو کہ ایمان لائے ہو نہ کڑو
 اپنے باپن اور بہائیوں کو دوست اگر دوست رکھیں وہ کفر کو اور پران
 کے اور جو شخص کہ دوست رکھے انکو تیسے پس وہ ظالم ہے۔
 خدا اپنی نصرت کا موطن کثیرہ اور دن حنین کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ
 تنگ ہوئی تھی اور پرتما سے زمین اسی سلمانو باوجود کشادہ ہونیکے پر پشت
 پیری تھے جو وقت کہ پیچھے ہٹنے والے تھے۔

بیشک اذن چاہتے ہیں تجسے (جہاد کا) جو لوگ کہ حنین ایمان لا
 ساتھ اس کے اور دن آخرت کے (بالیقین) اور شک میں ہیں دلی نگر
 پس وہ اپنے شک میں متردد ہیں اور اگر ارادہ کرتے وہ خروج کا المیتیا
 کرتے سامان کو لیکن مکر وہ جانا اس نے اور ٹہنا انکا پس بند کیا انکو اور کہا

کہ بیہوشی سے ساتھ بیٹھنے والوں کے اگر کھتے وہ تو بنا ہی اور ہدی کو زیادہ کرتے اور
ہر آئینہ گھوڑے دوڑتے درمیان تمنا سے (فساد کے) اور چلتے وہ ہم
فتنہ اور درمیان تمنا سے سننے والے ہیں واسطے اُنکے (ای جاسوس ہیں)
اور ہر آئینہ فتنہ طلب کیا ہر آنسو نے پہلے سے اور پلٹ دیا اُنہوں نے تیرے
کام کو بیکار کیا کہ آیا حق اور ظاہر ہوا کام خدا کا در حالیکہ وہ ناخوش ہو سکا
ہیں۔ بعض اُنہیں سے وہ شخص ہے کہ کتا ہر اذن دے تو جھکو (ڑائی میں نہ
جاؤ نہیں) ضرور ہو کہ فتنہ میں پڑے ہیں وہ (کہ بیٹھ ہے) اگر جھکو نیکی
(فتح) ملتی ہے بڑی لگتی ہے اُنکو۔ اور اگر جھکو مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں وہ
کہ ہنہ اپنا کام پہلے سے کر لیا (دورانہ دیشی سے لڑائی میں نہ گئے) کہ اسی سچ
خبر کہ وہ تم رغبت سے یا ناخوشی سے ہرگز نہ قبول کیا جائیگا تحقیق کہ تم قوم
فاسق ہو۔ اور نہیں بجالاتے ہیں ناز کو مگر کاہلی سے اور نہیں فحش کرتے
ہیں مگر در حالیکہ کہ اہستہ کر دیا ہے ہیں۔ اُنہیں سے وہ بھی ہیں کہ الزام
لگاتے ہیں تجھ کو صدقات میں پس اگر دیے جائیں اُنکو اُس میں سے رضی
ہوتے ہیں اور اگر نہ دیے جائیں وہ اُس میں سے غصہ ہوتے ہیں۔ کچھ کو
اُنہیں سے ایسے ہیں کہ ایذا دینے ہیں نبی کو اور کہتے ہیں کہ خوب سننے والا
ہے۔ اور جو لوگ کہ ایذا دیتے ہیں رسول کو واسطے اُنکے عذاب دردناک ہے
قسمیں کہتے ہیں خدا کی تاکہ ماضی کریں تمکو۔ خوف کرتے ہیں منافق یہ کہ

نازل ہوا پھر کوئی سورہ کہ فردے اُنکو جو کچھ کہ اُنکے دلوں میں ہیں کہ تو ای پیغمبر
 ٹھہرا کرو تم تحقیق کہ اسے ظاہر کرینو والا ہو اُس چیز کو کہ ڈرتے ہو تم اور اگر
 پیچھے تو اُن سے تو البتہ کہیں گے کہ ہم کہیں کرتے اور با نسی کرتے ہیں۔
 رہے آیت اُن بارہ شخصوں کے حق میں ہیں کہ ہاٹ کی گماٹی پر کھڑے ہو کر
 مشورہ کیا تھا کہ رسول خدا کو مار ڈالو اور یہ کہا تھا کہ اگر وہ دریافت کر جائے
 تو ہم کہیں گے کہ آپس میں ہم ہنستے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب جنگ
 تبوک سے پیغمبر خدا صلعم پر تھے اور حضرت خدیفہ نے بموجب فرمودہ
 پیغمبر کے اُن لوگوں کی سواریوں کے منہ پر جا کر مارا وہ ایک طرف کو ہو گئے اور
 پیغمبر کے دریافت پر خدیفہ نے سب کے نام بتائے اور عرض کی کہ آپ
 کیونکہ ہمیں بھیجے دیا اُنکو کہ ہم جا کر اُنکو قتل کریں حضرت نے فرمایا کہ مجھ کو یہ امر
 مکروہ معاوم ہوتا ہے عرب کہیں گے کہ محمد صلعم اپنے اصحاب کو خود قتل کرتا
 ہے۔ اس حسد کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے نہ عذر کرو تم تحقیق کہ کفر کیا
 تھے بعد ایمان اپنے کے۔ منافقین اور منافقات بعض اُنکا بعض سے ہیں
 امر کرتے ہیں ساتھ مل کر اور نہی کرتے ہیں معروف سے کفر کیا اُنہوں نے
 بعد اسلام اپنے کے۔ قصد کیا اُنہوں نے اُس چیز کا کہ نہ پایا اُنہوں نے (پیغمبر
 اور مہاجرین کا مدینہ سے نکال دینا اور ابن ابی کو اپنا سردار مقرر کر دینا مقصود
 تھا) جو لوگ کہ اِلام لگاتے ہیں رغبت کرینو اُنکو تو دشمنین میں سے صدقاً

میں اور ایسے لوگوں کو کہ نہیں پاتے ہیں مگر طاقت اپنی پس ٹھٹھا کرتے ہیں وہ
 اُنسے اور ٹھٹھا کرتا ہی اللہ اُنسے اور واسطے اُنکے عذاب دردناک ہر بخشش مانگ
 تو اُنکے لیے یا نہ مانگ اور اگر تو بخشش چاہے اُنکے لیے ستر مرتبہ ہر بخشش
 نہیں دیگا اُنکے لیے خدا خوش ہوے پیچھے رہ جائیو اے ساتھ جگہ بیٹھ
 اپنی کے خلاف پیغمبر خدا کے اور کراہت کی یہ کہ جہاد کریں وہ ساتھ
 مالوں اپنے کے اور فسون اپنے کے راہ خدا میں۔ اور کہا کہ باہر نہ نکلو گری
 میں۔ کہہ دے تو کہ نار جہنم زیادہ گرم ہے۔ اگر سمجھتے وہ ہیں نہیں گے توڑاؤ
 روئیں گے بت۔ پس اگر پیرے تجکو خدا طرف ایک گردہ کے اُنہیں سے
 پس اذن چاہیں گے تجھے خروج کا (کسی جہاد میں) پس کہہ دے تو کہ کہی
 نہ نکلو تم میرے ساتھ اور کہی نہ لڑو تم میرے ساتھ ہو کر دشمن سے بیشک
 تم راضی ہو گے اپنی بیٹھنے پر پس بیٹھے رہو پیچھے رہ جائیو اُنکے ساتھ۔ اور نہ
 نماز پڑھ کہی تو اُنہیں سے کسی پر جبکہ مرجائے اور اسکی قبر پر نہ کھڑا ہو۔
 اور جبوقت کہ نازل کی جائے کوئی سورۃ یہ کہ ایمان لاؤ تم ساتھ اللہ کے
 اور جہاد کرو تم اُسکے رسول کے ساتھ ہو کر اذن چاہا تجھے صاحبان مال
 اُنہیں سے اور کہا اُنہوں نے کہ چوڑ جا چکو کہ ہوں ہم ساتھ بیٹھ رہنے والو
 کے راضی ہوے اس بات پر کہ ہوں وہ ساتھ پیچھے رہ جائیو اُنکے
 اور بیٹھ رہے جو لوگ اُنہوں نے جھوٹ کہا خدا اور رسول سے کہ ہم ایمان

لاسے ہیں) بیشک اُنکے لیے کوئی راہ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے کہ اذن چاہتے
 ہیں تجھے (بیٹھ رہنے کا) درحالیہ کہ وہ غنی ہیں۔ راضی ہوئے کہ چون ہر راہ
 چھوڑ رہ جائیوں اُنکے۔ خدا نے مہر اُنکے دل پر کر دی ہے۔ عذر کرینگے وہ طرف
 تمہارے جسوقت کہ پہرے تم طرف اُنکے کہہ دے تو ایسی بغیر عذر کرو تم
 ہرگز باور نہ کرینگے ہم واسطے تمہارے تحقیق کہ ہلکے خبر دی ہے اسلئے تمہارے
 اخبار سے۔ قریب ہے کہ قسم کھائیں گے خدا کی تمہارے واسطے جسوقت
 کہ پہرے تم طرف اُنکے تاکہ ٹھنڈے پیر تو تم اُنسے پس ٹھنڈے پیر تو اُنسے بیشک ڈانپا
 ہیں۔ قسم کھاتے ہیں وہ تھے تاکہ راضی ہو جاؤ تم اُنسے پس اگر راضی ہو
 تم اُنسے پس بیشک اسد نہیں ماضی ہوتا ہے قوم فاسق سے۔ اُن لوگوں
 میں سے کہ گرد تمہارے ہیں اعراب سے اور اہل مدینہ سے جو گروہے
 ہیں نفاق سے نہیں جانتا ہے تو اُنکو ہم جانتے ہیں اُنکو قریب ہے کہ عذاب
 کریں ہم اُنکو دو مرتبہ۔ اور پہرے پیرے جائینگے طرف عذاب بزرگ کے۔
 دوسرے اعراف کیا اپنے گناہوں کا اور دیا اُنہوں نے عمل صالح کو اور دوسرے
 عمل بد کو۔ اور آخر دے امیدوار کیے گئے ہیں واسطے امر اس کے۔ یا
 عذاب کرے اُنکو یا توبہ اُنکی قبول کرے۔ اور جن لوگوں نے کہ بنایا مسجد کو
 واسطے خرابی اور کفر کے تفرقہ ڈالنے کے درمیان مومنین کے ہمیشہ رہی دنیا
 اُنکی جو بنائی اُنہوں نے شک کی اپنے دلوں میں مگر یہ کہ پارہ پارہ کیے جائیں

دل اُنکے۔ نہیں رواہی واسطے اہل مدینہ کے اور جو کوئی گزرا اُنکے ہر اعراب سے
یہ کہ پیچھے رہ جائیں رسول اللہ سے اور نہ رغبت کرنی ساتھ نفسوں اپنے کے
نفس اُسکے سے۔“

سورہ محمد

۱۰ پس جس وقت کہ نازل ہو سرور محمدؐ اور ذکر ہو سچ اُسکے مثال کا دیکھتے تو
اُن لوگوں کو کہ اُنکے دونوں مرض ہی نظر کرتے ہیں طرف تیرے اُس شخص کی
سی کفش کیا گیا ہوا پر اُسکے موت سے۔“

سورہ آل عمران

۱۱ حال یہ ہی کہ نہیں جانا ہی خدا نے اُن لوگوں کو کہ جہاد کیا ہی تم میں سے
اور نہیں جانا ہی صبر کرنے والوں کو اور تحقیق سے تم آرزو کرتے تھے تم موت کی
قبل اس کے کہ ملاقات کرو اُس سے پس تحقیق کہ دیکھنا تھے اُس کو در حالیکہ تم
نظر کر رہے تھے (ای بھائی برادر تمہارے جنگ میں مرے ہوئے پڑے
تھے اور تھے اپنی آرزو پوری نہ کی۔)

۱۲ اور نہیں ہی محمدؐ پیغمبر تحقیق کہ گذرے ہیں پہلے اُس سے پیغمبر پس کیا
اگر مر جائے یا قتل ہو جائے ہر جاؤ گے تم اوپر ایڑیوں اپنی کے اور جو کوئی کہ
پہر جائے اوپر دونوں ایڑیوں اپنی کے پس ہرگز نہ ضرر دیا وہ خدا کو کچھ۔“
(یہ آیات متعلق جنگ احد کے ہیں)

کیا اس میں کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآن موجودہ مہاجرین اور انصار کی رسوائی سے مالا ملل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ایک سورہ میں اُس کے (سورہ برات) مہاجرین اور انصار کی فضیلت اور رسوائی اس قدر نازل ہوئی کہ ابن عباس اور خود حضرت عمر کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کوئی مہاجر اور انصار اُس فضیلت سے بے چارے نہ ہو گا اور اُن دونوں بزرگوار نے اُس سورہ کا سورہ فاضل یعنی رسوا کرنے والی نام رکھ دیا۔

جب قرآن موجودہ میں رسوائی مہاجرین اور انصار کی اس درجہ پر موجود ہے تو قرآن مرتبہ علی مرتضیٰ میں اُس فضیلت اور رسوائی کا نمونہ غیر ممکن تھا اور اگر مہاجرین اور انصار کی رسوائی کا مندرجہ ہونا کسی کتاب کی صحت پر شبہ ڈال سکتا ہے تو جیسے علی مرتضیٰ کا مجمعہ قرآن مشتبہ یا باطل خیال کیا جاسکتا ہے تو ویسے ہی قرآن موجودہ۔

مگر حضرت عمر نے جو قرآن علی لاسے تھے اور اُس کی نسبت یہ کہا کہ اُمین رسوائی مہاجرین اور انصار کی ہے اور زید بن ثابت کو ایسے قرآن کی تالیف کا حکم دیا کہ جس سے رسوائی اور ہتک مہاجرین اور انصار کو نہ ہو کر دیا جائے اور پھر قرآن موجودہ جس تالیف پر کہ جمع ہے اُس کو قبول کر لیا حالانکہ اُمین ہی فضیلت اور رسوائی اور ہتک مہاجرین اور انصار کی ہے۔

وجہ اُسکی یہ ہے کہ قرآن مجتہد اور مرتبہ علی مرتضیٰ مین از روئے تفسیر پیغمبری کے تمام وہ واقعات اور مقامات کہ جنسے رسوائی اور ہتک مہاجرین اور اور انصار کی ظاہر ہوتی تھی مع تفصیل اُنکے ناموں کے لکھی ہوئی تھی (دیکھو وہ روایت معتد کہ کتاب ہدنت کی کہ پیغمبر نے کتاب اسماء اہل دوزخ کی پیش کر دی تھی جسکو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔)

حضرت عمر ایسے مرتبہ قرآن علی مرتضیٰ کو کسی طرح پسند نہیں کر سکتے تھے اور وہ مجبور تھے کہ زید بن ثابت سے ایسا قرآن تالیف کرائیں کہ جس میں وہ تفسیر اور تشریح پیغمبری ساقط اور حذف ہو لیکن وہ اسپر ہی مجبور تھے کہ اصل متن قرآن میں جو رسوائی اور ہتک مہاجرین اور انصار کی بلا تشریح واقعات اور مقامات اور تفصیل اسماء کے کثرت مذکور تھے اُسکو قائم اور برقرار رکھیں اور تخصیص کے ساقط اور حذف ہو جانے سے مہاجرین اور انصار کی تسبیح رسوائی سے فائدہ حاصل کریں۔

اور اُنہوں نے اُسوقت یہ ضرور سمجھ لیا تھا کہ اُنہذا زمانہ میں اُنہذا نسلیں کسی کی رسوائی کا قرآن موجود سے استنباط نہ کر سکیں گی اور اصل متن قرآن میں بغیر تشریح اور تفصیل نام کے خطا کار لوگوں کی طرف کثرت کثرت سے در حقیقت زندیق کو موقع اعتراض کا تھا اور جسکے جواب میں علی مرتضیٰ

نے فرمایا ہوتا تحقیق کہ کیا یہ خطا ان لوگوں کے ناموں سے جو منافقین سے تھے قرآن
 میں یہ فعل حتمی کا لفظ ہے۔ یہ عمل تغیر اور تبدیل کرنا اور لوگوں کا جنوں
 قرآن کی ایک کڑی ہے اور ان لوگوں کے عوض میں اختیار کیا اور تاکہ
 خلق خدا پر تپا ہو جس سے پس خدا نے ان کے قلوب کو باندھا کر دیا تاکہ
 کہ چوڑا انہوں نے اسی کتاب میں اس خبر کو کہ جس نے دلالت کی ان کے احداث
 اور تحریف پر اور بیان کیا ان کی تمسک اور تلبیس کو اور چھپا ان کو اس خبر کے کہ
 جانتے تھے اس کو اسی کتاب سے اور پس جب وہ واقع ہوئے اس امر
 پر کہ خدا نے اس سے اہل حق اور باطل کو بیان کیا ہے اور یہ کہ اگر یہ ظاہر ہوگا
 تو جو کچھ کہ انہوں نے باندھا ہے وہ ٹوٹ جائیگا کما انہوں نے کہ ہمیں اس کتاب
 کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ اور کہ قرآن سے اس قدر باقی رہا کہ جس کو وہ سمجھے کہ یہ
 ان کے حق میں نافع ہے حالانکہ وہ ہی ان کے لیے مضر ہے۔ اور اس امر کو امت پر تپا
 کر دین تاکہ وہ ان کی اعانت کریں ان کے باطن پر پس خدا نے اسی کتاب پر رموز
 ثابت رکھے۔

یہ نام فقرات ارشاد علی مرتضیٰ کے ایسے سچے اور ٹھیک ہیں کہ قرآن
 موجودہ جنکی صداقت پر شہادت دے رہا ہے۔

علی مرتضیٰ کی اس حدیث میں جو ذکر تقیہ (راز) کا اس موقع پر ہے۔
 اس کی تصدیق ہی اصل قرآن موجودہ کرتا ہے۔ رسوائی مہاجرین و انصاء

کی آیات کا ترجمہ جوتھے دکھایا اُس سے ظاہر ہے کہ خطا کار مکتے نام کی تفصیل یا
اُن واقعات اور مقامات کی عموماً تشریح نہیں ہو جہاں جہاں اور جس جہت
جو جو خطائیں اُن سے وقوع میں آئیں۔

مائل کرنا چاہیے کہ خدا نے کنایہ اور رموز سے کیوں اُلکھا ذکر کیا اور کس
مصلحت سے اُس وقت اپنے اس راز اور بید کو چھپایا اور دوسرے وقت
بذریعہ کتابوں رب العالمین کے پیغمبر نے اُس راز خداوندی کو ظاہر کیا۔
اس تحقیق کے بعد یقین ہو جاتا ہے کہ جو روایت تفسیر صائی ہے مصنف
مخاطب نے لی ہے کہ علی مرتضیٰ کے مجتہد قرآنین مہاجرین اور انصار کی سوا
تھی اور حضرت عمر نے زید بن ثابت سے ایسا قرآن تالیف کرایا یہی
سے وہ رسوائی (جو قرآن مجتہد علی مرتضیٰ میں تھی) ساقط ہو جائے۔ وہ
روایت صحیح ہے اور اُس روایت سے نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن موجودہ میں جو
مہاجرین و انصار کی تعریف ہے وہ محرفین کی بنائی ہوئی ہے جیسا کہ
مخاطب نے استنباط کیا ہے۔

بہر مصنف مخاطب ایک اور روایت سے تحریف کی خبر سمجھتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ یہ اول سورہ نحل کی اس آیت کو سمجھ لیجئے اس قسم نوٹنے
والوں اور بدعہدوں کی مذمت میں فرماتا ہے۔

یہ تمخن و نایا نکم دخلا بینکم | یہ تم اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا دینی والے

ان تکون امة هي سبنا من امة“ بتاتے ہو جب کوئی قوم کسی قوم سے
بڑھ رہی ہوئی ہوئی ہے۔

مصنف مخاطب اس آیت کے یہی بتاتے ہیں کہ تمہاری یہ حالت
ہی کہ ایک قوم کے ساتھ عدد و پیمانہ کیلئے ہوا درجہ دوسری قوم غالب
تکمل جاتی ہے تو پہلی قوم کے ساتھ جو عدد کر چکے تھے اسکو توڑ کر دوسری قوم کے
ساتھ ہو چلتے ہو۔ اس آیت میں جو لفظ (اربی) ہے اس کے معنی غالب
اور بڑھا ہوا ہیں اور لفظ امت کے معنی قوم اور جماعت کے ہیں۔

اس آیت میں اور مصنف مخاطب کے اس کے معنی بیان کرنے میں جو
لفظ عدد و پیمانہ اور امت کا آیا ہے اسکی مراد بالتعمیم ہے یا بالتخصیص آیا کسی خاص
عدد و پیمانہ سے اور خاص جماعت سے مقصود ہے یا کیا غوطلب ہے اور اس
سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آیات قرآنی کے نزول کی شان کہیں عام ہے
اور مراد اس سے خاص ہے اور کہیں شان اسکی خاص ہے اور مراد عام ہے۔
جس آیت پر مصنف مخاطب بحث کرنا چاہتے ہیں ہم اسی آیت کے
ما قبل فقرات قرآنی سے دیکھا دینگے کہ اس آیت میں مراد پیمانہ اور قسم
پیمانہ اور قسم خاص ہے نہ عام جس میں قسم توڑیو واللہ اور بد عدد و کی مذمت کی
گئی ہے اور ہم لفظ امت کی نسبت ایسی دیکھا آتے ہیں کہ اسکا اطلاق ضرور
واحد پر ہی ہوتا ہے۔

مگر مصنف مخاطب نے جو کلمہ آیت کا لکھا ہے اُس کے بعد کا کلمہ اچھوڑ دیا ہے جس کو ہم سوچتے لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے اپنے ارشاد میں اس کا کلمہ لکھا ہے اور وہ کلمہ یہ ہے۔

۲۲ انا یا بلوکم اللہ بہرہ ترجمہ ۲۲ سو اُس کے نہیں ہیں کہ ہر آئینہ آزمائیں گے مگر اللہ ساتھ اُس کے ۲۲

نחת میں اس کلمہ آیت کے (جس کو مصنف مخاطب نے اور بھی لکھا ہے) تفسیر صافی میں ایک روایت لکھی گئی ہے مصنف مخاطب اُس کو نقل کر کے یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ۲۲ کافی میں اور تفسیر قمی میں امام صادق سے روایت ہے کہ اُنہو نے یوں پڑھا۔ ان تلکون ائمتہ ہی ان کی من ائمتکم یعنی (کہ ہوئیں ائمہ جو زیادہ پاک ہوں تمہارے ائمہ سے) تو امام سے کسی نے کہا کہ ہم تو یوں پڑھتے ہیں (ہی اسابی من ائمتہ) تو امام نے فرمایا کہ اسابی کیا اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا پھر ہاتھ کو ڈال دیا ۲۲

اس تفسیر سے جو امام علیہ السلام نے فرمائی مصنف مخاطب یہ استنباط کرتے ہیں کہ اس روایت سے ظاہر ہو گیا کہ قرآن موجودہ میں جو یہ لفظ ہیں (ائمتہ ہی اسابی من ائمتہ) اس کو امام نے غلط بتایا بلکہ اسابی کے لفظ پر تعجب کے ساتھ طعن کیا اور یوں پڑھا (ائمتہ ہی ان کی من ائمتکم)۔

صنف مخاطب نے اس روایت کو پورا نقل نہیں کیا اس عرض سے کہ لوگوں کی نگاہ میں ان کے استدلال کو تحریف لفظی کے لیے وقعت ہو اگر وہ اس روایت کو پورا نقل کرتے تو ان کے استدلال کی بی وقعتی خود اسی روایت سے ظاہر ہو جاتی۔

بقیہ اس روایت کا یہ ہے۔

”قَالَ اَنَا بِلَوْكُمُ اللّٰهُ بِرِغْنِيْ بَعْلِيْ“ ترجمہ (بعد اسکے کہ اشارہ کیا تھا ہاتھ اپنے کے اور دیا اُس ہاتھ

کو) فرمایا امام نے بیشک آزمائیکا استد کو ساتھ اُس کے (یہ آیت کے الفاظ تھے) یعنی ساتھ علی کے آگاہ کرنا ہے کہ کو بعد ثبوت اُس (پیمان اور قسم) کے اس کھل روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امام علیہ السلام نے اس آیت کے معنی اور مراد بیان کر کے تفسیر فرمائی ہے اور الفاظ آیات کو اپنے بیان میں ذکر کیا ہے اور جیسے کہ دوسرے الفاظ آیات کو ذکر کر کے اسکے معنی اور مراد بیان کی ہے ویسے ہی لفظ امت کے اور اربابی کے معنی اور مراد ائمہ اور ان کی سے ظاہر فرمائی ہے۔

صاحب تفسیر صافی نے اس روایت کو جہان نقل کیا ہے اُس سے پہلے یہی ظاہر کیا ہے کہ جے جوامع میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نازل ہوئیں یہ آیات سچ ولایت علی اور بیعت کے جو ان کے لیے لی گئی

جسوقت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ سلام کر دو تم علیؑ پر ساتھ میرا لو نہیں ہوئیے۔
 • جس سے کچھ شبہ نہیں رہتا کہ امام علیہ السلام نے ان آیات کو بارہ
 علی میں نازل ہونا فرمایا اور الفاظ آیات کے معنی اور مراد بیان کیے۔
 امام علیہ السلام کے ارشاد میں کوئی ایسا لفظ نہیں کہ جو اس بات
 پر دلالت کرتا ہو کہ قرآن میں لفظی تحریف کی گئی ہو اور خدا نے لفظ اللہ اور
 ازکی نازل کیا تھا اور تحریف کے وقت لفظ اللہ اور ربی لکھ دیا گیا۔
 اب میں ان کل آیات کو لکھتا ہوں جن میں کا ایک جزو درمیان
 مصنف مخاطب نے نقل کیا ہے اور جو ان آیات کی تفسیر میں اختلاف
 مسلمانوں کا ہے وہ بھی ظاہر کر دینگا تاکہ آسانی سے معلوم ہو جائے کہ ان
 آیات کی صحیح تفسیر کیا ہو سکتی ہے اور ان آیات میں کس بیان اور قسم کا ذکر
 اور امت کس جماعت عہد کرنے والوں سے مقصود ہے۔

و یوم نبیؐ فی کل امۃ شہیداً	ترجمہ: اور جس دن کہ اوستائیں گے
علیہم من انفسہم وجئنا بک	ہم ہیج ہر امت کے گواہ کو اوپر لے
شہیداً علیٰ ہولاء و نزلنا علیک	نفسوں ان کے سے (ای انہیں کی
الکتاب تبیاناً لکل شیء و ہدایۃ	قوم سے) اور لائینگے ہم تجھ کو گواہ اپنی
و رحمتہ و بشری للسلیمین ان	ان کے (اس مضمون آیت سے ظاہر ہے
اللہ یا مرہباً لعدول و الاحسان	کہ کچھ لوگ ہر ایک امت پر گواہ کرے

وَاتَّبَعُوا ذِي الْقُرْبَىٰ وَشَيْعَتَهُ
 الْفَحْشَاءَ وَالْمُنْكَرَ وَالْبَغْيَ الْعَظِيمَ
 لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ - وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ
 إِنَّهُ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا
 الْإِيمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ
 جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِذْ تَعَاهَدْتُمْ
 يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ - وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ
 نَفَقَتْ أَعْقَابُهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدٍ
 أَنْكَرْنَا تَحْذَرُونَ أَيْ أَلَا تَعْلَمُونَ
 بِشَيْءِ مَا تَكُونُ أُمَّةً هِيَ أَرْبَابُ
 مِنْ أُمَّةٍ أَدْنَا يَدُوكُمْ اللَّهُ لَسَبِيحٍ
 لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ
 وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً
 وَلَكِنْ يَفْضُلُ مِنْ شِئَاءٍ وَهِيَ
 مِنْ شِئَاءٍ وَلِتَسْتَلْزِمَ عَمَّا كُنْتُمْ
 تَعْمَلُونَ وَلَا تَحْذَرُوا أَيْ أَلَا تَعْلَمُونَ
 بِشَيْءِ مَا تَكُونُ أُمَّةً هِيَ أَرْبَابُ

کیے جائیں گے اور ضرور ہے کہ وہ ہادیان
 دین ہوں اور جسے مراد انبیاء اور ائمہ
 انبیاء سے ہو سکتی ہے اور ان گواہوں پر
 پیغمبر آخر الزمان گواہ ہونگے چنانچہ
 بقہ بین یمضون زیادہ صاف ہے
 لکنوا شہدا علی الناس یکن
 الرسول علیکم شہداء یعنی کہ
 ہو تم گواہ اور لوگوں کے اور ہر رسول
 اور پر تمہارے گواہ) پر خدا فرماتا ہے
 اور نازل کیا ہے اور پر تمہارے کتاب
 کو بیان کر نیوالا واسطے ہر شے کے
 (منفصل یا مجمل توحید نبوت الہی)
 اور ہدایت کر نیوالا اور رحمت اور
 بشارت دینے والی واسطے مسلمانوں
 کے بشیک اللہ امر کرتا ہے ساتھ عدل
 اور احسان کے اور دینے حق قیوم
 کے اور منع کرتا ہے خدا نغش سے اور

تَذَرُوا السَّوْعَ بِمَا صَدَقْتُمْ عَنْ
 سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ -
 وَلَا تَشْتَرُوا بِعَمَلِكُمْ ثَمَنًا قَلِيلًا
 عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ كَتْمِ تَقْوَا
 مَا عِنْدَكُمْ يَفْضَلُ مَا عِنْدَ اللَّهِ بِأَقْب
 وَلِنَجِّنَ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ
 بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ مِنْ
 عَمَلِ صَالِحٍ مَنْ ذَكَرُوا اللَّهَ وَهُوَ
 مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ
 لَنُخْرِجَنَّ لَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا
 يَعْمَلُونَ - فَاذْكُرُوا الْقُرْآنَ
 فَاسْتَعِذُوا بِهِ مِنَ الشَّيْطَانِ
 الرَّجِيمِ إِنَّهُ لَن يَسْلُطَ عَلَى
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ
 يَتَوَكَّلُونَ إِنَّمَا سُلْطَانُ عَلَىٰ الَّذِينَ
 يَتَوَلَّوْنَ وَالَّذِينَ هُمْ بِمَشْرُوكَاتِهِ
 هُوَ كَيَا قَبِيلَهُ قَوْسٌ مِنْ أَيْكٍ عَوْرَتِ
 ائِيسِي تَسِي كَه تَاغِي بُوَا كَرُوْطْ رَا تَسِي

اور ضائع کرتی تھی۔ اب وہ فقرہ آیت ہے جسکو مصنف مخاطب نے نقل کیا ہے (پکڑتے ہو تم قسموں اپنی کو از روئے دغل اور خیانت کے درمیان اپنے (اُسی) پیمان اور قسموں سے مراد ہے اور ہو سکتی ہے جکا اوپر ذکر ہوا نہ غیر اُسکے سے) بسبب اُسکے کہ ہوا ایک جماعت افز و قدر دوسری جماعت سے بیشک آدمائیگا اسکو ساتھ اُسکے (اُسی) عہد کے توڑنے اور نہ توڑنے پر) تاکہ میان کرے تمہارے واسطے دن قیامت کے اُس چیز کو کہ تمہیں تم اختلاف کرتے (ذکر اختلاف بہت غور کے قابل ہے جو اس امر کی خبر دیتا ہے کہ نکلت پیمان اور سو گند کر کے اختلاف کرنے لگے اور دگر وہ ہو گئے چنانچہ خدا اُسی کے ساتھ فرماتا ہے) اور اگر چاہتا خدا ہر آئینہ کرتا تمکو ایک گروہ (ایک مذہب پر) اور لیکن گمراہ کرتا ہے جسکو چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جسکو چاہتا ہے (ایسی جو چاہے ضلالت اختیار کرے اور جو چاہے ہدایت قبول کرے) اور البتہ سوال کیے جاؤ گے تمہیں چیز سے کہ تمہیں تم عمل کرتے (اس مضمون آیت سے ظاہر ہو گیا کہ ایک عہد خدا کے توڑ نیوالے ہیں اور ایک عہد خدا کے نہ توڑ نیوالے ہیں) اور نہ پکڑو تم قسموں اپنی کو فریبلا در دغا بازی در میان اپنے پسپیل جائیگا قدم بعد ثابت ہونے اُسکے کے اور چکو تم بڑائی کو بسبب اُسکے کہ روکا تمہیں راہ خدا سے اور تمہارے واسطے عذاب بڑا ہے (ایسی خدا

کے توڑ نیکے سبب سے) اور نہ خرید کر دم ساتھ عہد خدا کے (دیکھو اس جگہ
 ہر شخص سے عہد خدا کا ذکر ہی قیمت توڑی بیشک نزدیک خدا کے
 وہ بشر ہی واسطے تمہارے اگر ہو تم جانے۔ اور جو کچھ نزدیک تمہارے ہی
 تمام ہو جائیگا اور جو کچھ خدا کے پاس ہی وہ باقی رہیگا اور البتہ جزائیں گے ہم
 اُن لوگوں کو کہ صبر کیا ہی انہوں نے اجر انکا ساتھ نیک تر کے کہ تھے وہ عمل کرتے
 جو کوئی عمل کرے صالح مرد سے ہو یا عورت سے اور وہ مومن ہی پس ہر نہ
 زندگانی دینگے ہم اسکو زندگانی پاکیزہ اور ہر آئینہ جزائیں گے ہم انکو اجر انکا ساتھ
 نیک تر اسکے کہ تھے وہ عمل کرتے۔ پس جہنم کہ پڑ ہے تو قرآن کو سبناہ
 مانگ تو ساتھ اس کے شیطان زندہ ہو سے سے تحقیق نہیں ہو واسطے
 اُس شیطان کے غلبہ اور اُن لوگوں کے کہ ایمان لائے ہیں اور اوپر پروردگار
 اپنے کے توکل کرتے ہیں سو اسکے نہیں کہ غلبہ اسکا اور اُن لوگوں کے ہی
 کہ جو پیروی کرتے ہیں اُسکی اور ایسے لوگوں کے کہ جو ساتھ اُس کے شریک
 ہوتے ہیں۔“

ان آیات کے متعلق علماء اسلام کے چار قول ہیں اس امر کی
 بابت کہ عداور ایمان (بیان اور قسم) کا ذکر جو ان آیات میں ہے وہ
 کون عداور قسم ہے اور وہ کون لوگ ہیں کہ جسے وہ عداور قسم ہوئی اور
 جنہوں نے وہ عداور قسم کی۔

ایک قول تو یہی ہے جو مصنف مخاطب نے ظاہر کیا ہے کہ جب ایک قوم ایک قوم سے عداوت قسم کرے اور ہر ایک قوم ایسی آئے کہ جو اس غالب اور قوی ہو تو اس سے عداوت کے اس عداوت قسم کو توڑنا نہیں چاہیے جو پہلے ایک قوم سے عداوت قسم ہو گئی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ”یہ آیت اُن لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کہ جنہوں نے نبی سے اسلام پر بیعت کی اُن مسلمانوں کے لیے خدا نے فرمایا ہے کہ مکہ و منین چاہیے کہ قلت مسلمانوں کی اور کثرت مشرکین سے نقصان بیت کرو بعد تاکید یعنی ثابت ہو جانے اور سخت ہو جانے اُس کے۔“

تیسرا قول یہ ہے کہ ”یہ آیت اُن لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کہ جنہوں نے بیعت کی رسول سے اور پھر نصرت اسلام کے اور اہل اسلام کے پس ممانعت کی گئی ہے اُس کے نقصان سے۔“

چوتھا قول یہ ہے جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ”یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں باب میں ولایت علی کے اور بیعت میں جو اُن کے لیے لی گئی اور اُس فرمودہ رسول میں کہ سلام کرو علی کو ساتھ امیر المومنین ہونے کے۔“

قول دوم اور سوم اور چارم ایک نوح کے ہیں کہ جنہیں عداوت اور قسم کا تعلق امور مذہب اسلام سے ہے۔ بعض نے توحید اور رسالت

سے اسکو متعلق کیا ہی بعضوں نے مذہب اسلام اور مسلمانوں سے بعض
ولایت اور امارت مذہب اسلام ہے۔

پہلے اپنے قول اور فعل سے جس جس امر کی بابت جن جن لوگوں سے
وفا و قضا آہستہ آہستہ عدا و رقیب لیتے گئے وہ سب ایک قسم کے ہیں
جبکہ تعلق دین سے ہے وہ دین کہ جسکو دنیا شامل ہے۔ دین اسلام سچا
آخری سے بھی متعلق ہے اور معاشرت زندگی سے بھی۔ دین اسلام
باطنی بھی کرے اور ظاہری بھی۔

اس بنا پر ان تینوں قول اخیر کی نوعیت سے قول اول کی نوعیت
مختلف ہے اسکی نسبت یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ قول ان آیات قرآنی
کے موافق ہے یا خلاف اور جب ان آیات پر خیال کیا جاتا ہے تو اس کے
خلاف ہونے پر کچھ شبہ باقی نہیں رہتا ہے۔

ان پوری آیات قرآنی کو جو متعلق اس بحث کے ہیں اور جنکو ہم نے
نقل کیا ہے پیش نظر رکھنا چاہیے جسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اول خدا
قیامت کا ذکر کرتا ہے خوف دلائیکے لیے اور فرماتا ہے کہ ہر امت پر
ہم گواہ کثرت کرینگے جو اسکی قوم سے ہونگے اور ان گواہوں پر پیغمبر خدا کو
گواہ لائیگا۔

جس سے ظاہر ہے کہ کچھ لوگ ہر امت سے اس امت پر اور اسی

امت میں سے گواہ ہونگے۔

پیغمبر آخر الزمان کی امت کے سوا جو دیگر امتیں ہیں انکی نسبت ہم قبول کر لیتے ہیں کہ ان امتوں کے انبیا اپنی اپنی امتوں پر گواہ ہونگے مگر یہی ہم کہتے ہیں کہ کسی کسی امت میں سوائے نبی کے صالح اور بادی لوگ ہی گزرے ہیں جنکو نبی یا رسول قرار نہیں دیا گیا ایسے لوگوں کو ہم وی انبیا یا قائم مقام یا نائب انکا کہتے ہیں ایسے لوگ ہی ضرور اس امت پر گواہ ہونگے۔

لیکن اس آیت میں ذکر ہر امت کا ہی اسلیئے ضرور ہے کہ ایسے گواہ امت پیغمبر آخر الزمان پر ہی ہوں اور ان گواہوں پر پیغمبر آخر الزمان گواہ بلائے جائیں۔

اور سورہ بقرہ کی آیت سے جسکو ہم اوپر لکھ آئے ہیں نہایت صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسی امت سے کچھ گواہ ایسے ہونے چاہئیں کہ جو لوگوں پر گواہ ہوں اور ان گواہوں پر رسول گواہ ہوں۔
اب ہکو کوئی بتائے کہ وہ لوگ جو اس امت کے لوگوں پر گواہ ہوں اور جن پر پیغمبر گواہ ہونگے وہ کون لوگ ہیں؟

میں یقین دلاتا ہوں کہ ایسے لوگ جو امت کے لوگوں پر گواہ ہوں اور ان پر پیغمبر گواہ ہوں۔ نہیں ہو سکتے مگر وہی لوگ کہ جو ٹیک ٹیک

اسور شریعت محمدی سے آگاہ اور علم پیغمبری سے واقف ہوں ایسے درجہ پر
 کہ جو ٹھیک ٹھیک دین اسلام کو امت پر چلا سکے۔ ایسے ہی لوگوں کی خدا
 امت پر گواہی لیا کہ امت نے خدا اور رسول کے احکام کے بموجب عمل
 کیا یا نہیں اور جو کچھ وہ گواہی دینگے اُس پر پیغمبر آخر الزمان کی گواہی یحاجی
 کہ یہ سچ کہتے ہیں یا نہیں ایسے لوگوں کی صفت جو امت کے لوگوں پر گواہ ہوں
 اور پیغمبر آخر الزمان پر گواہ ہو سوا ائمہ اہلبیت کے کس جتنے بدلوں میں خون پیغمبر کا اور جتنے
 سینوں میں علم پیغمبر کا تھا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ان گواہوں کے ذکر کے ساتھ ہی خدا فرماتا ہے کہ ”مازل کی پہنچے تجھ پر کتاب
 جو بیان کر نیوالی ہے ہر چیز کی“

اس بیان سے خدا کے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا اُس خیر کا ذکر کرتا ہے کہ جس
 کی بابت گواہی لینا اُسکو مقصود ہے اور ذکر کتاب اس صفت کے ساتھ
 ہے کہ ہر چیز کا اُس میں بیان ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شہادت
 اس امر کی بابت لی جائیگی کہ ہر چیز جو اُس کتاب میں بیان ہوئی ہے اس پر
 امت کے لوگوں نے عمل کیا یا نہیں۔

اس بیان کے ساتھ کہ وہ کتاب ہر چیز کی بیان کر نیوالی ہے اور جس
 بیان پر عمل ہونا چاہیے خدا اس کتاب کے بیان ہر چیز کو ہدایت
 اور رحمت اور بشارت پر مسلمانوں کے لیے محمد و کراہ اور جنکو اوصاف کتاب

اور اُسکے بیان کا قرار دیتا ہے۔

غور کرنا چاہیے کہ اس مقام پر خدا نے جو تین لفظوں کے ساتھ اوصاف
اُس کتاب اور اُسکے بیان کے ظاہر فرمائے اُسکے لیے کوئی وجہ ہوئی تھا
ورنہ عام طور پر صرف ہر ایک لفظ کافی تھا۔ کتاب اور اُسکے بیان کے جو
ہدایت اور رحمت اور بشارت بیان کر کے خدا نے اُنکو مسلمانوں کے لیے
قرار دیا اور یہ نہ کہ اُنکو مومنین کے لیے۔ بہت ہی غور کے قابل ہے۔

یقین کرنا چاہیے کہ ان تینوں چیزوں سے جب تک کوئی مستفید نہیں
ہوگا وہ مسلمان جسکے معنی فرمانبردار کے ہیں نہیں سمجھا جائیگا۔

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ ہدایت اور رحمت اور بشارت تین صفتیں
کتاب اور بیان کتاب کی مسلمانوں کے لیے کیون خدا نے بیان کی ہیں
اور یاد رکھنا چاہیے کہ ان تینوں صفتوں سے جب تک کوئی شخص مستفید نہیں
ہوگا کامل مسلمان نہیں ہو سکتا۔

ہدایت کا وصف توحید کے لیے ہے یعنی کتاب اور اُسکا بیان انسان
کو خدا و صمد لاشریک کے حق ہونے کی اور غیر ایسے خدا کے دوسرے
معبودوں کے باطل ہونے کی ہدایت کرتا ہے جسکے متعلق خاص دیگر آیات
قرآنی موجود ہیں۔

رحمت کا لفظ رسالت پیغمبر آخر الزمان کے قبول کرنے کے لیے

خدا نے فرمایا ہے جیسا کہ خدا قرآن میں پیغمبر کے لیے دوسری جگہ فرماتا ہے:-
 وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

کتاب اور اُس کے بیان کی جو صفت رحمت خدا نے فرمائی ہے اُس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر آخر الزمان کی رسالت قبول کرنا جسکا بیان قرآن میں ہوا جو امت کے اخلاق درست کر دیکا وہ رحمت ہے اور اُسکا بیان کتاب میں ہے۔

تیسری صفت بشارت ہے جسکے معنی خوشخبری اور مردہ کے مین غور کرنا چاہیے کہ یہ وصف کتاب اور اُس کے بیان کا مسلمانوں کے لیے اس موقع پر کس حالت میں قرار پا سکتا ہے۔ خود معنی لفظ بشارت کے بتاتے ہیں کہ کوئی خوشخبری اور مردہ آئندہ کے لیے قرآن میں ہے۔

کتاب اور اُس کے بیان کے اوصاف میں ہدایت توحید اور رحمت رسالت کا جب ذکر ہو چکا تو یہ ترتیب دلالت کرتی ہے کہ کتاب اور اُسکا بیان بشارت کر نیوالی ہو کسی ایسے شخص کی کہ جو بعد رسول اُنکی نیابت کو اور منصب امامت کو انجام دے اور پیغمبر کی شریعت کو چلاے اور امت پیغمبر کے لوگوں پر تعمیل احکام خدا اور رسول کی کرے۔ جیسے پیغمبر آخر الزمان کی بشارت کتب آسمانی مابقی میں تھی۔

جو مسلمان کہ اس بشارت کو قرآن سے مسلمانوں کے لیے نکالتے ہیں

اور اس بشارت سے جو وصف قرآن خدا قرار دیتا ہے مستفید ہوتے ہیں
وہی عامل بیان ہر شئی کتاب کے قرار پاسکتے ہیں۔

اور مسلمانوں میں سوا فرقہ شیعہ کے کوئی اور فرقہ ایسا نہیں ہے کہ کتاب
اور اس کے بیان ہر شئی سے مستفید ہدایت اور رحمت اور بشارت و نصیحت
قرآنی کا ہوا ہو۔ کوئی فرقہ ایسا ہے کہ جسے صرف ہدایت توحید سے فائدہ
اٹھایا کوئی فرقہ ایسا ہے کہ جو رحمت رسالت سے فائدہ مند ہوا۔ بشارت
کسی کی جو قرآن دیتا ہے اور اس موقع پر جو خدا نے اسکو وصف کتاب فرمایا
ہے اسکو فرقہ شیعہ ہی قبول کرتا ہے اور کوئی نہیں اور جسے بشارت قرآنی
کو قبول نہیں کیا ضرور وہ ایک وصف قرآن سے منکر ہے۔

یقین کرنا چاہیے کہ یہی لوگ جنکی قرآن بشارت دینے والا ہے گواہ
ہیں امت کے لوگوں پر کہ جن پر پیغمبر گواہ ہوگا جیسا کہ شروع آیت میں خدا
نے فرمایا ہے اور پر خدا نے وصف قرآن میں انکی خبر دی اور وہ اہل بیت
ہیں اور انکے امام ہونے کی بیان کتاب کا بشارت دینے والا ہے۔

کتاب اور اس کے بیان کی جب خدا یہ تینوں وصف ہدایت اور رحمت
اور بشارت مسلمانوں کے لیے بیان کر چکا تب پھر خدا ان تینوں صفوں کی
سچائی اور حقیقت کا بیان تین امر کے ساتھ اسی ترتیب سے کرتا ہے
کہ جس ترتیب سے اوصاف بیان کیے ہیں اسطرح سے کہ بیشک اس

امر کرتا ہے ساتھ عدل کے اور احسان کے اور ایسا ذی القربى (دینے قرین) کے

امر عدل متعلق توحید کے ہے ابن عباس اور عطاء نے کہا ہے کہ عدل ہی توحید ہے اور امر احسان (نکوئی) متعلق رحمت رسالت کے ہے اور ابن عباس اور عطاء نے اُسکو اداسے فرائض سمجھا ہے۔ امر ایسا ذی القربى متعلق بشارتِ نبی است رسول اور امامت امت کے ہے جسکی مراد یہ ہے کہ قریب رسول کو پہنچنے اُسکی نبی است اور امامت رسول پر امامت دی۔

پھر خدا اُسی ترتیب سے اُن تینوں امور کے مخالف امور سے نبی فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر اندیشہ کرتا ہے فواحش سے اور منکر سے اور بغی سے "شرکاء کفر سے بدتر زیادہ کوئی عمل قبیح اور فحش نہیں ہے اُس سے منع کیا گیا ہے بمقابلہ ہدایت توحید کے۔ اور منکر اُسکو کہتے ہیں جو خلافِ مکارمِ اخلاق ہوا اور اُس سے ممانعت کی گئی ہے بمقابلہ رحمت رسالت کے جو مکارمِ اخلاق سے ملو ہے۔ اور بغی (سرکشی) سے ممانعت کی گئی ہے بمقابلہ بشارتِ نائب رسول اور امام امت رسول کے۔

بغاوت سے ممانعت جبکہ فحش اور منکر سے ممانعت ہو چکی تھی چنانچہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اُسی سرکشی سے ممانعت ہے کہ جو نائب رسول اور امام امت رسول سے کجی ہے اور ممانعت بغاوت بشارتِ

وجود امام پر آگاہ کرتی ہے۔

جب خدا توحید کو کہ جسکے ساتھ عدل لازمی ہے اور رسالت اور امت کو بیان فرما چکا تب اُسکے ساتھ ہی یہ فرماتا ہے کہ میں اور پند کرتا ہوں کہ لوگو کا یاد رکھو تمہیں یعنی ان تینوں امر کو بُلا ندینا۔

بیان کتاب کے لیے جو ایک صفت بشارت خدا نے فرمائی ہے اُسکے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بیان کتاب کا بشارت (مژدہ) دینے والا ہے ثوابِ جنت کا لیکن بیان کتاب کا عذاب اور جہنم کو بھی ظاہر کر نیوالا ہے اور یہ بیان اُسکا بشارت سے متعلق نہیں ہو سکتا اسیلئے کہ اس جگہ وہ بشارت با تخصیص مسلمانوں کے لیے بیان کی گئی ہے۔

اور جب ہدایت کے متعلق عدل اور رحمت کے متعلق احسان اور بشارت کے متعلق ایتاؤ ذی القربی بولا گیا ہے اور نبی میں بمقابلہ عدل کے فواحش اور بمقابلہ احسان کے منکر اور بمقابلہ ایتاؤ ذی القربی کے بغی کہا گیا ہے تو اس مقام پر وصف بشارت سے جو کتاب اور اُسکے بیان کے لیے ظاہر کیا گیا ہے مژدہ ثواب اور جنت سے کسی طرح مراد نہیں ہو سکتی۔

عبداللہ بن مسعود نے کہا ہے کہ میں اس آیت میں جمع ہو گیا ہوں کہ جو کہ کتاب اللہ میں خیر اور شر کے لیے ہے۔

اور قتادہ نے کہا ہے کہ ۲۲ امر کیا ہے اس نے ساتھ ساتھ ہر امر کا برم اخلاق کے
اور نبی کی ہر تنگی اخلاق سے ۲۲

اور کچھ شبہ نہیں کہ خدا نے پہلے مجمل تعریف کتاب کی یہ بیان کی ہے کہ
وہ بیان کرنیوالی ہر چیز کی ہے۔ جس کا مقصود یہ ہے کہ اُس میں بیان ہر امر کی
کا اور ہر چیز کا کہ جسکی حاجت ہو امور شرع سے یعنی اُس میں ہر امر بیان کیا
گیا ہے کہ جسکی احتیاج خلق کو ہو۔

اور پھر اُس کتاب کے بیان کی یہ تفصیل کی ہے کہ اُس کے بیان میں ہر
اور رحمت اور بشارت ہے اور ہر اُسکی توثیق امر بالعدل اور احسان
اور اتیان فی القرابی سے اور نہی فحشاء اور منکر اور نہی سے فرمائی ہے۔
اور جسکی مراد کی میں نے شرح کی اُس سے ظاہر ہے کہ درحقیقت کتاب خدا
کے بیان میں کوئی امر کہ جسکی احتیاج مخلوق خدا کو ہو چھوٹا نہیں۔

لیکن اُس کتاب اور اُس کے بیان پر عمل کرنا معاملہ حقیقت میں اُس
عہد سے پورا ہو سکتا ہے کہ جو در بیان خدا اور اُس کے بندوں کے ہوا اور وہ عہد
کیا ہے کہ خدا کی طرف سے ایسی کتاب کا نزول اور بندوں کی جانب سے اُسکا
قبول اور اُس پر عمل کا عہد بمعیت پیغمبر سے کرنا۔

چنانچہ اُسی آیت کے اتصال میں خدا فرماتا ہے کہ ۲۲ پورا کرو تم عہد اسے
کو جو وقت کہ عہد کرو تم اور نہ توڑو تم قسم کو بعد مضبوط کرنے اُنکے کے

درحالیکہ تحقیق کیا تھے اس کو اوپر اپنے کفیل بشیک اسد جانتا ہے جو کہچہ کہ تم کہتے ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ خدا اُس عہد کے پورا کرنے کا حکم دیتا ہے کہ جو خدا کے ساتھ مسلمانوں نے کیا تھا اور انہیں قسموں کے توڑ نیکی نہی فرماتا ہے اور عہد خدا کے ساتھ کتاب اور بیان کتاب پر ہے جس کا ذکر خدا نے پہلے کیا اور اُس میں بشارت امام بوجہ ذی القربی ہونیکے اور اُس سے بغاوت کی ممانعت داخل ہے۔

جو عہد کہ درمیان اس آیت کے مذکور ہے اُس کا تعلق اُس عام عہد سے قرار نہیں پاسکتا کہ جو ایک قوم دوسری قوم سے اپنے ذاتی امور کے لیے کرے۔

اسی جگہ سے بنیاد اُس معنی اور مراد کی منہدم ہوتی ہے کہ جو مصنف مخاطب نے اور بعض دیگر علماء اہلسنت نے مراد عہد و قسم سے باہم دو قوموں کی لی ہے۔

اور اسی ضمنوں کی ایک اور آیت سورہ رعد میں ہے۔ آیت

یوم الذین یقضون عہد اللہ	ترجمہ: اور جو لوگ کہ توڑتے ہیں عہد
من بعد میثاقہ و یقطعون ما	خدا کو بعد مضبوط کرتے اُس کے
اھل اللہ بہان یوصل فیفسد	اور قطع کرتے ہیں اُس چیز کو کہ حکم

فی الارض اولئک لم یلحقوا
ولہم سوء العذاب
کیا ہر خدا نے ساتھ اس کے ہا کہ ملائی
جانب (دوستی کی جانی) اور فساد
کرتے ہیں بیچ زمین کے یہ لوگ ہیں کہ واسطے ان کے لعنت ہے اور واسطے
ان کے برا گھر (دوزخ) ہے۔

اس آیت میں ہی نقض اسی عہد کا ذکر ہے جو خدا کے ساتھ کیا جا
اور اس عہد کی نصیحت کی گئی ہے دوستی اور ملاپ سے اور اس دوستی اور
ملاپ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ علی مرتضیٰ اور آل جنیب سے دوستی اور ملاپ
رکھو جس کا قطع کرنا نہیں چاہیے اور جس کے قطع کرنا نتیجہ فساد فی الارض ہے
جس پر مضمون اس آیت کا حاوی ہے۔

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ خدا سے کوئی عہد نہیں ہو سکتا اور باہم دو توفیق
جو عہد اپنے امور ذاتی کے لیے کریں وہی عہد خدا ہو سکتا ہے لیکن شبہ
رفع ہو جاتا ہے جب ان آیتوں کو بمقابلہ اس شبہ کے پڑھا جائے۔

وَاِذَا اخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ
لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِآلِئِ
أَحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ
ترجمہ: اور جبوقت کہ لیا جہنے پیمان
بنی اسرائیل کا کہ نہ پرستش کرو تم مگر خدا
کی اور ساتھ والدین کے نیکی کرنا اور
ذی القربی اور یتیموں اور مسکینوں کے

سورہ بقرہ اول۔

واقیووا الصلوۃ واتوا الزکوۃ ثم
 تولیتہم الاقلیلا منکم انتم معروضون
 واذاخذنا منکم ما لیسفکون
 دماکم ولا تخرجوا انفسکم
 من دیکرکم ثم اقرءتم وانتم
 تشہدون

اور کہو تم واسطے لوگوں کے نیک اور قائم
 رکھو تم نماز کو اور دوزکوۃ پہ پہر گئے تم
 مگر تھوڑے تم میں سے اور تم روگردانی
 کرنے والے ہو اور جسوقت کہ لیا ہے عہد
 تمہارا کہ نہ گراؤ تم خون اپنے (خونریزی
 نہ کرو) اور نہ نکالو تم اپنے نفسوں کو (اپنے

لوگوں کو اپنے شہوت) پہر اقرار کیا تھے اور تم گواہی دیتے ہو۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا نے خبر دی ہے اس عہد کی کہ جو نبی اسرائیل
 سے خدا نے لیا تھا دین کے کاموں کے لیے وہ دین کے جسکو دنیا شامل ہو اور
 وہ عہد ایسا نہیں ہے کہ جو باہم دو قوموں کے ہو۔

واذاخذ اللہ میثاق للنبیین
 لما آتیکم من کتاب وحکمۃ ثم
 جاءکم رسول مصدق لما
 معکم لتؤمنن بہ ولتقررن
 عاقراتکم واخذتم علی ذلکم
 اصری قالوا اقرءنا قال فاشہدوا

ترجمہ: اور جسوقت کہ لیا خدا نے عہد
 پیغمبر کا البتہ جو کچھ کہ دو نبین تکو کتاب
 اور حکمت (شریعت) سے پہر آیا تھا
 پاس رسول تصدیق کرنے والا واسطے
 اُسکے جو تمہارے ساتھ تھا تاکہ ایمان
 لاؤ تم ساتھ اُسکے اور البتہ نصرت کرو تم

وانا معکم من الشاہدین فمن کون بعد ذلك فاولئك هم الفاسقون

اُسکی کہا (خدا نے) آیا اقرار کیا تھے اور لیا تھے، وہ پُر اُسکے عہد میرے کو کہا

انہوں نے اقرار کیا ہم نے کہا (خدا نے) پس گواہ رہو تم اور میں ہمراہ تمہارے گواہوں میں سے ہوں پس جو کوئی کہ منہ پھیرے بعد اسکے پس وہی فاسق ہے اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا نبیوں سے ہی عہد لیتا ہے اور انکی انہوں ہی کتاب اور شریعت پر اور اُس اپنے عہد پر انکو ہی گواہ کرتا ہے اور اپنے آپ ہی گواہ ہوتا ہے جس عہد کا اس آیت میں ذکر ہے اُسکا تعلق اُس عہد سے کسی طرح نہیں ہو سکتا جو درمیان دو قوموں کے ہو۔

واذا اخذ الله ميثاق الذين اتوا الكتاب لتبيننه للناس ولا تكتمون فنبذوا وراء ظهورهم واشتروا به ثمنا قليلا فبئس ما يشترون

ترجمہ: اور جبوقت کہ لیا اس نے عہد ان لوگوں کا کہ کتاب دی گئی انکو (یعنی کسی امت کو پیغمبر کی امت) تاکہ بیان کریں وہ اُسکو لوگوں کے لیے اور نہ چھپائیں وہ اُسکو پس ڈال دیا

انہوں نے اُس کتاب کو پس پشت اپنے اور مول لیا انہوں نے ساتھ اُسکے مول توڑا پس بُری ہے وہ چیز کہ خرید کرتے ہیں

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا ميثاق اُن لوگوں سے لیتا ہے کہ جنکو

کتاب دیتا ہی فریضہ اپنے پیغمبر کے اور یہ عہد ایسا ہی کہ جو درمیان خدا اور کسی قوم کے ہو نہ ایسا کہ جو درمیان دو قوموں کے ہو۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِیْدًا ۖ

ترجمہ: اور البتہ تحقیق لیا خدا نے عہد بنی اسرائیل کا اور براہِ نیکوئی کے ہم نے انہیں سے بارہ سردار۔

اس آیت سے ہی ظاہر ہے کہ عہد میں ایک طرف خدا تھا اور ایک طرف بنی اسرائیل۔ اور یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے ذکرِ ميثاق کے ساتھ بارہ سرداروں کے براہِ نیکوئی کر لیا ہے جس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ ذکرِ ميثاق خدا نے اُن بارہ سرداروں کے واسطے لیا تھا۔ (جن آیات کے مضمون پر ہم بحث کر رہے ہیں ان کے مضمون سے عہد خدا کا بارہ سردار۔ (سید) کی امامت کے لیے ثابت کر رہے ہیں۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَارْهَبْنَا إِلَيْهِمُ الرِّسَالَ ۖ

ترجمہ: ہر ایک نے تحقیق لیا ہے بنی اسرائیل کا اور بھیجا ہم نے اُن کے پیغمبروں کو۔

اس آیت سے بھی ميثاق خدا بنی اسرائیل کے ساتھ پیغمبروں کے لیے ظاہر ہے نہ ميثاق قوم کا باہم قوم کے۔

سورۃ اٰندہ پارہ ۶ سورۃ اٰندہ۔

سورہ اعراف پارہ ۹ میں خدا کچھ لوگوں پر خلاف کتاب علی کا الزام لگا کر فرماتا ہے۔

۱۱۰ الم یؤخذ علیہم ميثاق الكتاب
ان لا یقولوا علی الله الا الحق
و در سہوا ما فیہ

ترجمہ: آیا نہیں لیا اور ان کے ميثاق کتاب کا اور یہ کہ نہ کہیں راہ اور خدا کے مگر حق اور پڑا انہوں نے جو کچھ کہ

سچ کتاب کے ہیں

اس آیت سے ظاہر ہے کہ ميثاق کتاب کی بابت لیا گیا کہ جو کچھ کہیں ہیں اس کو حق حق پڑنا چاہیے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ خدا اپنے انبیاء اور ان کی امتوں سے اپنی کتابوں منزل اور ان کے بیان پر عہد لیتا ہے جس کو اُس عہد سے کچھ تعلق نہیں ہے کہ جو ایک قوم دوسری قوم سے باہم عہد کرے۔

ان آیات میں اس امر کا بھی ذکر ہے کہ جو لوگ اُس عہد خدا کو توڑ دیا وہ کس رتبہ پر سزاوار ہوں گے ہیں۔

ان آیات میں جس عہد خدا اور اُس کے نقض کا ذکر ہے وہی آیت زیر بحث میں اُسی عہد خدا اور اُس کے نقض کا ذکر ہے جو خدا نے اپنی کتاب منزل پر امت رسول آخر الزمان سے لیا جس میں بیان تو حید اور رسالت اور امامت کا ہے۔

پہلے تو خدا نے اپنے اُس عہد کے وفا کا حکم دیا اور اُس کے نقض کو منع کیا
 جیسا کہ آیت میں موجود ہے اور اُس کو ہم ظاہر کر آتے ہیں۔ پھر خدا اُس نقض
 کی مثال دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ: ”اور نہ تو تم مانند اُس عورت کے کہ توڑ ڈالا
 اُس نے تا گون اپنے کو بعد قوت کے ریزہ ریزہ کر کے“
 ریزہ ریزہ کر کے توڑنا ترجمہ ہے ”انکاش“ کا جو نکش عہد بعیت میں
 بولا جاتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ قرآن اپنی بلاغت میں پیش ہے اور اُممیں جو ایک شے
 توڑنی والی عورت کی مثال دی گئی ہے اُس موقع پر کہ جہاں عہد خدا کے
 توڑنیکا جو توحید اور رسالت اور امامت کے متعلق ہے فن بلاغت کی
 روت سے جب اُس مثال پر نظر کی جاتی ہے تو امت رسول آخر الزما میں ایک
 نبی صاحب ایسی پائی جاتی ہیں جنہوں نے عہد خدا امامت کے متعلق بقاء
 علی مرتضیٰ کے خروج کر کے توڑ ڈالا۔

اسی مثال نقض اور نکش عہد امت کے متصل وہ کلمہ آیت کا ہے
 جس پر مصنف مخاطب نے بحث شروع کی ہے اور خدا فرماتا ہے کہ: ”نہ یزعم
 قسموں اپنی کو فریب اور دغا بازی در میان اپنے اس طرح کہ ہو ایک گروہ
 وہ افزون ایک گروہ سے“ اور جبکہ معنی امام علیہ السلام نے یہ فرمایا
 ہیں کہ: ”چون انہ وہ پاکیزہ اماموں تھا بہت سے“

اس ٹکڑے آیت میں جو ایمان (قسموں کا) ذکر ہوا اس کا تعلق بسلسلہ آیت اُسی عہد سے ہو سکتا ہے جس کو آیت میں عہد بعد کہا گیا ہے اور وہ عہد خدا کا مسلمانوں سے اور پر کتاب کے ہوا اور اُس کے بیان پر جسمین بشارت امام کی ہے اور جس کی تشریح اوپر کی گئی۔

اس حالت میں اس ٹکڑے آیت میں جو قسم کا ذکر ہے وہ متعلق اُس عہد کے نہیں ہو سکتی جو ایک گروہ دوسرے گروہ سے اپنے امور ذاتیات میں کرے بلکہ امت سے مراد اس موقع پر بلحاظ عہد اللہ کے ضرور ہے کہ اُن سے قرار پائے اور اس بنا پر امام علیہ السلام کی تفسیر کے بموجب معنی اس ٹکڑے آیت کے یہ ہوتے ہیں کہ: اے خدا سے عہد کر نوا اُس کی کتاب اور بیان کتاب پر پکڑتے ہو تم قسموں اپنی کو فریب اور دغا بازی سے اُسٹو پر کہ ہیں ائمہ وہ پاکیزہ تر تمہارے ائمہ سے ۛ

جس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جن ائمہ کی بشارت کتاب میں ہے اور وہ ائمہ امام ہیں اور خدا نے تم سے ان کی امامت پر عہد لے لیا ہے اب تم اپنی قسموں کو اس فریب اور دغا بازی سے توڑے ڈالتے ہو کہ اُن ائمہ سے دوسرے ائمہ پاکیزہ تر ہیں۔

اب غور کرنا چاہیے کہ از روئے تفسیر کے جو معنی اور مراد امام علیہ السلام نے بیان کیے وہ بلحاظ مقصود کل آیت کے مطابق قرآن کے ہیں اور نہیں

کوئی تحریف لازم آتی ہے یا جو معنی کہ مصنف مخاطب نے بتقلید بعض علماء
اہلسنت کے ظاہر کیے ہیں اور عہد او قسم کو درمیان دو گروہوں کے بابت
امور ذاتیہ کے قرار دیا ہے وہ خلاف الفاظ صریح آیت قرآنی کے ہیں اور
وہ مستلزم تحریف معنوی قرآن کے ہیں۔ ۹

ہنہ پوری روایت ارشاد امام علیہ السلام کی لکھدی ہے حسین کو
لفظ ایسا نہیں ہے کہ امام علیہ السلام نے الفاظ ائمہ علیہ السلام میں آیت
کو غلط بتایا ہو جیسا کہ مصنف مخاطب نے کہا ہے یا یہ فرمایا ہو کہ الفاظ جو
تخریفی ہیں۔ ”ابو ابی“ کے لفظ پر تعجب کے ساتھ طعن کیا ہے جیسا کہ مصنف
مخاطب کا استنباط ہے بلکہ امام علیہ السلام کا مخاطب اُس مراد کو جو امام
علیہ السلام نے فرمائی جب نہیں سمجھا اور اُس نے ”ہی سابی من ائمہ“
پڑھا تو امام علیہ السلام نے پوچھا کہ ”ابو ابی (فرونی) کیا؟“ اور بات سے
اشارہ کر کے پہلے کو ڈال دیا جس سے یہ مقصود ہے کہ فروتر ہو اسکے کی معنی
ہیں کس خیر میں فروتر ہو اور خود امام علیہ السلام پہلے فرما چکے تھے کہ پاکیزہ تر
ہو۔ اس قول اور فعل امام علیہ السلام کی یہ مراد ہے کہ فروتر پاکیزگی میں۔ اور
اس کے ساتھ ہی امام نے ”انما یلوکم بہ“ کی (سوا اسکے نہیں ہے کہ آزمائے گا
تکو ساتھ اُس کے) یہ تفسیر فرمائی یعنی ساتھ علی کے آگاہ کرتا ہے مگر بعد نبوت
اس کے

پہلے سے یہ بات چھوڑ کر ہی نہ ادا ہو سکتا تھا جس کے ارشاد اور اپنی کی جو مراد
 میں سے پہلے اور ان کے لئے یہ کہ یہ وہ تفسیر تھی جو اس وقت سے اس وقت کے بالکل
 اور چنانچہ اس تفسیر کے ساتھ ہی خدا فرماتا ہے تاکہ میں کو کسی کا ظاہر حرکت نہ ہو
 واسطے دن قیامت کے یہ کوئی کہتے تھے تم آئین اختلاف کو نہ

یہ ارشاد خداوندی حقیقت میں یہ عید اور تہذیب پر مخالفت رسول سے یعنی اس
 مومنین کے لیے پیغمبر نے جو عہد بعیت سے لیا اس سے نئے اختلاف کیا اور تم
 امت پر کثرت ہو گئے اور پہلے ہی کے اتحاد ال سے یہ ارشاد کرتا ہے اور اگر
 چاہتا اور بہتر رہتا کرتا تو اسے واحد لیکن گمراہ کرتا ہے جسکو چاہتا ہے یعنی
 اسے پہلے اسے اختیار ہے گمراہ ہو جاتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جس کسی کو چاہتا ہے
 یعنی اپنے فعل اور داغ اختیار سے ہدایت پاتا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ ہرگز نہ چھوڑے
 ہم اس چیز سے کہ تم عمل کو نہ بدلو گے پھر خدا تا کہ یہ سے نصیح کرتا ہے کہ
 نہ کہ تم تمہارا اپنی کو فریب اور دغا بازی در میان اپنے (یعنی مارت نہیں
 کا جو عمل کے واسطے عہد لیا گیا ہے اسکو نہ توڑو) جیسا کہ فرماتا ہے پس پس جا
 قدم بعد ثبوت اس کے اور چکو تم برائی کو بسبب اس کے کہ باندہ کائنات راہ خدا
 جسکی مراد ہے کہ ہر اوستقیم سے تمہارا قدم پس گیا اور خلاف عہد علی رضی
 امیر المومنین بعد بغیر قبول نہ کرنے سے جو غور زبان مسلمانوں میں ہو کر قوت میں ہوئی
 اور دیگر ائمہ اہلبیت کو بھی اشارت از امت قرآن دیتا تھا ان کے قبول کرنے

سے روک دیا راہ خدا پر چلنے کو جسکے سبب یہ بُرائی تمہارے حق میں ہوئی کہ سلطنت مذہب اسلام کی اُس شان سے باقی نہیں رہی جو اُس حالت میں باقی رہتی کہ جب کل مسلمان بعد پیغمبر علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت کو امیر المومنین قبول رکھتے۔

بعد ذکر پھل جانے قدم اور چکینے برائی کے بسبب باز رکھنے کے باہ خدا سے خدا فرماتا ہے: اور واسطے تمہارے عذاب بڑا ہے اور پہ خدا کا سے منع فرماتا ہے: اور نہ مولو تم ساتھ عہد اللہ کے قیمت تو ٹھری۔

اس جگہ پہ خدا نے اُس عہد کو جسکا کہ ذکر ہو رہا ہے اپنا عہد فرمایا نہ کوئی ایسا عہد کہ جو کسی دو قوموں کے باہم ہو اور جسکی مراد یہ ہے کہ جو عہد خدا کے ساتھ کیا ہے اور جو بیعت رسول کے ساتھ کی ہے جہین بیعت امیر المومنین چونے علی مرتضیٰ کی بھی شامل ہے اُسکو قیمت قلیل کے ساتھ تبدیل نہ کر د اور پہر اُس تبدیل نہ کرنے اور نہ فروخت کنہ کی خوبی کو جاتا ہے سوا اسکے نیز ہے کہ نزدیک اللہ کے جو ہے یعنی عہد اللہ کا نہ توڑنا وہ بہتر ہے واسطے تمہارے اگر تم جانو اُسکو جو کچھ کہ تمہارے پاس ہے کہ وہ کم اور فنا ہو جائیگا اور جو کچھ نزدیک خدا کے ہے وہ باقی رہنے والا ہے یعنی اگر تم اُس عہد خدا کو توڑ دو تو سلطنت مذہب اسلام کی بعد پیغمبر علی مرتضیٰ کو امیر المومنین نہ قبول رکھتے آہستہ آہستہ ضعیف ہو جائیگا اور اگر عہد خدا کو نہ توڑو گے

اور علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت کو بعد پنی قبول کرنے رہو گے تو سلطنت اسلام وسیع اور قوی ہو کر ہمیشہ کو باقی رہیگی جس سے ملک و فائدہ زیادہ ہوگا۔

جب خدا عہد اس کے توڑیو ان کا ذکر کر چکا تو پھر ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے کہ جنکے واسطے عہد لیا گیا تھا اور انکے یہ یہ فرماتا ہے کہ اور ہر آئینہ جزا دینگے ہم انکو کہ جنہو نے صبر کیا انکے اجر کا نیک تر اس سے کہ تے وہ عمل کرتے عمل صالح سے وہ اول صبر کرنیوالے مرد و عورتوں سے کون تے۔ علی مرتضیٰؑ جنکو صالح المؤمنین خدا نے دوسری جگہ فرمایا ہر اور عورتوں میں سے فاطمہ زہراؑ رسول اس کے واسطے علی مرتضیٰؑ تین۔ اور پھر ان دو نوکی اولاد ائمہ اہلبیت جب خدا یہ فرما چکا کہ ہر آئینہ جزا دینگے ہم ان لوگوں کو کہ جنہو نے صبر کیا انکے اجر کی بہتر اس سے کہ تے وہ عمل کرتے عمل صالح سے تو اس کے ساتھ ہی یہ ارشاد کیا کہ ”مرد سے ہو یا عورت سے“

چونکہ اول صبر کرنیوالے عہد خدا کے توڑے جانے پر ایک عورت ہی تھیں اس لیے خدا نے اپنے کلام بلیغ میں اسکو ہی ظاہر کر دیا۔ اور خدا ہی ذکر ان عمل صالح کرنیوالوں کا مرد ہو یا عورت کر چکا تو پھر یہ فرماتا ہے ”اور وہ سب“ عہد پنی میں ایسا سب مرد اور عورت سے سوا علی مرتضیٰؑ اور فاطمہؑ نہ ہر صلوات اللہ علیہما کے کوئی نہیں ہو سکتا تھا کہ جنہو نے ایک چشمزدن کفر اختیار نہ کیا ہوا وہ بتلا سے پرورش اور تعلیم ایمان پر پائی ہو

اور اسی اعتبار سے خدا کی حالت زندگانی کو بیان کرتا ہے۔ پس ہر آئینہ زندگانی دیکھتے ہیں اُسکو زندگانی پاکیزہ۔ حیات طیبہ کی مراد ابن عباس اور سعید بن جبیر اور عطاء نے رزق حلال سے لی ہے اور حسن اور وہب نے حیات طیبہ کی مراد قناعت اور رضا سے لی ہے اور پیغمبر سے اُسکی روایت کی گئی ہے۔

رزق حلال اور قناعت اور رضا پر صیبا کہ علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہما اور انکی اولاد ائمہ اہلبیت نے اپنی زندگانی کو بسر کیا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُن سے بہتر کسی نے بسر کیا ہو۔ اسی آیت میں جو ذکر صبر کرینو اونکا آیا ہے بیشک یہی لوگ اُسکے مصداق ہو سکتے ہیں۔ اور یہ خدا آمین کے لیے اصرار کرتا ہے۔ اور ہر آئینہ جزا دیتے ہیں اُنکو اُنکے اجر کا۔ ہر اُس سے کہتے ہیں عمل کرتے۔

شروع آیات میں خدا نے ذکر نازل کرنے کا کتاب کا اور اُسکے بیان کا کیا تھا جمیع بشارت امامت علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت کی تھی اور جس پر خدا نے عہد اور پیغمبر نے بیعت لی اور اُسکے وفا اور نقض کی حدایت اور مانعت اور اُسکے تعلق جو نصائح اور مصالح تھے اور اُس پر عمل کرنے اور نہ کرینو اون اور اُنکی حالت بیان ہو چکی تب خدا اُسی کتاب کے لیے فرماتا ہے کہ۔ پس جو وقت کہ پڑھے تو قرآن کو پس پناہ مانگ تو ساتھ اللہ کے

شیطان راندے ہوئے سے تحقیق کہ نہیں ہر وسطے اُس (شیطان) کے غلبہ اور پُران لوگوں کے کہ ایمان لائے ہیں وہ اور اوپر رب اپنے کے توکل کرتے ہیں سوا اسکے نہیں ہر کہ غلبہ لٹسکا اور پُران لوگوں کے ہر کہ جو پیر کر کے ہیں اُسکی اور ایسے لوگوں کے کہ جو ساتھ اُسکے شریک ہوتے ہیں۔ اس اخیر آیت میں خدا نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ کتاب جو بیان کرتی ہے بشارت امامت کی ہر اور عہدِ رس پر وفا کرنے اور نہ توڑنیکے لیے جو اُس امامت پر لیا گیا ہر جب پڑھو تب خدا کے ساتھ پناہ مانگو شیطان راندے ہوئے سے۔

اور یہ بھی خدا نے بتا دیا کہ وہ کن لوگوں پر غلبہ پاتا ہر اور کن پر نہیں پاتا اور غرض اس سے صرف اس قدر ہے کہ ان آیات قرآنی میں جو کچھ ہم نے ہدایت اور نصیحت کی ہر اُس پر عمل کرو اور دساوس شیطان کو دل پر نہ آنے دو۔

یہ ہیں وہ آیات جنکو امام علیہا السلام نے بارہ علی میں اور اُس بیعت کے کہ جو پیغمبر نے علی کے امیر المومنین ہونیکے لیے لی تھی فرمایا ہر اور جن میں سے ایک ٹکڑے آیت کی تفسیر اُمہ ہی اس بیعت میں فرمائی ہے۔

ان تمام آیات کی حقیقت جو کچھ ہم نے بیان کی ہر خود ان آیات کے

مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے جو کچھ ان آیات کی نسبت فرمایا ہے وہ صحیح ہے اور جو کچھ تفسیر ٹکڑے آیت کی کی ہے وہ ٹھیک ہے اور اعراض مصنف مخاطب کا اُس پر قطعی غلط ہے اقم۔

وہی خاص شیعہ

تمت بالخیر والعافیہ

اعلان واجب ذعان

ہمارے بزرگ خاندان قبلہ و کعبہ جناب عموی مرزا عابد علی بیگ خان بہادر ٹاٹا ڈسبج دام ظللہ تعالیٰ کو جو ہمارے رسالہ میں روشنی کے مسودات کو اپنے نورانی حکیمانہ اور فلسفیانہ خیالات سے مزین کر کے درست فرماتے ہیں عالیجناب عمدۃ الاطیاب البحر الکاظم والجزالذی لیس له ساحل زبدۃ التورعین قدوة الشفعمین الذی ہوین و اعلا کالیدر بین نجوم السماء النور الشعشعانی و العالم الریانی السند السند و الفقیہ المعتمد سرکار شیخ محمد بن العلامة المرحوم جناب شیخ زین العابدین المازندرانی اعلیٰ اللہ مقامہ لے خطاب ”محقق مراد آبادی“ خطافوا ہے اور سنخیر کیا کہ آبادی سے غیر کے پاس روانہ کی ہے جسکی بعینہ نقل ہے آگاہی مومنین معاذ میں رسالہ روشنی کے ذیل میں درج کی جاتی ہے

بسم الله وله الحمد

مخفی و مستور نماناد - که افضل علوم و احسن معارف معرفت
اصول دین و مذهب است با قاست بر مان و دلیل نه از طریق
اتباع و تقلید - و از جمله اصول مذهب امام است و خلافت است
که از قدیم الایام بین المسلمین محل اختلاف است و غالب علما
اعلام و فقهائے کرام در اثبات امام است و خلافت کتابیانگاشته
و رساله لم نوشته اند - خاصه علمائے هند و فضلاء اوده شکر
الهدی مساعیم و جزایم الهدی عن الاسلام خیر که در اثبات این مدعا
شائبه شبهه باقی نگذاشته اند و با استدلال عقلیه و نقلیه
دلیل شک و اریاب را از قلوب موحدین انصاف ربودند
و درین ایام سعادت فرجام که احقر دارد مراد آباد شدم ملاقات
نمودم با جناب جلالت مآب اُستاد فن مناظره و کلام در
تشکیلین اهل اسلام مرزا عابد علی صاحب رتبه
الصدور دام فضله و بقا که در تحقیق سئله خلافت مجاهده
نموده و مناظره بشمار فرموده و نیز این اردو رساله لم نوشته و کتاب

تحریر کرده چون از صحبتها کایشان در نجاس حدیده نشسته
 شده و در تحقیق مسئله خلافت و امامت ایشان را در حق از حق
 غافل یافته اند این احقر ایشانرا مخاطب خطاب محقق مراد آبادی
 نمودم و نقیب باین نقیب گردانیدم مستحق این مومنین اغیار و شیعیان
 حضرت حیدر که از دانه اطهار را در میانم که جناب را در این نقیب
 مبارک شناسند و باین خطاب مخاطب سازند که سرور و سرور
 اندر تصویر خواهد بود و کان فانی و اقل شهر جادی
 النابیه علیه السلام - مرده الا حقا الجانی و غیرین
 شیخ ساین العابدین الماکرند سزانی قدس ستر
 مهر

محمد بن زین العابدین

گزارش

عاودین سقوی امید هر که به نمبر پنجمی هی پیشگی زر چنده
 سالانه بابت سقوی ام بنظر امانت چلدار سال نمبر پنجمی
 بنام و علم بلیدیت نمبر می عبدالتقوی و غیر رساله